اب کر میری نوکری

سائرہ رضا

موسم گرما تھا۔ اس پر بارش کے بعد کا حبس۔۔۔ مٹی کی سوندھی مہک جو بھگے اعصاب کے لیے باعث سکون تھی۔ جس کی وجہ سے اس کا فسوں بھی ٹوٹ گیا تھا۔ سہ پہر سے شام کے بعد تک بارش سے جی بھر کے لطف اٹھانے والے۔۔۔ اب تھکاوٹ اوڑھ کر بستروں میں جا گھسے تھے۔

فضا سے پکوڑوں' سموسوں اور ایسی دیگر اشیا کی خوشبو معدوم ہو چکی تھی۔ اور اب دروازوں کا زنگ۔۔۔ گیلی لکڑی اور نیچے دبی مسلی گھاس کی مہک حاوی ہونے لگی تھی۔ سیلن' خاموشی' اڑتے بھنگے' بھیگے پنجرتے کانوں کو جھنکتے حواس باختہ کتے' جھینگر' سب اپنے ٹھکانوں پر جا پہنچے تھے۔

دور کہیں کسی چھت کا پرنالہ اب تک بہہ رہا تھا۔ کبھی ہوا چلتی تو' پتوں کی اوک میں ٹھہرا پانی زمین بوس ہو جاتا۔ گیلی سڑک اپنے اصل رنگ میں پلٹ کر نکھری ستھری تھی۔

کبھی کبھار کوئی سائیکل سوار بے آواز گزر جاتا یا بائیک والا زن سے نظروں سے اوجھل ہوتا۔

کوئی پیدل' رات کا مسافر۔

اچانک بھک کی آواز سے دھماکا ہوا اور سارا علاقہ گہری تاریکی میں ڈوب گیا۔ ایک غصیلا بے بس' تھکا ہوا سا "اوہ" کورس میں ابھرا۔ ہلکے سے شور اور ہلچل کے بعد دوبارہ سناٹا چھا گیا۔ اب کہیں موم بتیوں کی لرزتی روشنی تھی اور کہیں گیس لیمپ کی زرد روشنی۔ کسی خوش ذوق ماضی پرست نے لالٹین کی لو بھی بڑھائی تھی۔

اپنے کام سے لگے لوگ۔۔۔ اپنے اپنے ٹھکانوں پر۔۔۔

صرف وہی ایک بے ٹھکانا دکھائی دیتا تھا۔ (دوسروں کو) اپنے تئیں تو وہ جیسے اب اصل منزل پر پہنچا تھا۔ وقت' موسم' رات' سناٹا کوئی شے اس پر اثر ہی نہ کرتی تھی۔ وہ ہر روز یہاں آکر ایسے ہی کھڑا ہو جاتا تھا۔ ایک امید اور دعا کے سہارے' ایک یقین کے ہمراہ۔ اسے "دیر" سے کبھی کوئی شکوہ نہیں ہوا تھا۔ اسے "سویر" پر یقین تھا۔

اس کی نگاہیں سامنے کھڑکی پر مرکوز تھیں۔ جہاں لائٹ جانے پر مدھم سی سرخ روشنی نمودار ہوئی تھی۔ کھڑکی کے پٹ کھل گئے تھے۔ مگر پردے ہنوز تھے۔ ایک نسوانی سایہ نظروں کے سامنے آکر معدوم ہو گیا۔ کچھ آوازیں بھی ابھری تھیں پھر مکمل خاموشی۔

مگر اسے کوئی فرق نہ پڑا' وہ جب تک چاہتا وہیں رہتا تھا' ٹکٹکی باندھ کے کھڑکی کو دیکھتا ہوا۔

مکمل ناول

☼ ☼ ☼

چائنا کا مال بیچنے والے بچے، چھٹی ہونے سے پہلے ہی موزوں جگہ پر چوکس کھڑے ہو کر آوازیں لگانے لگتے۔ وہ پانچ پانچ دس دس روپے کی ارزاں چیزیں بیچتے تھے۔ خوشبو والا ریزر، سیفٹی پنز، بہت بڑے ہو جانے والے رنگین غبارے، چھوٹی ڈائریاں وغیرہ وغیرہ۔

ہنستی کھلکھلاتی لڑکیاں گیٹ سے نکل رہی تھیں۔

لمبی موٹی، کالی ناٹی، ڈھکی چھپی، کھلی ڈلی لڑکیاں، اردگرد سے ناآشنا لگتی تھیں اپنے آپ میں گم۔

آج وہ جب سیاہ گیٹ سے باہر نکلی تو چوکنی تھی۔ اس کا پورا وجود مجسس تھا۔ وہ ہر ذی روح کو کھوجتی نگاہوں سے گھورتی تھی۔ کاش ایسا ہو پاتا کہ وہ چیختی آواز میں پکار پاتی کہ ”کون ہو تم اور کہاں ہو؟ سامنے کیوں نہیں آتے؟ ایک بار سامنے آجاؤ۔“

اس نے چائنا مال بیچنے والے لڑکے کو دیکھا۔ وہ ہر شے سے بے نیاز آوازے لگا رہا تھا۔ اسی بچے نے تو اسے اول روز وہ رقعہ لا کر دیا تھا۔ جسے اس نے ناسمجھی کے عالم میں تھام لیا تھا اور قریب تھا کہ وہ سرعام تہ شدہ کاغذ پھیلا کر کھولتی اور پڑھنے لگتی کہ دماغ کے الارم نے اسے چوکنا کر دیا۔

”ارے... یہ رقعہ... اور اسے ہی کیوں دیا گیا ہے، کیا اس بچے نے...؟“

بچہ رقعہ دینے کے بعد یوں تھا جیسے کچھ جانتا ہی نہ ہو۔

وہ آگے بڑھ کر اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ اسے یہ کیا دے گیا ہے۔ موبائل کے زمانے میں ایسی نامہ بری... ضرور اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ رقعے بازی نامی احساس نے جو سنسنی رگ و پے میں مچائی تھی۔ وہ غلط فہمی، نامی خیال نے ڈھیلی کر دی۔ وہ بچے کے سر پر پہنچ گئی۔

”یہ آپ ہی کے لیے ہے۔“ بچے نے یکدم چائنا مال، چائنا مال کی چلاتی گردان روک کر دھیمے سے کہا۔ اس بار اس کی آنکھوں سے شدید تحیر اور ہتھیلی سے پسینہ پھوٹ نکلا تھا۔

☼ ☼ ☼

”اب میں نے ایسی بھی بات نہیں کی کہ تمہیں چپ ہی لگ جائے۔“ جاذبہ نے بے پروائی سے ہاتھ چلایا۔

”شادیٔ مرگ طاری نہ... گنگ رہ گیا ہے صاحبزادہ!“ سلطان حیدر نے اپنے حساب سے تجزیہ کیا تو اس نے بھنا کر باپ کی صورت دیکھی۔

”اچھی خاصی سمجھ دار خاتون ہیں آپ۔ سمجھ میں نہیں آتا ایسے آئیڈیاز آتے کہاں سے ہیں آپ کے پاس؟“ وہ تاسف آمیز بے یقینی کا شکار تھا۔

”میں نے کہا تھا نا، کسی کو تمہاری عقل پر بھروسا نہیں کہ تم اتنا بہترین بھی سوچ سکتی ہو۔“ سلطان صاحب نے جاذبہ کو دیکھا۔ پھر بیٹے کی جانب رخ موڑتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھ کے عاجزی سے جھکے۔

”میں نے سمجھائی ہے انہیں یہ راہ... ورنہ یہ تو تمک مرچ سے باہر ہی نہیں نکلتی ہیں۔“

اس نے باپ کو اس بری طرح گھورا کہ وہ سٹپٹا گئے۔

”مجھے شک ہو رہا تھا۔ اس بیان میں آپ پورے کے پورے شامل ہیں۔“

”تو کیسے نہ ہوں۔ میں نے اول دن قسم کھائی تھی۔ بیگم کی ہر بات پر آمنا صدقنا کہوں گا، تو زندگی شانتی کا نمونہ ہو گی۔ تم بھی یہی عہد کرنا۔“ انہوں نے بیٹے کو گر کی بات بتائی۔

”امی...!“ وہ بھنا کر چلایا۔ ”آپ لوگوں کو اور کوئی کام نہیں ہے۔ فارغ بیٹھے رہتے ہیں تو الٹی سیدھی باتیں...“

”تو اب اس ارادے کے بعد کہاں رہیں گے فارغ... تمہیں کیا خبر، کتنے کام نکلتے ہیں۔“ جاذبہ نے کہا اور تائید طلب نگاہوں سے شوہر کو دیکھا۔ جنہوں نے زور، زور سے سر ہلایا۔

”پہلے ہی سب فرینڈز میرا مذاق بناتے ہیں۔ آپ میری عمر تو دیکھیں۔“ وہ بال نوچنے والا ہو رہا تھا۔

”ہماری محبت اور فکر مذاق ہے جاذب؟“ جاذبہ کا لہجہ دکھی ہو گیا۔

”اوہ نو... “ ماں کا اترا چہرا اسے نامنظور تھا۔ اچک کر ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ لیکن...“ اسے کچھ نہ سوجھا کہ وہ ماں، باپ کے اس (بے ہودہ) ارادے سے انہیں کیسے باز رکھے۔ کافی دیر تک تو وہ مذاق ہی سمجھتا رہا تھا۔

”بالکل چاند جیسی دلہن لاؤں گی اپنے چاند کے لیے۔“ جاذبہ کے ارمان جاگے۔

”چلیں ٹھیک ہے... وہ تو پھر رات ہی میں نکلا کرے گی نا۔ دن کے وقت واپس۔ میرے دوستوں کو خبر نہیں ہو گی۔“ اس نے جل کر جیسے شکر کیا۔

”تم پاگل ہو۔“ سلطان صاحب بدمزا ہوئے۔

”پوری شان و شوکت اور دھوم دھڑکے سے بیاہ کر لاؤں گا اپنی بہو... مہینوں چرچے رہیں گے۔ اخباروں میں تصاویر لگے گی۔ ہر نیوز چینل پر پٹی چلے گی۔ تم نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے، ہیں؟“

”امی! لوگ کیا کہیں گے؟“ باپ کی تفصیل سن کر سر گھوم گیا۔ اس نے مدد طلب نگاہوں سے ماں کو دیکھا۔

”لوگوں سے پوچھے گا کون؟“ جاذبہ بولیں۔

”مجھے لڑکیوں میں کوئی دلچسپی نہیں۔“

”لڑکیاں کیوں... بس ایک لڑکی، پیاری سی موہنی سی، جو ہمارے پورے گھر میں رونق بکھیر دے جو...“

”آپ کوئی تعمیری کام کیوں نہیں کرتیں۔ غریب لڑکیوں کی شادیاں کروا دیں۔ سلائی مشینیں بانٹ دیں۔“

”تو تمہاری شادی کیا تخریبی کام ہے۔ دہشت گردی کا ایکٹ لگتا ہے اس میں؟“ وہ برا مان گئیں۔

وہ ناسمجھی اور افسوس کے عالم میں ماں کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اب جو دماغ میں سما گئی تھی، وہ کر کے ہی دم لیتا تھا۔

☼ ☼ ☼

مائدہ نے موٹر سے پیر اٹھایا اور فل اسپیڈ سے چلتی مشین کو ہاتھ سے روک کر فاتحانہ سرشاری سے سب کو دیکھا اور قینچی سے دھاگا کاٹ کر پرسکون سانس لیتے ہوئے قمیص ہوا میں لہرا کر جیسے سب کے سامنے نمائش کے لیے پیش کر دی۔

”کیسی سلی ہے؟“ اس کا انداز جتاتا ہوا سوالیہ تھا۔ جواب کی منتظر تو تھی، مگر جانتی تھی کہ کیا ہو گا۔

ماجدہ آگے ہو کر قمیص اٹھا کر جیسے اب ہر ٹانکے کو تنقیدی و تعریفی نگاہ سے جانچنا چاہتی تھی مگر اس سے پہلے تاباں مجاہد نے اسے جھپٹ لیا۔

”میں پہن کر آتی ہوں، پھر دیکھنا۔“

”ارے سنو تو... ابھی آستین تو جوڑی ہی نہیں ہیں۔“ مائدہ چیخی۔

آف وائٹ دودھیا فراک کلیوں کا ڈھیر تھا۔ دامن پر سیاہ ویلوٹ کی فال تھی۔ بین کالر اور سامنے کی کرتا پٹی بھی اسی ویلوٹ کی بنائی گئی تھی۔ باریک جارجٹ خوب لچک رہی تھی۔

”تو کیا فرق پڑتا ہے۔ میں بھی تو ذرا فیل کروں کہ سلیولیس سوٹ پہن کر کیسا لگتا ہے۔“ وہ دائیں آنکھ میچ کر شوخی سے کہتی پردے کے پیچھے چلی گئی۔ جو لڑکیوں کے اس کمرے میں بطور اسٹور استعمال ہوتا تھا۔

”حسن جاناں کی تعریف ممکن نہیں، آفرین آفرین!

جو بھی دیکھے اگر وہ کہے، ہم نشیں دل نشیں دل نشیں!“

تاباں گاتی ہوئی پردے کے پیچھے سے جلوہ گر ہوئی وہ ریمپ پر چلنے والی ماڈلز کے سے انداز میں کمرے کے دوسرے سرے تک گئی پھر جھٹکا کھا کر پلٹی اور بالکل

درمیان میں آکر دونوں ہاتھ کمر پر جما کر گردن ٹھوڑی اکڑا ٹھوڑی اٹھا کر بے حس و حرکت کھڑی ہو گئی۔

وہ تاباں کو بغور دیکھنے لگی۔ فراک واقعی بے حد خوب صورت سلا تھا جب فیشن میگزین سے تاباں نے اس ڈیزائن پر انگلی رکھی تب سلائی کی شوقین اور نت نئے تجربے کرنے والی مائدہ بھی پریشان ہوا ٹھی تھی کہ کیا وہ بے حد باریک جارجٹ پر ہمراہ اسٹر اسے تیار کر سکے گی۔ مگر بہر حال۔۔۔ اس نے کر دکھایا تھا۔

تاباں کا دل خود کو دیکھ دیکھ کر بھر ہی نہ رہا تھا۔ وہ الٹی سیدھی ہو کر دائیں بائیں خود کو دیکھ رہی تھی اور سراہ رہی تھی۔ اس نے بالوں میں لگا کلپ کھول کر سر کو ہلکا سا جھٹکا یا تو ریشمی بال شڑنگ کر کے کمر پر پھسل گئے۔

تب پہلی بار ان تینوں کے چہرے پر بھی ستائش پھیل گئی۔ تاباں کے بال بے حد خوب صورت تھے۔ بہت گھنے نہیں تھے۔ چوٹی کبھی موٹی نہ بنی، مگر وہ بے پناہ سلکی تھے۔ اوپر سے نیچے تک ایک جیسے۔۔۔ کھلے ہونے کی صورت میں شکل یوں بنتی جیسے شوکیس میں سجی باربی ڈول کے بال ہوتے ہیں۔

تاباں نے ایک دوبار بالوں کو آگے پیچھے کرنے کے بعد پھر اپنے بازو کمر پر رکھے پھر سینے پر لپیٹے پھر دائیں ہو کر سیدھا ننگا بازو دیکھا۔ پھر بائیں۔

"میرے خیال سے تمہیں فراک سے زیادہ اپنے ان ننگ دھڑنگ بازوؤں کو دیکھنے میں انٹرسٹ ہے۔" مائدہ بولی۔

"کتنا برا لگ رہا ہے لگتا ہے ننگی ہی کھڑی ہو گئی ہو۔ پتا نہیں کیسے پہن لیتی ہیں عورتیں ایسے لباس۔۔۔ میں تو کبھی قمیز بھی بغیر آستین کے نہیں بناتی۔" ضوفشاں نے کہا۔

"تم لوگوں کو فیشن کا پتا نہیں ہے۔" تاباں کو افسوس ہوا۔

"ہماری خیر ہے۔" ماجدہ نے لاپروائی سے کہا۔ "ہمیں پتا ہو یا نہ ہو۔۔۔ مگر یاد رکھو! ہمارے ابا ؤں کو ضرور پتا ہے کہ کون کون سا فیشن اس گھر کی دہلیز لانگ سکتا ہے۔ اب اس سے پہلے کہ کوئی ادھر آنکلے مجھے شرافت سے قمیص واپس کرو، میرا وقت بھی بہت قیمتی ہے اور دوسرے کمر تختہ ہو گئی ہے۔" مائدہ تنگ آگئی تھی۔

"ویسے کیا خیال ہے؟ اگر اس کو ایسے ہی چھوڑ دیا جائے یعنی سلیولیس۔۔۔"

"بالکل چھوڑا جا سکتا ہے۔" ضوفشاں اپنے ناول کے مڑ جانے والے صفحات ہاتھ سے پریس کر رہی تھی۔ "مگر اس صورت میں جب ابا "شعلے کے گبر سنگھ" کی طرح تمہارے دونوں بازو جڑ سے اکھاڑ دیں۔۔۔ جیسے اس نے "ٹھاکر" کے اتارے تھے۔"

مائدہ اور ماجدہ کے منہ سے زور کا قہقہہ بر آمد ہوا مگر ضوفشاں متوجہ نہیں تھی۔

"مگر ایسی سلیولیس قمیص تب بھی تمہارا مقدر نہیں بنے گی۔ ہر قمیص کے پورے بازو ہی سلیں گے دائیں بائیں جھولتے ہوئے اور ہم سب آتے جاتے ان سے اپنے ہاتھ اور ناک پونچھا کریں گے۔ سمجھیں تم۔۔۔"

ماجدہ اور مائدہ لوٹ پوٹ ہو گئی تھیں۔

"تم سب مجھ سے جلتی ہی رہنا۔" تاباں کے لیے بہت ہو گئی تھی۔ سو وہ پیر پٹختی اسٹور کی جانب چلی گئی۔

ماجدہ اور مائدہ ایک بار ہنس پڑی تھیں۔

☼ ☼ ☼

کالج میں رنگ و بو کا طوفان مچا تھا۔ چونکہ یونی فارم کی سختی سے پابندی کروائی جاتی تھی۔ سو اسٹوڈنٹ ویک کے اس آخری دن جب سول ڈریس الاؤ کیا گیا تو لڑکیوں نے جی بھر کے ارمان نکالے تھے اور جہاں جہاں زیور ٹانکا جا سکتا تھا، ٹانک لیا۔ میک اپ کٹ کا ہر رنگ خود پر پھیر دیا۔ لینس، نقلی پلکیں، نیل پالش، نقلی لمبی چوٹی، نقلی جوڑا، نوے فیصد نے بال کھول رکھے تھے۔ قیمتی، ہلکے، پینڈو اسٹائلش ہر طرح کے لباس میں لڑکیاں بے فکری سے گھوم رہی تھیں۔ ہنسی بلاوجہ، قہقہے فلک شگاف اور لایعنی باتوں کا نہ تھمنے والا سلسلہ سب مگن تھیں۔ خود میں اور دوسروں میں۔۔۔ تعریفی انداز، تنقیدی انداز، مگر سچی بات یہ تھی کہ سب کی سب بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ بے فکری، کم عمری، لاابالی پن۔۔۔ فکر نہ فاقہ۔۔۔

لیکن ایسے میں چند ایک ایسی بھی تھیں، جو نمایاں تھیں اپنے ناز و انداز میں یا لباس کے حوالے سے یا پھر حسن خداداد پھوٹا پڑ رہا تھا، نکھر کر سامنے آ رہا تھا۔ یعنی تاباں مجاہد۔۔۔

اس نے اپنی چونکا دینے والی فطرت کا مظاہرہ آج بھی کیا تھا۔

سب سے پہلے تو گھر ہی میں مائدہ اور ضوفشاں کو قسمیں، ترلے، منتیں اور دھمکیاں دے کر اس بات پر قائل کیا تھا کہ وہ اس جیسا لباس زیب تن نہ کریں ورنہ اس کی شو ماری جائے گی۔

"ہر گھر میں کیبل لگی ہے بی بی۔۔۔ سب کو سب پتا ہے۔ کیا ان ہے اور کیا آؤٹ۔۔۔ تمہیں کیا لگ رہا ہے صرف تم ہی منفرد نظر آنے کے لیے دماغ لڑاتی ہو۔ سب کو پتا ہے آج کل گھیردار کلیوں والے لمبے فراک ان ہیں۔ ہر دوسری لڑکی نے پہن لیے ہوں گے۔" ضوفشاں نے جل کر اسے حقیقت کا آئینہ دکھایا تھا۔

"بھلے پہن رکھے ہوں۔ مگر بس تم دونوں نہ پہننا۔" وہ ہٹیلے پن سے بولی۔

"اور ویسے بھی میرا فراک گلابی ہو گا۔ فرق صاف ظاہر ہے۔" ضوفی نے یاد دلوایا۔

"مگر ڈیزائن تو وہی ہے ناں۔" اس نے زور دے کر کہا۔ "بس تم اپنا وہ ریڈ والا پہن لو۔ یا میرا بلیو جو تمہیں پسند آیا تھا۔ یا میں تمہارے لیے کچھ بھی کر دوں گی جو تم چاہو۔"

"پہلی بات وہ میرے بھیا کی بارات نہیں کہ سرخ انگرکھا چڑھالوں۔ دوسرے میں بلیو رنگ پسند ہی نہیں کرتی۔ اور تیسرے تم اتنی مجبور ہو گئی ہو کہ کچھ بھی کرنے پر راضی ہو تو پیاری بہن! تم میری خاطر کچھ اور پہن لو میں تو یہی گلابی پہنوں گی۔ ہاں۔" ضوفی نے صاف صاف بات کرتے ہوئے مائدہ کو دیکھ کر اشارہ کیا۔ "ہاں۔" ضوفی نے صاف صاف بات کرتے ہوئے مائدہ کو دیکھ کر اشارہ کیا۔ "اب دیکھنا۔"

اور واقعی تاباں کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ضوفشاں کی صاف گوئی۔ اس کے پتے اسی پر الٹ دیے۔

"میں نے ڈیزائن ڈھونڈا تھا اور پہلے میرا اسلا ہے۔ اس لیے میں تو وہی پہنوں گی۔" وہ دوبارہ کمر کس کے میدان میں کودی۔

"لیکن میرا بھی سل چکا ہے۔" ضوفی نے بے نیازی سے کہا۔

"میں آج کے بعد کمرا بند کر کے اپنے ڈیزائن بنواؤں گی۔ تم نے چوری کی ہے۔"

"اب تو کر لی ہے۔ بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔" ضوفی لاپروائی سے بولی تھی۔

"بلاوجہ کی بحث ہے یہ تاباں! بہنیں ایک جیسے کپڑے پہنتی ہی ہیں۔" مائدہ بحث سے تنگ آگئی۔

"ہونہہ۔ وہ ... بچپن ... سسٹرز ہوتی ہیں۔" اس نے تیزی سے کہا پھر ذرا دھیمی ہو گئی۔ "میں تو بس سب سے منفرد نظر آنا چاہتی تھی۔"

"تو یہ کون سا مسئلہ ہے۔" ضوفی نے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ "ایسا کرنا تم یونیفارم میں چلی جانا۔ قسم خدا کی سب کے سب بس پھر تم کو ہی دیکھیں گے۔"

"بلکہ اس دن امی سے بالوں میں تیل ڈلوا کر پراندا بھی ڈال لینا، جب وہ کھینچ کھینچ کر چوٹی گوندھیں گی اور آنکھیں اور بھنویں جاپانیوں کی طرح کس جائیں گی

تب خدا کی قسم تم سا منفرد اور کوئی نہ ہوگا۔ رنگ برنگی لڑکیوں میں تم سب سے الگ نظر نہ آئیں تو میرا نام بدل دینا۔ پاکیزہ پاکیزہ ‘اجلی’ بھئی واہ۔ ہی ہی ہی۔“

ضوفی کے جملے کے اختتام تک تاباں کا چہرہ کھنچتا گیا اور مائدہ کا کھلتا چلا گیا۔ خود ضوفی کو اپنی ہی بات کا اتنا مزہ آیا کہ زور سے ہنس دی۔ تب تاباں پیر پٹختی واک آوٹ کر گئی۔

اس نے دونوں سے بات چیت بند کر دی اور اگلے روز اسی کو سناتے ہوئے سب کے گوش گزار بھی کر دیا کہ وہ جائے گی ہی نہیں۔ ضوفی پر خاک اثر نہ ہوا۔ وہ مزے سے پاپ کارن کھاتی رہی۔

اس نے اپنی کلاس فیلوز اور دوستوں کو اٹھتے بیٹھتے باور کرا دیا تھا کہ ابھی تو پھوپھی کی بیٹی کی شادی میں کپڑے بنے ہیں اور سب ایک سے ایک پیارے اور قیمتی۔ سو وہ کیوں نئے سرے سے فنکشن کے ایک دن کے لئے ٹینشن پالے۔ کچھ بھی پہن لے گی۔

سب دوستوں نے بڑے انہماک سے فوٹو البم دیکھ رکھے تھے اور تاباں کے سارے جلوے بھی۔ تاباں کو مختلف اسٹائل سے تصاویر بنوانے کا بھی شوق تھا۔ اپنا ذاتی البم۔ دوستوں نے اندازہ لگا لیا کہ تین سوٹ تھے۔ سیاہ۔ سرمئی اور پیلا۔ اب تاباں نے جب کہہ دیا ہے تو وہ ان ہی میں سے کوئی زیب تن کرے گی۔ چاروں بیسٹ فرینڈز نے ان ہی رنگوں کا انتخاب کیا۔

ڈیزائن بھی کاپی ہو گئے۔

مگر آگے بھی تو تاباں تھی۔ اس نے سب کو چلایا تھا۔

ضوفشاں نے پورا ہفتہ اسے جی بھر کے تنگ کیا۔ چڑایا اور جتایا۔ کبھی گلابی کلپ ڈھونڈ کر۔ کبھی میچنگ جوتے ساتھ رکھ کے۔ تاباں سب دیکھتی اور نظر انداز کرنے کا تاثر دیتی۔ فنکشن میں نہیں جانا۔ یہ تو طے کر ہی چکی تھی مگر فنکشن کی صبح مائدہ اور ضوفشاں دونوں جب تیار ہو کر آئیں تو وہ حیران رہ گئی۔

دونوں نے پھوپھی کی بیٹی کی شادی والے لباس زیب تن کر رکھے تھے اور وہ اسے جلد از جلد تیار ہونے کا کہہ رہی تھیں۔

”وہ گلابی سوٹ......“

”وہ تو میں تمہیں تنگ کر رہی تھی۔ میں نے تو شروع دن ہی سے طے کر لیا تھا کہ مجھے کیا پہننا ہے۔ سال کا واحد فنکشن۔ میں ابھی اتنی بڈھی نہیں کہ اسٹائل کے نام پر بالکل ہی سادہ سوٹ لٹکا کر چلی جاؤں۔ ہونہہ! میں تو سولہ سنگھار کر کے ہی جاؤں گی۔“ ضوفشاں نے مزے سے کہا۔

”ضوفی کی بچی!“ تاباں اس کی چال بازی کو سمجھ کر چلائی تھی اور پھر جتنی تیزی سے اسے تیار ہونا پڑا۔ مگر تیاری کے حوالے سے بھی اس کا ذہن واضح تھا۔ اس نے ایسا میک اپ کیا، جو نہ تو دکھتا تھا نہ چھپتا۔ تقریباً ہر لڑکی نے اپنے بال کھول رکھے تھے اس نے سب کو سمیٹ کر دائیں جانب ڈال دیا۔

دراز قامت تھی۔ کھسے اور فلیٹ جوتے پسند تھے۔ مگر آج سیاہ ویلویٹ خوب لمبی ہیل پہن رکھی تھی۔ چوڑی دار پاجامہ اور آستین بھی چوڑی دار۔ کانوں میں سیاہ رنگ کے چوڑی برابر گول رنگ ڈال لیے۔

وہ اپنے ناز و ادا میں اپنی مجموعی شخصیت میں واقعی منفرد نظر آتی تھی کچھ فطری طور پر اور کچھ شعوری کوشش سے۔

کئی لڑکیوں نے بے حد قیمتی لباس بھی زیب تن کر رکھے تھے۔ وہ خوب صورتی میں اس سے بہت آگے تھیں مگر پھر بھی پلٹ پلٹ کر اسے دیکھتی تھیں۔

”تم تو کہہ رہی تھیں شادی والے کپڑے پہنو گی؟“ گولا گنڈا اپنی دوست نے آخر کہہ ہی دیا۔

”ہاں ارادہ تو یہی تھا۔“ اس نے شان بے نیازی سے گردن ہلائی۔ ”مگر پھر سوچا کالج میں کون سا روز روز فنکشن آتے ہیں۔ سال کا ایک موقع۔ بس اس لیے۔“

”تو یہ کب بنایا۔ تم نے ذکر بھی نہیں کیا؟“ دوسری طوفان بنی سہیلی نے بھی پوچھا۔ اب اتنی محنت راتوں رات تو ہو نہیں سکتی تھی۔

”یہ۔!“ اس نے یہ کو کھینچا۔ ”بڑے دنوں سے

ڈیزائن سلیکٹ کر رکھا تھا۔ مائدہ ہی سی رہی تھی۔ بس پرسوں اس کا پورا کرنے کا موڈ بن گیا۔ اچھا اب چھوڑو میرے کپڑوں کا ذکر۔ آؤ اسٹالز پر چلتے ہیں کچھ کھاتے پیتے ہیں۔ موج کرتے ہیں۔“

وہ ان لوگوں میں سے تھی جنہیں کبھی چنا نہیں جاتا۔ مگر وہ گروپ کے لیڈر ہی ہوتے ہیں۔ پیدائشی رہنما۔

دوستیں جو ذرا بجھی ہوئی تھیں۔ وہ بھی حال میں پلٹیں کہ آج تو فقط انجوائے کرنے کا دن ہے۔

تاباں سارے گروپ کو اپنے جلو میں لیے آگے بڑھتی تھی۔ کبھی رک جاتی۔ کبھی ہنس دیتی۔ کبھی کچھ خریدنے لگ پڑتی۔ کھانا پینا تو آج کے دن کا سب سے اہم کام تھا۔ کچھ اسٹالز پر بڑے اسپیکر رکھ کر میوزک کا بھی اہتمام تھا۔ اور کالج جیسی بورنگ جگہ جہاں بے تاثر عمارت ہوتی ہے اور پروفیسرز کے احترام میں جھکے دبے سہمے پھول پتے۔ اس جیسی جگہ پر اونچی آواز میں میوزک سننا کیا مزے کا تجربہ تھا۔ سو وہ ہر جگہ سے دو چار گانے سن کر ہی اٹھتیں۔

لڑکیاں تصاویر بنوا رہی تھیں۔ گروپ فوٹوز۔ بعض پروفیسرز کی منتیں کر کے انہیں بھی قائل کرتیں کہ میم بس ایک پکچر پلیز۔ قیمتی نیو ماڈل کے موبائل مگر تاباں کے پاس رول والا کیمرا تھا۔ اسے البم بنانے کا شوق تھا اور دوسرے ان کے گھر میں ابھی تک لڑکیوں کو موبائل کی اجازت نہیں ملی تھی۔

صبح نو بجے شروع ہونے والا فنکشن چار بجے تک تھا مگر لڑکیوں کا جوش و خروش کسی صورت کم نہ ہوتا تھا۔ وہ ہنوز تازہ دم تھیں۔

اختتام پر تقسیم انعامات تھی۔ سب سے زیادہ کمانے والا اسٹال۔ سب سے بہترین سجاوٹ اور ڈسپلے۔ لاجواب آئٹم۔ فینسی ڈریس شو کا نتیجہ اور کچھ سرپرائزنگ انعامات و اعلان۔

سب سے انوکھا اور اچھوتا منفرد لباس۔ یہ انعام بی اے فائنل کی سحر حسین نے جیت لیا۔ وہ کھلتے گلابی رنگ کے تھری پیس میں تھی۔ اس نے سیونٹیز کی زیبا کا سا انداز اپنایا تھا۔ تنگ پاجامہ۔ اونچی بند چاک فٹنگ کی قمیض۔ چنا دوپٹا۔ بالوں کا اسٹائل ہو بہو زیبا جیسا اونچا پھولا پف اور بالکل سوٹ کی میچنگ کا گلاب کا پھول۔

یہ انعام پروفیسرز کی جانب سے سرپرائز تھا۔ ان کا ایک گروپ لڑکیوں میں گھوم پھر کے سب کو دیکھ چکا تھا۔

سب سے باوقار اور اسٹائلش لباس و انداز کا انعام سیکنڈ ایئر کی تاباں مجاہد کے لیے دیا گیا۔

تاباں کا دل بلیوں اچھلا۔ وہ بھنگڑے ڈالتی اور باقاعدہ سب کو منہ چڑاتی اوپر جانا چاہتی تھی مگر لفظ باوقار کانوں میں موجود تھا۔ دوسرے بھنگڑے ڈالنے کا کام اس کے گروپ نے انجام دیا۔ مائدہ ویسے ہی چھت تک اچھل رہی تھی۔ ساری محنت تو اس کی تھی اور تاباں نے اس کا نام لے کر اسے بھی اسٹیج پر بلوالیا تھا۔ ضوفشاں کے منہ میں سیٹی تھی۔ جسے وہ رکے بنا بجائے جا رہی تھی۔

تاباں کا اسٹیج پر چڑھنا۔ انعام لیتے ہوئے مدھم سا مسکرانا اور خمیدہ ہو جانا۔ آسکر لیتے وقت کوئی بیسٹ اداکارہ بھی کیا مشکور و ممنون ہوتی ہوگی۔

فنکشن کے اختتام پر گاؤن چڑھا کر گراؤنڈ سے نکلنے تک ہر جگہ تاباں، تاباں تھا اور اس پر تاباں کے نخرے اف توبہ۔

مخالف گروپ کی لڑکیاں جو باقاعدہ چڑتی تھیں۔ اب سڑ رہی تھیں۔

”جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا۔“

اس کی کلاس فیلو ثمر نے اپنے منگیتر کی بائیک پر سوار ہوتے ہوئے با آواز بلند کہا تھا۔ وہ لبرل گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور منگیتر تایا کا بیٹا۔ وہ بہت اسمارٹ بندہ تھا اور اکثر اسے لینے آتا تھا۔

اگر آپ کالج میں ہیں اور ایک عدد منگیتر بھی رکھتی ہیں تو یہ آپ کی ساری قابلیت پر بھاری خوبی ہے۔ جسے رٹے لگا کر پورا نہیں کیا جا سکتا۔

تاباں سمیت اس کا سارا گروپ آگ ہو گیا۔ تاباں

بائیک کے بالکل نزدیک چلی گئی۔ منگیتر موصوف شان بے نیازی سے کھڑے تھے۔

"صحیح کہہ رہی ہو۔ جنگل میں مور ناچا۔ کس نے دیکھا۔ کس نے دیکھنا ہے۔ ظاہر ہے جنگلیوں ہی نے دیکھنا ہے۔۔۔ ہی ہی ہی۔"

☼ ☼ ☼

وہ تینوں مسلسل بولتے ہوئے اور ہنستے ہوئے کامن روم میں داخل ہوئی تھیں۔ اپنے ہینڈ بیگ لاپروائی سے یہاں وہاں ڈال دیے۔ تاباں نے ایوارڈ بھی اچھال دیا۔ وہ صوفے پر کشن کی آڑ میں جا کر پھنس گیا۔

"بڑی خوش لگ رہی ہو۔ کیا ہوا۔" ماجدہ اندر داخل ہوئی۔

"وہی جو ہونا تھا۔" تاباں نے ادائے بے نیازی سے ہاتھ دو اطراف پھیلائے۔

"بیسٹ لباس پر انعام ملا ہے تاباں کو۔" مائدہ کی خوشی کی وجہ تھی۔ وہ اس ایوارڈ کی اصل حقدار تھی۔

"دکھاؤ تو ایوارڈ ہے کہاں۔" ماجدہ پر تجسس تھی۔

"ہو گا یہیں کہیں۔" تاباں نے لاپروائی سے ادھر ادھر دیکھا۔

"کوئی ایسے پھینکتا ہے تاباں۔" ماجدہ کی حیرت بھری سرزنش پر ضوفی اور مائدہ نے تائیدی سر ہلایا۔

"ضوفی والے ریک پر جگہ بنا کر سجا دیتیں۔"

"یہ سجانے والا ایوارڈ نہیں ہے۔" تاباں نے کہا "یہ بس جیتنے کے لیے تھا۔ جیت لیا۔ کام ختم۔ ضوفی کے تو تعلیمی ایوارڈ اور شیلڈز ہیں۔ مجھے جیت میں دلچسپی ہے۔ میرے ہاتھوں میں آنے کے بعد اس کی اہمیت ختم۔ کسی اور کو نہیں ملنا چاہیے تھا بس۔"

"عجیب ہو تم۔" ماجدہ بولی۔

"اور یہ گھر میں اتنا سناٹا کیوں ہے۔ کہاں ہیں ہم سب کی والدہ ماجدا میں۔ اور ان کے گلشن کے پھول اور کلیاں۔" تاباں ہی کو سناٹا محسوس ہوا۔

"پھول اور کلیاں بھنورے کے قبضے میں ہیں یعنی۔ کوچنگ ماسٹر تشریف لے آئے ہیں۔ دوسری خبر یہ ہے کہ راشدہ آپا کے گلشن میں ایک پھول کا اضافہ ہوا ہے۔"

"پھول؟" مائدہ چیخی۔ "یعنی بیٹا۔ اوہ یا!" اس نے ہوا میں مکا لہرایا۔ ضوفی کے ہونٹوں پر بھی مسکان آ رکی۔

"اب ان کے سو گناہ معاف ہو گئے اور یہ بھی اچھا ہوا کہ پہلی اولاد بیٹا ہو گیا۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں ہم جیسے خاندان جو ذات برادری سے باہر جھانکنے کا تصور ہی نہیں کرتے۔ ان کے پاس پہلی اولاد بیٹا ہی ہونا چاہیے۔ اب ہمارے اس گھر کا حال دیکھ لو۔ ہم چار بہنیں ہوئیں اور پھر کہیں جا کر ایک بیٹا ہوا۔ پھر تایا جی کے یعنی تم لوگوں کے ہاں بھی تین بیٹوں کے بعد وہ بھائی تشریف لائے۔ پہلے راشدہ باجی پھر ماجدہ پھر یہ مائدہ اور بعد میں بھائی صاحبان۔۔۔ اب آ جاؤ چھوٹے چاچو کی طرف۔ انہوں نے پہلے بیٹا پیدا کیا۔ چلو ماجدہ ٹھکانے لگی پھر وہ وحشی جٹ پیدا کیا۔ پھر دوسرا بے درد گجر۔ جو نہ کام کا نہ کاج کا۔ آخیر میں سونیا اور رانیہ۔"

"اس سب بکواس کا مطلب؟" ماجدہ کو اپنے ہونے والے دیوروں کا یوں مذاق بننا پسند نہ آیا۔

"بکواس کا مطلب یہ ہے کہ اگر لڑکے پہلے آ جاتے تو لڑکیاں مزے سے ٹھکانے لگ جاتیں۔ اب ڈھیر لڑکیوں کا پڑا ہے اور لڑکوں سے بڑا ہے۔ سب ہی 'کیا' باجی کہتے ہیں۔

ہماری دونوں بہنیں تو چلو تائیوں میں کھپ گئیں۔ ہمارا کیا بنے گا۔"

بہت ہلکی ٹون میں بولتے بولتے اس نے یکدم بین ڈالنے کے انداز میں سر پر ہاتھ مارے۔ "ہائے ہمارا کیا بنے گا۔ اف۔۔۔!"

"تو وہ جو میرے وحشی اور بے درد دیور ہیں وہ۔" ماجدہ کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ تاباں اچھل ہی تو پڑی۔

"ان کے پلے بندھنے سے بہتر ہے۔ بندہ کوئی بلا پال لے۔"

"تاباں!" ضوفی کی ششدر آواز نکلی۔ آنکھیں مائدہ اور ماجدہ کی بھی ابلیں۔

”وہ ہمارے چاچو کے بیٹے ہیں۔ تم نے ان کے لیے کتنا غلط لفظ استعمال کیا۔ تمہیں پتا ہے پلاکس کے بچوں کو کہتے ہیں؟“

”اچھی طرح پتا ہے۔“ وہ ہٹ دھرمی سے اپنے جملے پر قائم تھی۔

”مگر یہ کون سی کتاب میں لکھا ہے کہ چاچو کے گناہوں کا کفارہ ہمیں ادا کرنا ہوگا۔ نہ بی بی چو ہالنڈورا ہی بھلا۔“ وہ صاف گوئی کی انتہا پر تھی۔

”جو بھی کہو مگر تمہارا جملہ انتہائی نامناسب ہے۔ اگر چاچو سن لیں تو۔“ مائدہ بھی ضوفی کی ہمنوا تھی۔

”اب تم بات کو کھینچو مت۔ دونوں لڑکے اپنے ماموؤں پر گئے ہیں اونچے لمبے تڑنگے۔ ان کے منہ اور شانوں کے حدود اربع کا ریکارڈ پٹواری کے پاس ہے۔ اتنے بڑے بڑے منہ۔ اوپر سے ہنستے ہیں تو حلق کا کوا تک دکھائی دیتا ہے۔ یہ بڑے بڑے ہاتھ۔ برفانی آدمی لگتے ہیں پورے۔“

”تم پھر جمیل کے بارے میں بھی ایسی ہی رائے رکھتی ہوگی؟“ ماجدہ کی آواز مدھم اور لہجہ بالکل ٹوٹا سا ہوگیا۔ لگے ہاتھوں اپنے منگیتر کے بارے میں بھی معلومات لے لی جائیں۔

”نہیں۔“ تاباں نے قطعی پن سے سر نفی میں ہلایا۔ ”جمیل بھائی لگتے ہیں چاچو کے بیٹے۔ تم خوش نصیب ہو۔ باقی رہیں۔ سونیا‘ رانیہ تو وہ ہمارے ساتھ رہ کر ہمارے جیسی ہوجائیں گی۔ مگر تم ہمارے انکار کو دل پر مت لو ہونے والی بھابھی محترمہ! بھری پڑی ہے ہماری برادری جو محض ذات کی میچنگ کو دیکھ کر ہاتھ پیر جوڑ کر تمہارے دیوروں کو داماد بنائیں گے۔ مگر ہمیں بہرحال معاف رکھو۔“

”تم اتنی بری رائے رکھتی ہو تاباں۔ اتنا ناپسند کرتی ہو شکیل اور عقیل کو۔“ ماجدہ ابھی تک صدمے میں تھی۔

بات کہاں سے کہاں نکل گئی تھی۔ یہ صحیح تھا چاچو کے دونوں بیٹے پہلے پڑھائی سے بھاگے اور اب بس آوارہ گردیاں ہی کرتے تھے۔ چاچی کچھ پینڈو سی تھیں۔ ان دونوں پر اپنے ماموؤں کا زیادہ اثر تھا۔ شکل و صورت میں بھی اور عادات تو مکمل طور پر۔

”تمہیں تو میری ناپسندیدگی کا صدمہ ہی لگ گیا۔ یہ بیٹھی ہیں دونوں‘ پوچھ لو۔ یہ مائدہ آپ کی اپنی سگی بہن اور یہ ضوفی میری چھوٹی بہن۔“ تاباں نے رخ موڑ کر دونوں کو دیکھا۔

”کیوں بھئی! اپنا چاہو گی اپنی بہن صاحبہ کی دیورانی۔“

دونوں نے تاباں کو دیکھا جو جواب جانتی ہی تھی پھر ماجدہ کو جو بڑی متوقع نگاہوں سے دونوں کو دیکھ رہی تھی پھر ایک دوسرے کو دیکھا اور بے ساختہ کورس میں بولیں۔

”نہیں۔ کبھی نہیں۔“

تاباں قہقہہ لگا کر ہنستی چلی گئی۔ ہنسی میں مائدہ اور ضوفی بھی شامل ہوگئیں۔

ماجدہ کے چہرے پر جھینپی جھینپی ـــــ مسکان آرکی تھی۔

☆ ☆ ☆

”کہاں جارہے ہو چھپ چھپ کے میرے سوہنے شہزادے!؟“ تاباں نے یکدم آگے آکر کاشان کا راستہ روکا۔ وہ پورا مرد بن کر بڑے دبدبے سے قدم اٹھاتا اندر جارہا تھا۔ سوٹ پر کلف لگا تھا سو چال میں بھی ایک اکڑاہٹ آگئی تھی۔ تھوڑی چوڑی ٹانگیں۔ بازو بھی جسم سے ذرا دور رکھے تھے۔

تاباں نماز پڑھ کر آئی تھی۔ چہرے کے گرد دوپٹا کسا تھا۔ اسے دیکھتے ہی آنکھوں میں شرارت عود کر آئی تھی۔

”کتنے پیارے لگ رہے ہو‘ ہمیں لفٹ ہی نہیں کراتے۔“ تاباں نے اسے بغور دیکھا۔ دھلا نکھرا معصوم چہرہ۔ جس پر سنجیدگی کا خول چڑھا رکھا تھا۔ اب ہراساں سا اسے دیکھ رہا تھا۔

”آپ مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ میرے سارے کپڑے خراب‘ چڑ مڑ ہوجائیں گے۔“ اس نے گریز کی اصل وجہ بتانے میں عافیت جانی۔ ”مجھے ابھی عصر کی نماز بھی انہی کپڑوں میں پڑھنے جانا ہے۔“

”او کے۔“ تاباں نے مصالحانہ ہاتھ اٹھائے۔ ”تو پھر تم مجھے شرافت سے پیار کرنے دو۔“ تاباں نے بھی مطالبہ رکھ دیا۔

”نہیں۔“ وہ اس کے چٹاچٹ گال چومنے سے بہت چڑتا تھا۔ چار بڑی بہنوں کا اکلوتا چھوٹا بھائی ہونے کے فائدہ تو بہت سے تھے مگر نقصان بھی بے حد تھے۔ بچت ہوگئی اگر جو وہ ذرا بے خبر ہوتا تو تاباں نے اسے جھپٹ کر لپٹا ہی لیتا تھا۔ وہ آج اپنے ابا اور تایا چاچا اور دیگر بھائیوں جیسے حلیے میں خود کو بہت معتبر بدر سمجھ رہا تھا۔

”اچھا ٹھیک ہے۔“ اس نے مان لیا۔ ”اور میرے کپڑے خراب نہ ہوں اور آپ چھپا بھی نہیں ڈالیں گی۔“

اس نے اپنی شرائط پیش کیں۔ تاباں نے تسلیم کیں۔ ایک قدم تاباں نے بڑھایا۔ ایک قدم اس نے۔

لیکن اس سے پہلے کہ تاباں قریب ہوتی وہ غچہ دے گیا۔ سرپٹ اندر کی جانب دوڑا۔ پہلے تو تاباں کی سمجھ میں نہ آیا۔ پھر اس کے پیچھے بھاگی۔ مگر سنبھل کر وہیں رک جانا پڑا۔

کامن روم میں سب گھر والے براجمان تھے۔ بڑے صوفے پر ابا اور جمیل بھائی۔ کاشان انہی کے درمیان جاکر بیٹھ گیا۔ اس نے ہو بہو ابا کے انداز نشست کو نقل کیا تھا اور جب تاباں پر نگاہ پڑی تب بھی تاثرات نہ بدلے۔ وہ ابا کی سی سنجیدگی سے تایا کو سن رہا تھا۔ تاباں کو بھی مودب ہونا پڑا۔ اس نے سانسیں درست کرتے ہوئے دوپٹا سلیقے سے جمایا اور ایک کرسی پر ٹک گئی۔ ساجد چاچا بیچ میں جملے جوڑ دیتے تھے۔ عقیل اور شکیل بھی بڑے باادب بیٹھے تھے۔ قصہ ختم ہوتا۔ کھانا لگتا پھر ابا وغیرہ قیلولہ کے لیے جاتے تب ان کی مشکل آسان ہوتی۔ (بائیکس نکال کر آوارہ گردیوں پر جاتے۔ شو مارتے۔ ریس لگاتے)

خواتین ہمہ تن گوش تھیں۔ دلچسپی عروج پر تھی۔ آنکھوں میں ستائش تھی۔

”کس نے غلط فہمی پال لی کہ اسلام قبضہ گروپ جیسی ذہنیت رکھنے والا مذہب ہے؟ آقائے دو جہان نے تو مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے یتیم بھائیوں سے زمین بھی قیمتاً لی تھی اسلام میں جارحیت نہیں ہے۔ زور زبردستی نہیں ہے۔ اسلام میں اذیت اور تکلیف نہیں ہے۔ لیکن لوگ اسلام کا نام لے کر جائز ناجائز سب کرتے ہیں اور اعتراض کرنے والے کو دائرہ اسلام سے خارج کرنا تو زبان کی نوک پر دھرا ہوتا ہے۔“

”پھر ابا آپ نے فیصلہ کیا دیا؟“ ضوفشاں کو جلدی تھی۔

”کیا فیصلہ کرنا تھا۔ وہ تو ہم بھائی ہیں۔ اور تمہارے تایا۔ حمایت کے لیے بہت ہے۔ دوسری جانب مولانا صاحب تھے۔ اشرفی صاحب تھے۔ وکیل بھی تھا۔ اور اپنے محلے کے ڈاکٹر۔ اصل والا بھی۔ اور وہ نقلی ڈھکن ڈاکٹر بھی۔“ وہ ہنسے۔

قصہ یوں تھا کہ ہر جمعے کو یا پھر کبھی کبھار اتوار کو بڑے مدرسے سے مبلغین اور علماء درس دینے کے لیے آتے۔ اس دن مسجد میں نمازیوں کی تعداد زیادہ ہوجاتی۔ گلی محلے کے علاقے لوگ دور دور سے بھی آتے۔ گاڑیوں پر موٹر سائیکلوں پر۔ ایسے میں گلی کے آخر تک گاڑیوں کی قطاریں لگ جاتیں۔ اور یہ قطاریں بنگلوز کے دروازوں کو جام کردیتیں۔ نہ آسکتے ہیں نہ جاسکتے ہیں۔ ایک اذیت اور تکلیف۔ کچھ لوگ مذہبی معاملے کے حوالے سے احتراماً ”خاموش رہتے اور اپنے کام نبٹا لیتے کہ دوپہر سے رات گئے تک پھر کچھ نہ ہوسکے گا۔ لیکن کچھ لوگ اعتراض اٹھانے لگے دبی زبانوں میں۔ اور دبی زبانوں کے اعتراض پر مذہبی جنونی ٹائپ لوگوں نے باآواز بلند جارحانہ اعتراض کیا کہ ”دین کی راہ میں لوگ اتنی قربانیاں دیتے ہیں اور یہ تھرڈلے دو چار گھنٹے کی تکلیف برداشت نہیں کرسکتے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یعنی تکلیف بیان کرنے پر شکایت لگانے والوں کو لعن طعن کا سامنا کرنا پڑا۔ آج اسی چیز کا فیصلہ

ہوتا تھا۔ مشاہد تاج اور مجاہد تاج اس فیصلہ سازی کے اہم رکن تھے۔ اور ان ہی کا کہا حرف آخر ہوتا۔

"تمام آنے والوں کو خوش آمدید۔ مگر وہ اپنی گاڑیوں کو قریبی میدان میں پارک کریں تاکہ گھروں کے سامنے۔ دین اسلام آزار پہنچانے کا نام نہیں ہے۔"

سب نے اس فیصلے کو مانا اور مجاہد تاج کے ڈنگ لہجے دو ٹوک فیصلے کے بعد کسی کو بھی ایک حرف کہنے کا موقع نہ ملا۔

"میں ہوتی تو میں بھی یہی فیصلہ کرتی۔" ضوفشاں نے ساری روداد سن کر آرام سے کہا۔ "آپ کو پتا ہے ابا۔ دنیا کے باقی مذاہب فرد پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ فقط اسلام فرد کے جیسا ہو جاتا ہے۔ جیسی فرد کو سہولت ہو‘ جیسا فرد چاہے۔ بس یہ ہے کہ بندے کو اس کا احساس نہیں کہ یہ دین فطرت ہے۔ لوگوں نے خوامخواہ اسے جبر کا نام دے رکھا ہے۔ دین اسلام کو اگر ایک جملے میں ڈیفائن کرنا ہوتا تو صرف یہ کہ اسلام فرد کی آسانی و سہولت کا نام ہے۔ بس! ہم میں سے اکثر کو اس کی خبر نہیں ہو پاتی۔"

گھر میں مردوں کے سامنے باادب رہنے‘ سر ہلا کر تسلیم کرنے اور عورتوں کے لیے اپنی رائے محفوظ رکھنے کا رواج تھا مگر ضوفشاں کو جو کہنا ہوتا صحیح یا غلط‘ وہ کہہ دیا کرتی تھی۔ غلط البتہ اس نے کبھی کہا نہیں۔ اب بھی نماز کے سے اسٹائل میں دوپٹا لپیٹے وہ اپنی کہہ کر اب ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھی تھی۔

شکیل نے اسے گھورا تھا اس کا بے پناہ اعتماد اسے اکثر کھلتا تھا۔ عقیل کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ مائدہ نے سوچا کہ اگر وہ اپنے جملوں کو دہرا دے تو اسے زیادہ وضاحت سے سمجھ آئے گا۔ یہی سوچ تایاں کی بھی تھی۔ ماجدہ ہلکا سا سر ہلاتے ہوئے مان رہی تھی۔ رانیہ‘ سونیا باادب تھیں۔

اور مرد حضرات۔۔۔ ابا ششدر رہ گئے اور تایا بھی۔ پھر دھیرے دھیرے تنے عضلات ڈھیلے پڑے اور ہلکی مسکان گہری ستائش میں بدل گئی۔

"میرے خیال میں اگر جانے سے پہلے میں تم سے تھوڑا ڈسکس کر کے جاتا تو میری بات زیادہ مدلل ہوتی۔ میں نے تو وہاں سیدھی سیدھی چار سنائیں۔ بلکہ صاف کہوں فیصلے کا اختیار تھا۔ بس فیصلہ سنا کر آگیا۔ تم تو بڑی قابل بچی ہو۔"

ضوفی نے سر ہلا کر حق سے تعریف وصول کی۔ مجال ہے جو سنجیدگی میں فرق پڑا ہو۔ البتہ امی کا چہرہ کھل کر گلاب ہو گیا تھا۔ سارے بچے ایک طرف ضوفشاں مجاہد ایک طرف۔

"یہ بھی پوچھ لیں۔ کون سی کتاب سے رٹے لگا کر آئی ہے۔" عقیل نے جیسے بھانڈا پھوڑا۔

"رٹے پر الزام نہ دو۔ کتاب پر غور کرو۔ کچھ بھی کیا ہو‘ کتاب بہرحال کھولنی ہی پڑتی ہے۔" اس نے ذرا جھجکے بغیر اوچھے وار کا کڑا جواب دیا۔ وہ منہ کی کھا کر رہ گیا۔ نالائق ایک زمانے میں ضوفی سے دو کلاس آگے تھا اور اب ضوفی اس سے دو جماعت آگے۔ رقابت بنتی تھی۔

چاچی جی کو ضوفی کا جملہ برا لگا۔ جبکہ چاچا ساجد ہنس دیے۔

"ہاں ابا! تو پھر آپ مجھے ڈاکٹر بنا رہے ہیں ناں؟؟ ذہین لوگ موقع ضائع نہیں کرتے۔

"ہمارے خاندان میں آج تک کوئی لڑکا ڈاکٹر نہیں بنا۔ تم تو پھر لڑکی ہو۔" چاچی جی نے اسے جتایا اور سب کو بتایا۔

"ہمارے خاندان میں آج تک مریض تو بے شمار بنے ناں۔" ضوفی نے اپنے حساب سے جواب دیے۔ "ہمیشہ نقصان کا سودا ہی کیوں کیا جائے۔ ابا آپ جواب تو دیں۔"

"بھئی وہ میں نے سنا ہے کہ ڈاکٹر بننے کے لیے بہت سے نمبر وغیرہ چاہیے ہوتے ہیں۔" ابا نے اپنی داڑھی میں انگلیاں پھیرتے ہوئے حاضرین کی جانب بھی دیکھا۔

"اب یہ بات آپ کے منہ سے کم از کم میرے لیے تو نہیں جچتی ابا!" ضوفی نے صدمے میں گھر کے کہا۔ "پیپرز کے اوپر صرف رول نمبر درج ہوتا ہے اگر

جو پوسٹل ایڈریس ہوتاں تو اگلے گھر آکر نمبر دے کر جائیں۔ اور آپ کہتے ہیں کہ۔۔۔"

"میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ ڈاکٹری کی پڑھائی پر بہت پیسہ خرچ ہوتا ہے۔" مجاہد تاج آستین فولڈ کر رہے تھے۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ اب کھانا کھائیں گے۔ دسترخوان لگا دیا جائے۔

"ابا!" ضوفی کے ہاتھ ڈھلک گئے۔ وہ کھڑی ہو گئی اور جیسے صدمے سے گنگ رہ گئی۔ "آپ کے منہ سے ایسی بات ابا!"

اس کی بے ساختگی نے مجاہد تاج کے چہرے پر مسکان بکھیر دی۔

"میں نے تو مذاق کیا تھا بھئی۔" انہوں نے ضوفی کا گال تھپتھپایا۔

"یعنی آپ مجھے ڈاکٹر بنائیں گے؟" ضوفی نے پکا وعدہ لینا ضروری سمجھا۔

"ایسا نہ کریں تمہیں تھوڑا بہت سامان ابھی لا دیں جیسے ڈاکٹروں والا کوٹ اور بی پی آپریٹس اسٹیتھسکوپ۔ تھرمامیٹر وغیرہ پریکٹس شروع کرنے کے لیے۔" ضوفی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا جبکہ عقیل و شکیل نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ ہنسی سب ہی کی نکل گئی تھی۔

"مجھے تو ڈاکٹر نہیں بننا ابا!" کاشان دسترخوان پر بھی ابا اور تایا کے درمیان بیٹھا تھا اور دونوں کو بغور دیکھ کر ان ہی کی طرح سے منہ بناتا اور جسم کو حرکت دیتا تھا۔

"مجھے تو بس آپ لوگوں جیسا بننا ہے اور داڑھی بھی رکھنی ہے اور فیصلے کرنے ہیں۔"

"بہت خوب۔" ابا بہت خوش ہوئے۔

"ضرور ضرور کیوں نہیں۔ اللہ عمر دراز کرے۔ ماں باپ کا سہارا بنو۔" تائی جی نے فوراً دعا دی۔ تایا شاہد نے زور سے آمین کہہ کر پھونک بھی مار دی۔ چھوٹے بھائی ساجد کو اللہ نے پہلے تین بیٹے عطا فرمائے۔ پھر انہیں تین بیٹیوں کے بعد دو بیٹے "جو کسی دینی مدرسے کے ہاسٹل میں زیر تعلیم تھے صرف مجاہد تھے جو چار بیٹیوں کے باپ تھے۔ اور بیٹا نہیں مگر جب وہ مایوس ہو چکے تو اللہ نے انہیں کاشان کی صورت میں بیٹا عطا فرمایا۔ وہ گھر بھر کی خوشی تھا۔

"امی! ویسے میں اکیلا مسجد جاؤں نا تو مجھے آخری صفوں میں جگہ ملتی ہے۔ مگر آج میں ابا اور تایا جی کے درمیان کھڑا ہوا اور جب مجلس میں سب فیصلہ کر رہے تھے نا تو بھی ابا نے مجھے اپنے ساتھ بٹھایا اور جب چائے مٹھائی ملی تو مجھے بھی۔۔۔ میرے سارے دوست جو سامنے دائرے میں بیٹھے تھے نا‘ مجھے دیکھ رہے تھے۔ وہ سب مجھے ہنسانے کی کوشش کر رہے تھے‘ مگر میں تو فیصلہ کرنے والوں میں سے تھا نا۔۔۔ میں بالکل بھی نہیں ہنسا بلکہ میں نے انہیں دیکھنا ہی چھوڑ دیا۔ وہ بعد میں میرے پیچھے آئے کہ اب ان کے ساتھ کھیلوں مگر میں تو اب بڑا ہوں نا۔ ایسے گلی میں کھیلتا کیا اچھا لگوں گا۔ میں تو سنجیدہ ہو گیا ہوں۔ ابا مجھے اپنے ساتھ اور سب جگہوں پر بھی لے کر جائیں گے اور میں۔۔۔"

وہ معصوم لہجے میں تیز تیز بولتا ہوا سب کچھ کہہ دینا چاہتا تھا۔ موقع جو ابھی ملا تھا۔

"اور پتا ہے بڑے مولانا صاحب نے بھی مجھ سے ہاتھ ملایا۔" اسے یاد آیا۔

سب ہی کھانا چھوڑ کر اسے سن رہے تھے۔ وہ گھر میں سارا دن لڑکیوں یعنی بہنوں کزنوں اور اپنوں کے ساتھ رہتا تھا۔ اسے جلد از جلد بڑا آدمی بننے کا بہت شوق تھا۔ ہر کام میں تایا‘ ابا اور چاچا کی نقل کرتا تھا۔ عام طور پر خاموش رہتا تھا مگر ابا وغیرہ کے سامنے خوب بول لیتا۔

اسے اپنے ابا وغیرہ کی عزت بہت بھاتی تھی۔ ان کے پاس اچھی گاڑیاں تھیں اور لوگ انہیں سلام کرتے تھے۔

وہ عزت‘ بے عزتی‘ مقام و مرتبہ کی اہمیت و جوہات سے تو ناواقف تھا‘ مگر اسے یہ سب چیزیں بہت دلچسپ لگتی تھیں کہ اس کا گھر گلی کا سب سے خوب صورت گھر ہے۔ بہت بڑے بڑے لوگ اس کے ٹیچرز اور وکیل صاحب اور ریٹائرڈ فوجی انکل بھی اس کے ابا کی بہت عزت کرتے ہیں۔ اور وہ جب ابا کے ساتھ ہوتا تو

سب اسے بھی ابا ہی کی طرح ٹریٹ کرتے ہیں۔یہ سب کیوں ہوتا ہے اسے ادراک نہیں تھا مگر اسے اچھا خوب لگتا تھا۔

اب بھی تڑتڑ زبان چل رہی تھی۔ایک کے بعد ایک قہقہہ۔۔۔

"کوئی ڈاکٹر صاحبہ کو بھی کھانا نکال دے۔" ساجد چاچا ہی نے ضوفی کو دیکھا تھا' جو بسورے منہ کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی تھی۔

سب متوجہ ہوئے ضوفی ویسے ہی بھس رہی

"یعنی ابھی سے ڈاکٹروں والے نخرے شروع۔۔۔" جمیل بھائی پہلی بار بولے ان کا سارا دھیان ماجدہ کی طرف تھا۔ صرف جمعہ کے دن کھانا اس طرح اکٹھے کھایا جاتا تھا۔باقی ماجدہ کا اور ان کا سخت پردہ تھا وہ اتنی دیر سے کسی جانب متوجہ ہی نہ تھے بس اسی آڑ کو دیکھتے تھے۔جہاں سے نیلا دوپٹا جھلک دکھاتا تھا۔

"بھئی' اتنا حق تو بنتا ہے نا۔۔!" ابا نے اس کے عمل کو جائز قرار دیا۔

ضوفی بری طرح چونکی۔"یعنی آپ مجھے ڈاکٹر بنا رہے ہیں؟"

"بیٹا! ہمارے پورے خاندان میں پہلے کبھی ایسا ہوا نہیں اس لیے۔۔"

"ابا! پورے خاندان میں مجھ جیسی قابل لڑکی بھی پہلے کبھی پیدا نہیں ہوئی۔" ضوفی نے تڑپ کر کہا۔ اسے خود پر یقین تھا۔

ابا اس کی برجستگی پر ذرا ٹھٹکے۔"چلو پھر دیکھتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" ضوفی نے ڈونگا اپنی جانب کھسکایا۔بھوک ہڑتال ختم ہوئی۔

☼ ☼ ☼

"تین دن کے حساب سے نو فلمیں دیکھی جاسکتی تھیں۔" تاباں نے انگلیوں پر حساب لگایا۔

"صرف ابا' تایا' چاچا اور ان کے وہ دو نکمے سپوت۔۔۔ تبلیغی اجتماع میں گئے ہیں۔ جمیل بھائی گھر پر ہیں اور ہماری امیاں بھی گھر پر ہیں اور بقائمی ہوش حواس اپنے سرتاجوں کی غیر موجودگی میں وہ زیادہ فرض شناس ہوجایا کرتی ہیں۔" ضوفی نے سارے حساب کا ستیاناس مارتے ہوئے حقیقت کی تلخ دنیا دکھائی۔

تاباں' مائدہ کو دیکھتے ہوئے ذومعنی انداز میں مسکرائی۔"فلمیں ہم امیوں کی غیر موجودگی میں دیکھیں گے اور رات کو دیکھیں گے اور اپنے جمیل بھائی' وہی تو ہمارے کمرے تک کیبل وائر جوڑیں گے۔بس انہیں مناسب سائز کا ٹوٹا نہیں مل رہا۔"

"جم۔۔جمیل۔۔!" ماجدہ نے بری طرح چونکی۔

"تم نے ان سے کہا ہے؟"

"ہاں تو کیا اب ہم لڑکیاں چھتوں پر چڑھ کر کیبل گزاریں گی یہاں سے وہاں۔۔۔ عقیل' شکیل کے کمرے سے یہاں تک کتنا فاصلہ ہے' کچھ اندازہ ہے تمہیں؟" تاباں کا انداز ڈپٹنے والا تھا۔

"لل۔۔۔ لیکن وہ میرے بارے میں کیا سوچیں گے کہ۔۔۔میں۔۔۔میں نے۔۔۔میں فلمیں دیکھتی ہوں۔"

"بالکل! انہوں نے یہی سوچا۔ بلکہ سوچا کیا میں نے انہیں بتایا کہ ہم لڑکیاں کتنی بور لائف گزارتی ہیں۔ اب ہم تینوں یعنی میں مائدہ اور ضوفی تو کالج جاتی ہیں۔ مگر ماجدہ بے چاری کی زندگی میں تو کوئی تفریح ہے ہی نہیں۔۔۔ بس ہانڈی روٹی۔۔۔ گھر سے باہر بھی کوئی سرگرمی نہیں ہے۔تو۔۔۔"

"تت۔۔۔! تم نے میرے شانے پر بندوق رکھ کر چلائی۔وہ میرے بارے میں کیا سوچیں گے۔"

"سوچنا کیا ہے۔ فلموں کی ایک لسٹ بنالیں گے جو شادی کے بعد تمہیں دکھانی ہوں گی انہیں۔"

"لیکن ہمیں ضرورت ہی کیا تھی اس طرح سے فلمیں دیکھنے کی۔"

"تمہیں پتا ہے دنیا چاند پر پہنچ گئی ہے۔" تاباں شروع ہوئی۔

"فلمیں دیکھنے؟" ماجدہ نے حیرت سے کہا۔ تاباں نے سنی ان سنی کردی۔

"اور ہمیں یہی نہیں معلوم کہ آج کل کون سی فلمیں چل رہی ہیں۔ لڑکیاں جب کلاس میں باتیں

کرتی ہیں نا تب ہونق بن کر ان کا منہ دیکھنے سے جو سبکی ہوتی ہے' تمہیں اس کی کیا خبر۔ لہٰذا اپ ڈیٹ رہنے کے لیے۔۔"

اور پھر نو کی جگہ اٹھارہ فلمیں دیکھ لی گئیں گھر کا ماحول سخت تھا۔لڑکیوں کے کمرے میں ٹی وی نہیں تھا۔کامن روم کے ٹی وی پر مخصوص چینل سیٹ تھے اور آنکھ بچانے جتنی بے ایمانی بھی نہیں کی جاسکتی تھی۔

"سارا دن خبریں چلتی تھیں یا کارٹون۔۔۔یا پھر کچھ مخصوص ڈرامے۔"

کیبل موجود تھی اور عقیل شکیل کے کمرے میں دنیا کے سارے چینلز آتے تھے۔وہ دونوں دنیا میں عیش کرنے آئے تھے۔باپ کا اچھا بزنس تھا اور بڑا بھائی مددگار۔۔۔ اسکول کالج جانے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔جب تک ابا کا ڈنڈا چلتا رہا جاتے رہے اور مارے باندھے میٹرک ایف تک پہنچ گئے۔ان کی اپنی دنیا تھی جہاں دوستوں کے جلو میں شوماری جاتی۔اچھی بائیک اور اونچے لمبے تڑنگے۔۔۔

علاقے میں باپ دادا کی عزت تھی اور دولت نے عزت کے شملے پر تمغہ لگا رکھے تھے' سو جہاں جاتے گروپ لیڈر ہوتے۔

کسی بدفعلی یا بدکرداری کے مرتکب کبھی نہیں رہے' مگر بس شوباز' آوارہ تھے۔اچھے لباس میں اڑے پھرتے بے فکرے۔۔۔ من مانی کرنے کی کافی حد تک کوشش بھی کرتے۔

اس بار بھی جب وہ بڑوں کے جانے پر کوئی مزے دار سا پروگرام ترتیب دینے والے تھے تو بڑے پہلے ہی انہیں اپنے ساتھ باندھ کرلے گئے کہ کچھ نیک بن کر لوٹیں گے۔

جمیل معتدل مزاج تھا۔وہ اتنی چھوٹی موٹی تفریح کو برا نہیں سمجھتا تھا۔لہٰذا۔۔۔

"میں کرینہ سے زیادہ خوب صورت ہوں۔" تاباں نے خود آئینے میں گھنٹوں دیکھا۔

"اس کی بیوٹی تو مہنگے ترین میک اپ اور ٹریٹمنٹ کی محتاج ہے جبکہ میں صرف منہ دھو کر ہی۔۔۔ماشاء اللہ۔۔۔"

مائدہ نے چونک کر دیکھا تھا اور پھر تائیدا" مسکرادی۔

"مگر خدا کے لیے مجھے کرشمہ سے مت ملادینا۔" ضوفی نے فوری کہا تھا۔"میں بہن ہونے کی اتنی بڑی قیمت ادا نہیں کرسکتی۔"

"ہاہاہا۔۔!" تینوں دل کھول کر ہنس دیں۔ تاباں نے کوئی آدھا گھنٹہ اپنے بالوں میں برش پھیرا۔

"گھر سے بھاگنے میں کتنا تھرل ہے نا!" تینوں نے بری طرح چونک کر اس کا تبصرہ سنا۔یہ رائے تھی فیصلہ یا سوال۔۔۔

وہ آئینے میں اپنی بہنوں کے اڑے رنگوں کو دیکھ کر زور سے ہنس دی۔

"میں فلم کی بات کررہی ہوں۔"

"یا اللہ۔۔۔!" مائدہ نے سر ہاتھوں پر گرالیا جبکہ ضوفی کو حیرانی نے اس کی مہلت بھی نہ دی۔

"بہت خوب کیا سبق سیکھا ہے؟" ماجدہ نے کہا۔

"نہیں میرا مطلب ہے۔۔۔ کہ کیسا خوابوں کا گھر تھا۔۔۔نہ کوئی بکھیڑا نہ الجھن۔۔۔ ہرے بھرے جنگل میں بسیرا۔۔۔ قناعت والی زندگی۔۔۔اور محبت۔۔۔"

"الو۔۔۔ عملی زندگی میں کوئی ایسا کرے نا تو سب سے پہلے ہاؤس بلڈنگ والوں نے آکر مشکیں کس دینی ہیں کہ تم نے کیسے سرکاری زمین پر "خوابوں کا بسیرا" قائم کرلیا۔ پھر بھتہ خور۔۔۔ اور اتنے بڑے ہرے بھرے گھر میں کبھی دیوار پر تصویر ٹانگنی ہو تو کیل نہیں ملتی۔ فلم اور حقیقت الگ الگ چیزیں ہیں۔" ضوفی نے ادھیڑ کر رکھ دیا ایک منٹ میں۔۔۔

ماجدہ ہنستی چلی گئی جبکہ مائدہ عش عش کراٹھی۔ تاباں کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس کی حقیقت پسند بہن۔۔۔اف۔۔۔

"اور یہ تو چلو مذاق کی بات ہے مگر فینٹسی۔۔۔"

"گھروں سے بھاگنے والی لڑکیاں۔۔۔ اپنے باپ دادا کے نام' ان کی زمانوں کی کمائی عزت اپنے پیروں تلے روند دیتی ہیں۔ پیچھے ماں باپ نے دنیا کے کیا کیا طعنے سنے۔۔۔ بہن بھائی کیسے منہ چھپا کر نکلے۔۔۔ ان کے

مستقبل کی راہیں مسدود کرکے اپنا مستقبل بنانے نکل پڑی ہیں اور نکل بھی جاتی ہیں تو کیا جو کچھ سوچتی ہیں وہ مل جاتا ہے۔ عزت۔۔۔ نہیں ملتی۔ شان۔۔۔ کمان سے نکلے تیر کی طرح ناقابل واپسی۔ جس کے ساتھ بھاگتی ہیں وہ بھی دامن چھڑاتا ہے۔ جس گھر میں جاتی ہیں وہاں کتے سے بھی بدتر۔۔۔ اور اگر قسمت سے یہ سب نہ ہو تو نافرمان اولاد جنم دیتی ہیں۔ لاعلاج مرض میں گرفتار ہو جاتی ہیں۔ خون تھوکتے مرتی ہیں، تمہیں کون سی فینٹسی دکھائی دے گئی۔" ضوفی کا سانس پھول گیا۔

ماجدہ اور مائدہ۔۔۔ ضوفی کی حقیقت پسند فطرت سے واقف تھیں۔

ضوفی عمر میں ان تینوں سے چھوٹی تھی مگر اس کی ذہنی عمر بہت زیادہ تھی۔ وہ چیزوں کو بہت گہرائی سے دیکھتی تھی اور جانچتی تھی۔ معمولی سے معمولی چیز بھی اس کے علم میں آجایا کرتی تھی۔ بے حد محنتی۔۔۔ ایک معتدل مزاج لڑکی۔۔۔ ہاں اسے جنون تھا پڑھائی کا ڈاکٹر بننا اس کا خواب تھا جس کے لیے وہ دن رات محنت کرتی تھی۔

برجستہ تھی۔ معاملہ فہم، موقع شناس، ذہین، حساس، دردمند۔۔۔

گھر کے مرد، عورتوں سے بوقت ضرورت مخاطب ہونے کی فطرت رکھتے تھے۔ بس کام کی بات مگر ضوفی۔۔۔ سب کے بیچ خبریں سننے بیٹھ جایا کرتی تھی۔ جب سب مرد اینکر ـــ حضرات کے جملوں کو صحیفہ سمجھ کر سرہلا رہے ہوتے۔۔۔ وہ بڑے مزے سے اونچی آواز میں انکار کر دیتی کہ نہیں یہ یہاں غلط کہہ رہا ہے۔ ایسے نہیں ایسے۔۔۔

اور اپنی رائے میں وہ اتنی دوٹوک ہوتی کہ بڑے حیرت زدہ رہ جاتے چونک پڑتے۔

سب نے دیر ہی سے سہی۔۔۔ بڑی مشکل ہی سے مگر جان لیا کہ وہ خاص الخاص بچی ہے اور بھلے خاندان میں کسی نے اعلا تعلیم حاصل نہیں کی۔۔۔ مگر وہ کرے گی اور بھلے سے پورے خاندان میں ایک بھی فرد ڈاکٹر نہ تھا، وہ ڈاکٹر بھی بن جائے گی۔ وہی ضوفی اب تاباں کے احمقانہ جملے کو کیسے ہضم کرتی۔ سو شروع ہو گئی۔

"تم تو پیچھے ہی پڑ گئیں، میں نے تو صرف فلم کو پسند کیا تھا۔" تاباں ذرا شرمندہ خفا تھی۔

"تمہیں اپنی پسند ناپسند کا معیار بلند کرنا ہوگا۔" ضوفی نے قطعیت سے کہا۔

"حقیقت کی دنیا میں آنا ہوگا جہاں مشکلات ہیں۔ کٹھنائیاں ہر قدم پر پیچ۔۔۔ ناقابل یقین۔" مائدہ نے کہا اور ماجدہ نے سرہلایا۔

ہونہہ! وڈی استانیاں۔" تاباں نے بے ساختہ کہا۔ تینوں کی ہنسی نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے تین بار پتا چلا کہ آپ ملنے آئی تھیں مگر میں ہی گھر میں نہ تھی دراصل ہمارا تو کام ہی ایسا ہے کہ گھر سے باہر نکلے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔" آپا تسنیم نے معذرت خواہانہ انداز میں عذر بتایا۔

"کوئی بات نہیں۔ میں جانتی ہوں۔" جاذبہ مسکرائیں۔ "تب ہی یہ پیغام دیا کہ آپ جب فرصت سے ہوں تو خود ہی چکر لگالیں۔ ورنہ کبھی تکلیف نہ دیتی۔"

"ارے آپ معذرت کیوں کرتی ہیں۔ میں نے کہا نا ہمارا تو کام ہی ۔۔۔"

"وہ بات ٹھیک ہے۔" جاذبہ نے دھیمے مگر مہذب انداز میں آپا تسنیم کا جملہ کاٹا "مگر اچھے میل ملاپ کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جسے کام ہو وہی پیش قدمی کرے۔" تسنیم ہنس پڑیں۔

"یہ آپ کی سوچ ہے اور ایسی باتوں ہی سے خاندانی لوگوں کا پتا چلتا ہے۔" جاذبہ اثبات میں سرہلاتے ہوئے ہنس پڑیں۔ "یہ رول تو لیں۔۔۔ ابھی صبح ہی بنائے ہیں۔" جاذبہ نے کہنے کے ساتھ ہی رول پلیٹ میں ڈال دیے۔

"اب آپ مجھے بتا ہی دیں۔ کس لیے ملنے کی اتنی بے چینی تھی۔ سب خیریت ہے نا۔" جب پیٹ میں

ذرا گنجائش نہ رہی تب انہیں دھیان آگیا۔
جاذبہ دل سے مسکرائیں۔ "آپ کو کیوں بلایا جاتا ہے؟"
"آپ نے رشتے کے لیے؟" آپا حیرت سے ان کی صورت دیکھنے لگیں۔
"اس میں اتنی حیرانی کیوں؟ اللہ کے فضل سے ہم بھی ایک بیٹے کے والدین ہیں الحمد اللہ۔" جاذبہ کے چہرے پر تشکر پھیل گیا اور آنکھیں حسب معمول جھلملا گئیں۔
"مگر..... وہ تو ابھی بہت چھوٹا ہے۔ اٹھارہ انیس کا۔"

"بیس سال تین ماہ کا ہے۔ ماشاء اللہ سے....."
جاذبہ منٹ اور سیکنڈ بھی بتانے والی تھیں۔
"ہاں' ہاں..... ماشاء اللہ بیس برس کا ہے مگر رشتے کے حساب سے، بہت چھوٹا ہے ابھی۔ آپ اتنی جلدی اور پھر آپ کا تو اپنا بھرا پرا خاندان ہے۔" جاذبہ کے بے حد مہذب لہجے نرم آواز مناسب جملوں نے آگے آپا تسنیم نے بھی اپنی حیرانی و تجسس کا اظہار سلیقے سے کیا۔

جاذبہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ وہ کسی سوچ میں ڈوب سی گئیں۔
"آپ بھی سب کچھ جانتی ہی ہیں..... کم عمری میں شادی ہوئی اور اتنی طویل بے اولادی کے بعد ملنے والا بچہ..... بڑھاپے کی اولاد ہے۔ ہم دونوں ہی چھوٹے ہیں اپنے اپنے گھروں کے..... ہمارے بہن بھائیوں نے تو بچوں کے بچے بھی بیاہ دیے۔ اب اول تو کہیں کوئی بچی ہے ہی نہیں۔ جو ایک دو ہیں۔ وہ عمر میں بڑی ہیں اور جو چھوٹی ہیں۔ ان کی ماؤں کا دور دور تک خیال ہی نہیں۔ پھر سب سے بڑھ کر اکلوتا بیٹا ہے۔ ہر شے کا وارث..... تو جس طرف سے نہ لوں وہی ناراض..... بس اسی لیے..... باہر سے لاؤں گی۔"
"یہ تو آپ نے بالکل صحیح کہا۔ مگر بائیس چوبیس برس تک کی لڑکیوں کو تو مائیں جوان مانتی ہی نہیں ہیں۔ رشتے کی تلاش کے لیے پچیس کے بعد بلواتی ہیں۔ پھر آگے جتنے مرضی سال لگیں۔"
آپا تسنیم نے چند جملوں میں حقیقت بیانی کی حد کر دی۔ ان کا صبح شام کا کام تھا۔
"لیکن اگر....." آپا ہچکچائیں "آپ کو برا نہ لگے تو..... اللہ خیر مگر اتنی جلدی کیوں؟"
"اس میں برا ماننے کی تو بات نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ بڑھاپے کی اولاد ہے یہ۔ اس کی پڑھائی اور کیریر کا انتظار کریں تو..... ڈرتے ہیں عمر مہلت دے نہ دے۔ جب سے سلطان ہارٹ پیشنٹ ہوئے ہیں۔ ہر گزرے دن کو بونس سمجھتے ہیں اور پھر بہو آئے گی تو رونق ہوگی۔ ایک نیا بندھ..... آگے پھر اللہ رب العزت کا کرم ہو تو سارا آنگن بھر جائے گا۔ بڑا خوب صورت خواب بنا ہے آپا..... بس آگے جو اللہ کا حکم اور آپ کی محنت....."
جاذبہ کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ آپا تسنیم کا سر بھی زور زور سے ہل رہا تھا۔
"بہت ہی اچھا ارادہ ہے..... میں بس کل ہی سے شروع کرتی ہوں۔"
"بس اب میرا بیٹا بھی آپ کی ذمہ داری ہوا۔ پھر میں ہو جاؤں ناں بے فکر..... آپ کے کرائے رشتے ماشاء اللہ....."
"میں کیا اور میری بساط کیا..... بس اللہ نے عزت بنا کر رکھی ہے۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔" آپا تسنیم عاجزی سے دہری ہو گئیں۔
"ہاں مگر آپ نے اپنی شرائط نہیں بتائیں اور تصویر بھی۔"
"تصویریں میں آپ کو ابھی دے دیتی ہوں اور شرائط کیا ہوتی ہے۔ عمر بیس تک چلے گی اور نہ ہو..... کوئی دولت دربان اور شاہی نہیں چاہیے بس عزت دار ہمارے جیسے لوگ..... ذات کی قید نہیں..... مگر مراثی تیلی نہ ہوں۔ بس بچی ہو معصوم اور خوب صورت..... میرے بیٹے کے ساتھ کھڑی جچے۔ اب ایک ہی بہو تو لائی ہے میں نے..... بیٹا تو آپ نے دیکھ ہی رکھا ہے۔ شریف ہے۔ مغرب کے بعد کبھی گھر

سے باہر نہیں رہا۔ پڑھتا ہے۔ لڑکی پڑھنا چاہے تو کھلی چھوٹ ہو گی۔ اور رہا کیریر..... ہمارا سب کچھ اسی کا تو ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر بھی بھیج سکتے ہیں۔ کوئی معاشی تنگی ہو۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"
"ان شاء اللہ میں جلد آپ کو خوشخبری دوں گی۔"
آپا تسنیم کا دل خوشی سے اچھل رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کھڑکی بند کرنا پسند نہیں کرتی تھی مگر بارش کے بعد شام بے حد ٹھنڈی تھی۔ ٹھٹھرا دینے والی..... آج رات بہت جلدی آگئی تھی۔ روڈ خالی ہو گیا تھا۔ بعض اوقات لگتا ہوا کے اندر برفیلی نکڑیاں ہیں جو جسم پر سوئیوں کی طرح پیوست ہو رہی تھیں۔
گرم کپڑے بھی ناکافی محسوس ہو رہے تھے۔ اس نے گرم شال اپنے گرد لپیٹی۔ ہیٹر کی گرمائش کمرے کا موسم بدل رہی تھی مگر پھر بھی لگا کہ نجانے کن کن درزوں سے ہوا اندر گھس رہی تھی۔
وہ یونہی شبہ دور کرنے کو کھڑکی تک آئی۔ پردے برابر تھے اور کھڑکی مضبوطی سے بند تھی۔ وہ سردی سے پھریری کھا گئی۔ جتنی جلدی گرم لحاف میں گھسا جائے۔ وہی بہتر..... وہ پلٹی مگر پلٹتے پلٹتے ٹھٹکی۔ اسے ایک خیال آیا' جسے اس نے جھٹکا مگر پھر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے' سوچ کر اس نے اپنی ناک ٹھنڈے یخ شیشے سے چپکا دی۔
"اوہ نو.....!" سردی کی جھرجھری سے زیادہ اس بار وہ خوف سے کانپی تھی۔
وہی لڑکا بڑے مگن انداز میں اس کے گھر کو دیکھ رہا تھا۔ بلکہ اس کی اسی کھڑکی کو..... وہ بھی ٹہلنے لگتا اور اب جب یکدم رکا تو اسے بھی اس کا ٹھٹک کر رکنا محسوس ہو گیا۔
یقیناً "وہ شیشے میں اس کا عکس دیکھ چکا تھا۔ اب اس کی نظریں جیسے اس جانب چپک گئی تھیں۔ وہ سردی کا سارا احساس فراموش کر کے جیسے جم گئی۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔
پھر سر جھٹک کر سیدھا چلنے لگے گا۔ اس نے پلٹ کر ایک بار بھی پیچھے نہیں دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

جاذبہ اور آپا تسنیم صوفے پر برابر بیٹھی تھیں۔ درمیان میں آپا تسنیم کا کھلا بڑا بیگ تھا۔ حسب معمول چند البمز کھلے تھے۔ سامنے میز پر دھری چائے کے اوپر براؤن سی تہہ جم چکی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ بہت دیر سے رکھی تھی مگر معاملہ اتنا گمبھیر تھا کہ انہیں دھیان ہی نہ تھا۔
جاذب سلطان نے اندر داخل ہوتے ہی صورت حال کو بھانپ لیا تھا۔ جاذبہ کے ہونٹ گولائی میں سکڑے ہوئے تھے۔ تھوڑی بھینچی ہوئی..... آنکھوں میں مایوسی سی.....
آپا تسنیم کا انداز الجھن آمیز پھر تسلی دیتا ہوا ہو جاتا۔ یعنی گاڑی وہیں کھڑی تھی۔ جہاں سے چلی تھی۔ چھ ماہ ہونے کو آئے تھے مگر جاذبہ کو گوہر مقصود نہ ملا تھا۔
"آپ تو کہہ رہی تھیں بے عیب رشتہ ہے۔ چٹ پٹ ہو جائے گا۔" جاذبہ نے مایوسی و بے زاری سے البم کو پرے سرکاتے ہوئے ٹھنڈی چائے کا کپ ہونٹوں سے لگایا۔ پھر بے حد بدمزا ہو کر کپ کو گھورنے لگیں۔
"بالکل کہہ رہی تھی بلکہ اب بھی کہہ رہی ہوں۔ مگر کہنا آپ کے کوائف کے حوالے سے تھا۔ لڑکی ڈھونڈنے میں تو ٹائم لگتا ہے ہی۔" آپا نے سبھاؤ سے کہا۔
"کیا ٹائم.....؟ ہر گھر میں لڑکیوں کے ڈھیر پڑے ہیں۔ ایک میرے ہی بیٹے کے لیے نہیں۔"
"یہی تو اصل مسئلہ ہے۔ ڈھیر اتنا اوپر تک چڑھا ہے کہ نیچے والوں پر نظر جاتی ہی نہیں۔ اب اٹھارہ بیس برس تک کی لڑکی بچی بچی گڑیا کھیلتی ہی لگتی ہے۔ جب تمیں پینتیس برس کی آپا' باجی گھر میں بیٹھی ہوں۔ ہمیں ان ہی کے رشتوں کے لیے بلوایا جاتا ہے۔ اگر میں کوئی لڑکی پسند آجانے پر آواز منہ سے نکال بھی لوں

تو چوٹی سے پکڑ کر باہر کردیں گی کہ دس پندرہ سال بڑیوں کو چھوڑ کر چھوٹی کا نام بھی کیسے لیا۔ بلکہ سوچا بھی کیوں۔" آپا تسنیم نے تلخ لہجے میں تلخ بیانی کی انتہا کر دی۔

"مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا۔ آپ کی فیلڈ کے اندر اتنی پنچائیت ہے!" جاذب اتنی دیر سے گویا سانس روکے سن رہا تھا۔ جیسے ہی آپا رکیں۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

آپا ہنس پڑیں اور بیٹے کے چہرے کے تاثرات نے جاذبہ کے ہونٹوں پر مسکان بکھیر دی۔

"دنیا کا کوئی کام آسان نہیں۔۔۔ محنت طلب، صبر انتظار۔" جاذبہ نے دھیرے سے کہا۔

"ارے میری ماں۔۔۔ اتنی دل گیر زخمی مسکراہٹ۔"

وہ تیزی سے اٹھا اور ماں کی پشت پر کھڑے ہو کر دونوں بازو ان کے شانوں کے گرد لپیٹ کر تیزی سے گالوں کے بوسے لیے۔ جاذبہ نے بھی ذرا سی گردن گھما کر اس کے بال چوم لیے۔ آگے آتے ہاتھوں کا بوسہ لے لیا۔

آپا کے چہرے پر بھی مسکان بکھر گئی۔

"خوامخواہ میں آپ نے یہ ٹینشن پالی۔ اچھی بھلی ہماری زندگی میں اب صبح و شام ایک ان دیکھی انجانی لڑکی کا ذکر رہنے لگا ہے۔ اور کوئی کام کرنے کو ہے ہی نہیں۔۔۔"

"اور تم خوش ہوتے ہو۔۔۔ کہ چلو جی جان چھوٹی۔" جاذبہ نے روٹھے پن سے کہا۔

"کہاں مام۔۔۔ میں کہاں خوش۔۔۔ آپ فکر مند ہوں اور میں بے فکر۔۔۔ ایسا کبھی ہوا ہے۔" وہ اچنبھے سے پوچھنے لگا۔ "میں دماغ ہوں تو آپ سوچ۔۔۔ میں دل ہوں تو آپ دھڑکن۔۔۔ میں کان ہوں تو آپ سماعت۔۔۔ میں۔"

"بس کرو۔۔۔ میں میں کی تکرار!" جاذبہ ہنسیں "اور جاؤ دو کپ چائے بنا کر لا دو، میرا سر دکھ گیا ہے۔ ڈھونڈ ہی لوں گی میں بہو۔۔۔ جلدی نہ سہی تھوڑا دیر ہی۔۔۔ بلکہ اچھا ناں ہوا تسنیم آپا! میں نے ابھی سے یہ کام شروع کر لیا۔۔۔ ہے ناں؟" آپا نے زور زور سے سر ہلایا۔

"آپا ہی کے سر پر سارا بوجھ کیوں ڈالتی ہیں۔ اب تو میں بھی جہاں لڑکیاں نظر آتی ہیں، رک جاتا ہوں۔ غور سے دیکھتا ہوں لیکن اس سے پہلے کہ نتیجے پر پہنچوں وہ مجھے غور سے دیکھنے لگتی ہیں پھر مجھے اندازہ ہوتا ہے وہ غور سے نہیں گھور کے دیکھ رہی ہیں، سو میں جائزہ ادھورا چھوڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگتا ہوں۔ دراصل میں نے اندازہ لگایا ہے۔ لڑکیاں انتہائی بے اعتباری قوم ہیں۔ یہ دکھتی کچھ ہیں اور دکھاتی کچھ ہیں۔ آپ کو لگے گا یہ اپنے پیروں کی پائل دکھا رہی ہیں چھن چھن مگر حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔ لمبی ہیل۔۔۔ بندے کو خبر تب ہوتی ہے جب وہ سر پر برس رہی ہوتی ہے تابڑتوڑ۔

"جاذب کے بچے۔۔۔ ادھر آؤ ذرا سامنے۔" جاذبہ تو حق دق ہی رہ گئیں۔

بازو پکڑ کر کھینچا اور اپنے سامنے بڑی میز پر دھکیلنے کے انداز میں جبراً" بٹھایا۔ "میں تو تمہیں بڑا شریف سمجھتی تھی اور تم لڑکیاں دیکھتے ہو۔"

"وہ بھی اتنے غور سے۔۔۔" آپا کی آواز میں ہنسی تھی۔

"تو وہ تو آپ لوگ بھی تو دیکھتی ہیں۔ ہر روز ہی دیکھ رہی ہیں۔" وہ ترنت بولا۔

"تو وہ تو ہم بہو تلاش کر رہے ہیں۔" جاذبہ نے سر پیٹا۔

"تو میں بھی تو بہو ہی تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" اس نے ان ہی کے لہجے میں کہا "آپ کے لیے۔"

"رہنے دو تم۔۔۔ کسی دن پٹ پٹا کر آجاؤ گے۔ جس کا کام اسی کو ساجھے۔" آپا نے کہا۔

"بس اسی بات سے میں ڈر جاتا ہوں۔۔۔ اپنی غیرت بہت پیاری ہے بھئی!"

"اور جان بھی۔۔۔" جاذبہ نے ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر ٹکڑا لگایا۔ ان کا بیٹا خاموش طبع تھا۔ انہیں ہنسانے اور ان کا دل لگانے کے لیے ان کے ساتھ لگا رہتا۔ باتیں کرتا ہنستا مگر اس کا جزوی تاثر خود میں گم اردگرد سے بیگانہ لڑکے کا تھا۔ یا یہ شاید جاذبہ کے ہاتھوں دی گئی تربیت کا اثر تھا۔ بڑھاپے کی اولاد۔۔۔ وہ اسے پل بھر کے لیے خود سے دور نہ کرتی تھیں۔ ان کے لیے وہ سب کچھ تھا اور اس کے لیے ماں باپ اور گھر کی چار دیواری۔۔۔

وہ اسے گھر سے باہر بھی بہت رد و کد کے بعد جانے دیتیں۔ بس چلتا تو ساتھ چل پڑیں۔ اس کے دوستوں کے لیے۔ جو کہ چند ایک ہی تھے گھر میں بہترین اہتمام کرتیں کہ وہ خود ہی آئیں اور اندر رہنے پر ہی ترجیح دیں۔

دوستوں کے گروپ میں بھی وہ خاموش رہتا تھا مگر خوش رہتا تھا۔ دوست بھی کیسے اوٹ پٹانگ، شوخے وہ ان کے بہت سارے جملوں میں ٹکڑے لگاتا تھا مگر کبھی چپڑ چپڑ بولا نہیں، خاندان میں بھی رشتوں کا ڈھیر تھا ماسی، چاچی، تائی وغیرہ وغیرہ۔۔۔ وہ ان سے سلام دعا سے آگے نہ بڑھتا۔ ہاں بس ماں کے آگے جوہر کھلتے تھے۔ اب اگلے جملے نے جاذبہ کے ہوش اڑا دیے۔

"لکی کہتا ہے حسینوں سے پٹنے میں یا ان کے باپ بھائیوں کے ہاتھوں گھونسے کھانا اور پھر پتھر گرم کر کے سکائی کرنا، جوانی کی کتاب کا بہت سنہرا باب ہوتا ہے۔"

جاذبہ کا ہاتھ بے یقینی سے ہونٹوں پر جا رکا۔۔۔ ان کا سیدھا شریف بیٹا اور ایسے اقوال زریں۔

"میں نہیں کہتا ماں۔۔۔ لکی کہتا ہے۔"

"اور یہ بھی کہ جوانی کی غلطیاں بڑھاپے کی ہوشمندی کی ضمانت ہوتی ہیں۔ جوانی میں آپ جس قدر جی بھر کے ذلیل ہوں گے بڑھاپے میں اتنے ہی متقی اور پرہیزگار بن کے ابھریں گے۔"

"ہائیں!" اس بار تسنیم آپا کی بھی آنکھیں ابلیں۔

"میں نہیں کہتا۔" اس نے زور زور سے نفی میں گردن ہلائی۔ "لکی ہی کہتا ہے۔" اس نے ہاتھ جھاڑ کے اپنی صفائی دی۔

"لکی ایسی باتیں کرتا ہے۔ میں تو اسے بہت شریف بچہ سمجھتی تھی۔ ہر سال پورے اسکول میں ٹاپ کرتا رہا ہے۔" جاذبہ خود کو بھی بتا رہی تھیں اور آپا کو بھی۔۔۔ "تم آج کے بعد لکی جیسے لڑکوں سے قطعاً" نہ ملنا جاذب۔۔۔!" جاذبہ نے سہمے لہجے میں تادیب کی۔

"صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے بیٹے۔۔۔" آپا نے بھی تائیداً" کہا۔

"اوکے۔۔۔!" جاذب نے مصالحانہ انداز میں ہاتھ اٹھائے۔ "تو نتیجہ یہ نکلا کہ میں آپ کی بہو تلاش مہم کا حصہ نہ بنوں۔۔۔ تو ٹھیک ہے میں آج کے بعد کسی کی طرف دیکھوں گا بھی نہیں۔"

"ویسے۔۔۔ وہاں لینگویج کلاس میں تو تمہاری ہم عمر لڑکیاں ہی آتی ہوں گی۔ کبھی کوئی لگی اچھی۔۔۔؟" جاذبہ نے کچھ چونک کر پوچھا۔

"آتی ہیں بہت آتی ہیں چھوٹی بڑی سب آتی ہیں امی۔۔۔ اچھی بری سب۔۔۔ مگر میں لڑکیوں کو نہیں دیکھتا کبھی بھی۔۔۔ لڑکیوں کی عزت ہوتی ہے تو کیا لڑکوں کی نہیں ہوتی؟ کوئی کیوں کہے یا سوچے کہ جاذب سلطان ایسا ویسا لڑکا ہے۔ کتنی انسلٹنگ بات ہوگی کہ میرے دیکھنے یا گھورنے سے لڑکیاں ان ایزی ہوں یا اس راستے سے گزرنا چھوڑ دیں جہاں میں کھڑا ہوں یا اپنے دوپٹے وغیرہ درست کرنے لگیں۔ ویری بیڈ۔"

جاذبہ اور آپا تسنیم مبہوت ہو کر اس کے سیدھے صاف جملے سن رہی تھیں۔ یہ اس کی اعلیٰ سوچ ہی تھی، جو چہرے پر پاکیزگی نور بن کر جھلکتی تھی۔ اس کے ہونٹ اور آنکھیں کسی معصوم بچے کی سی دکھائی دے رہی تھیں۔

جاذبہ بے خودی کی انتہا پر جا پہنچی تھیں۔ آگے بڑھ کر اس کا سلکی بالوں والا سر چوم لیا۔ خود سے لپٹا لیا۔ آپا تسنیم کی آنکھوں میں ستائش ہی ستائش تھی۔ رشک پیار عزت۔۔۔ اولاد انعام کی طرح ہوتی ہے۔ انہیں یقین ہوا۔

"اور دوسرے لڑکیاں۔۔۔!" اس نے لڑکیاں کو

کھینچا۔ "انتہائی احمق مخلوق ـــــ قربانی کی گائے کی طرح ہروقت تیار شیار رہتی ہیں۔ وہ مہندی تو اتارتی ہی نہیں ـــــ اور کاجل اتنا ڈھیر ـــــ اتنا ہنستی ہیں کہ انجان بندہ سمجھے لینگویج سینٹر نہیں پاگل خانہ ہے۔"

"اور ابھی یہ کہہ رہا تھا۔ لڑکیوں کو دیکھتا تک نہیں۔"
جاذبہ نے آپا تسنیم کو دیکھا۔ وہ بھی ہنس پڑیں۔

"ہاں تو بالکل نہیں دیکھتا۔ اب ہمارے ٹیچر بہت تیز ہاتھوں سے بلیک بورڈ پر لکھتے ہیں اور بولتے بھی تیزی سے ہیں۔ سب کو تیز تیز ہاتھ چلانے پڑتے ہیں کہ کوئی ورڈ مس نہ ہو جائے۔ اس کلاس میں یہ لڑکیاں جب تیز تیز لکھنے لگتی ہیں تو ہاتھوں کے چھلے گھنگرو چوڑیاں کڑے سب بجنے لگتے ہیں۔ ایک منٹ کے لیے آنکھیں بند کرکے فیل کرو تو ـــــ بس چھن چھن ـــــ چھن چھن اور کن کی آواز ہوتی ہیں۔ ذرا سا سر ہلائیں تو بندے بجتے ہیں۔ بالوں کے کلپ اور پنیں بھی بجنے والی خریدتی ہیں۔ وہ برا سا منہ بناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

جاذبہ اور آپا تسنیم ہنستے ہنستے دہری ہو گئیں۔
"اتنی بے زاری لڑکیوں سے؟"

"بات بے زاری کی نہیں ہے۔ ان کے اردگرد بجنے والی اتنی چیزیں ہوتی ہیں کہ حد نہیں۔ لمبے ناخن، ہیل والے جوتے یہ سب نہ ہوں تو لڑکیوں سے اچھی مخلوق دوسری کوئی ہے نہیں۔ دراصل پھول کے ساتھ کانٹے ہوتے ہی ہیں۔"

جاذب بات مکمل کرکے چائے اٹھاتے ہوئے جانے لگا۔ ماں اور آپا کا کھلا منہ دیکھا۔
"میں نہیں کہتا ـــــ لکی کہتا ہے ماں ـــــ!" اس نے دہائی دینے کے انداز میں ماں کہا۔

جاذبہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔ دھمکاتے لہجے میں بولیں۔
"اس لکی کی کلاس میں خود لوں گی۔ اس کے اقوال پر ایک کتاب مرتب کر ہی لوں۔" جاذب زور سے ہنس دیا۔

☼ ☼ ☼

خط کے اندر کوئی لفاظی نہیں تھی۔ نہ گھٹیا پن نہ حسن و عشق کے قصیدے ـــــ بس اک نظر دیکھ لینے کی خواہش ـــــ ساتھ کی تمنا ـــــ اک تحیر تھا کہ وہ اس کے عشق میں اتنا غرق ہو چکا ہے کہ موت ٹھوڑی کے پاس آکر رک گئی ہے۔ کوئی پل جاتا ہے کہ پانی ہونٹوں اور ناک سے گزر کر ترسی آنکھوں کو ہمیشہ کے لیے شانت کردے ـــــ وہی ہاتھ دے تو دے ـــــ ورنہ اور کوئی آسرا تو زندگی کی طرف لانے کی قدرت رکھتا ہی نہیں ـــــ

کتنے دنوں سے چند حرفی رقعے بازی جاری تھی۔ پہلے وہ خوفزدہ چوکنی ہرنی کی طرح گزرا کرتی تھی اب متجسس نگاہیں ـــــ قدموں کی رفتار کی بیڑی بن گئی تھیں۔ وہ ہر شخص میں اس کو ڈھونڈتی ـــــ مگر کوئی چہرہ ایسا نہ لگتا کہ جوان جملوں کے ساتھ جچ جاتا۔

اس سحر انگیز تحریر کا مالک عام ہو ہی نہیں سکتا۔
وہ چاٹ نال والے لڑکے کے پاس سے گزرتی تو قدم ڈھیلے پڑ جاتے اور وہ بھی اتنا حضرت تھا۔ نہ مسکرا کر دیکھتا تھا نہ شناسائی سے ـــــ اسے متوجہ دیکھ کر وہ خوش ہو جاتا۔

"یہ لو ناں باجی ـــــ یہ بالوں کی رنگین پنیں زنگ نہیں لگتا اور یہ سیفٹی پن برقعے پر لگانے کے لیے۔"
وہ اس کی بڑھائی چیزوں کو غائب دماغی سے چھوتی ـــــ اور اس کی آنکھوں میں جھانکتی مگر وہ پھر سے معصوم بچہ بن جاتا۔ وہ کچھ نہ لیتی تو جھٹ لڑکیوں کے دوسرے ریلے کی جانب متوجہ ہو جاتا۔

وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ کون ہے وہ جو اسے رقعے دیتا ہے؟
وہ کم عمر تھی اور دنیا کو اتنا نہیں دیکھ رکھا تھا کہ چہرہ شناسی کا دعویٰ کرتی یا کہتی کہ اسے سب خبر ہے۔ دنیا میں کیسے کیسے لوگ ہیں۔ اور کیا کیا کرتے ہیں۔ مگر وہ یہ ضرور جانتی تھی کہ اس طرح کے پیغام رساں بچے کتنے طرار ہوتے ہیں۔ آنکھیں مٹکاتے ہیں۔ وقت سے

پہلے ذہنی لحاظ سے بڑے ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات ایک بلیک میلر بن کر ابھرتے ہیں مگر یہ بچہ ـــــ بالکل مختلف تھا۔ وہ رقعہ دیتے وقت رازداری اور احتیاط پسندی کا مظاہرہ کرتا تھا اور بعد میں یوں ہو جاتا جیسے کچھ نہیں جانتا ـــــ کچھ ہوا ہی نہیں ـــــ

خط کا مالک بہت خاص ـــــ خط کے الفاظ انمول ـــــ اور پیغامبر بھی سب سے الگ وہ پہروں سوچتی۔ ہر پہلو کا جائزہ لیتی مگر یہ خیال ایک بار بھی نہ آیا کہ وہ خود بھی تو کتنی خاص ہے ـــــ یا ہو چکی ہے کسی کی نگاہ میں؟
کیوں کب کیسے؟

☼ ☼ ☼

"انسان محبت کھو دے تو یوں ہوتا ہے جیسے اپنے آپ کو کھو دیا ہو اور محبت کو پالے تو جیسے اپنے آپ کو پا لیا۔"

سیاہ لبادے میں سرتاپا ڈھلکی کتنی ہی لڑکیاں روز میرے سامنے سے گزرتی ہیں۔ مگر پتا نہیں تمہیں کیسے پہچان لیتا ہوں۔ تم ابھی بہت دور ہی ہوتی ہو مگر میری گردن خود بخود تمہاری جانب گھوم جاتی ہے۔ اس بے اختیاری کو کیا نام دوں؟
اپنی حالت خود اپنے لیے انکشاف ہے کہ یوں بھی ہو سکتا ہے؟
عذاب ہے۔ کب تک جھیلوں ـــــ اور کیسے؟
ثواب ہے۔ اتنا محو ہو جاتا ہوں کہ دنیا کے ہر جھمیلے سے آزاد ہو کر بس تم ہی کو سوچتا ہوں۔
اور تم ہو کیا؟! ایک ساکت شبیہہ ـــــ
کبھی ایمان لگتی ہو ـــــ کہ دل ایک انچ سرکنے کو تیار نہیں۔
کبھی گناہ لگتی ہو ـــــ کہ لذت ہی لذت کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی کہ راہ راست ملے۔
کیا میرے یہ رقعے تمہارے لیے باعث اذیت ہیں الجھن ہیں؟ کیا تم پریشان ہو جاتی ہو۔ مگر کاش میں تمہیں بتا سکتا۔ اذیت کیا ہوتی ہے۔ الجھن کیسی ہوتی ہے اور پریشانی ـــــ

مجھے نہیں معلوم تھا۔ میں اس طرح منہ کے بل گروں گا۔
اگر میرے ـــــ
آگے ورق سادہ تھا۔ اس نے کتنی ہی بار ان الفاظ و جملوں کو پڑھا تھا۔ جو اپنے فہم کی حد سے بہت اونچے لگتے تھے۔

یہ کون تھا؟ وہ پہلی بار خوفزدہ ہو گئی اور پہلی بار کی بات ـــــ رقعہ بازی کے اس سلسلے نے اسے اول روز سے اب تک حیران کیا تھا یا پریشان ـــــ گدگدی ـــــ سنسنی ـــــ ایسا کوئی عنصر تو دور تک تھا ہی نہیں۔
"یہ کون تھا اور ساکت شبیہہ کا کیا مطلب؟"
وہ کسے کرے اس راز میں شریک ـــــ کس سے رائے مانگے۔
کیا کوئی اسے بے وقوف بنا رہا تھا۔ آزما رہا تھا کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔

"میں چھپا ہوا نہیں ہوں ـــــ تم کہو تو ابھی سامنے آجاؤں ـــــ مگر میں چاہتا ہوں تم میرے وجود قد کاٹھ ـــــ عمر آواز شکل و صورت کے تناظر میں میرے حق میں فیصلہ کرنے کے بجائے میرے دل کو دیکھو ـــــ جو تمہاری محبت سے سرشار ہے۔
ہو سکتا ہے تم دیکھتے ہی پسندیدگی کی سند دے دو۔ یا مسترد کر دو ـــــ مگر میں تمہیں خود کو سمجھانا چاہتا ہوں۔
تم ایک بار کہہ دو گی تو میں انکار نہیں کروں گا سامنے آجاؤں گا ـــــ مگر ـــــ"

اس نے ایک اور چرمر رقعے کی تہہ کھول کر اسے نجانے کتنی بار پڑھا۔ کوئی شاعر ـــــ یا جنونی ـــــ لیکن اس نے اسے کہاں دیکھ لیا۔ وہ تو عرصہ دراز سے جسم اور چہرہ ڈھانپ کر باہر نکلا کرتی تھی پھر ـــــ اس کا استعجاب خوف کے نئے رنگ میں ڈھلتا۔
کیا وہ کہے اس شخص سے کہ وہ اسے دیکھنا چاہتی ہے؟
مگر ـــــ پھر اس کے بعد کیا کرے گی۔ اسے پاس کر دے گی تو کیا حاصل ہوگا ـــــ یا اسے فیل کر دے گی؟

اسے احساس نہ ہوا لفظ فیل پر اس کا دل سکڑ کر پھر دوبارہ بمشکل دھڑکا تھا۔

اپنی حیران کن اور خوف زدہ کیفیات سے بہت پرے ایک بے حد عام سا احساس یہ بھی تھا کہ کوئی اسے اس طرح مخاطب کرتا ہے۔ وہ اس احساس کو اوپر آنے نہیں دیتی تھی مگر یہ احساس تہہ ہی میں کہیں موجود ضرور تھا کہ اسے ہی کیوں۔۔۔

اس نے سن رکھا تھا خوب صورت لڑکیوں پر جن عاشق ہو جاتے ہیں۔ پرچھاوے اور بد روحیں۔۔۔

لیکن۔۔۔ اگلے ہی پل دل نے سختی سے تردید کی۔ یہ روح اسے بد تو ہرگز نہ لگتی تھی۔ مگر کیا ایسے نظر نہ آنے والے عاشق خط لکھتے ہیں؟

مگر! اسے نیا خیال سوجھا۔ جن لڑکیوں پر ایسے سائے ہوتے ہیں وہ تو پھر پاگل ہو جاتی ہیں۔ اونگی بونگی حرکتیں کرتی ہیں۔ دورے پڑتے ہیں انہیں۔۔۔

ہاں تو سچ ہے ناں۔۔۔ اگر کچھ عرصے تک یہی صورت حال رہی تو وہ کون سا ہوش مند رہے گی؟

اسے کسی نہ کسی کو تو اس راز میں شریک کرنا ہی ہو گا۔

مگر کس کو۔۔۔

☆ ☆ ☆

شدید گرمی اوپر سے لوڈ شیڈنگ۔۔۔ ساری نیند کا مزا خراب ہو گیا تھا۔ تاباں کو کمرا بند کر کے پردے گرا کر سونے کی عادت تھی۔ اب کھڑکیاں کھول کر من پسند ماحول بنانے کی تگ و دو میں نیند نجانے کہاں غائب ہو گئی۔ پنکھے کی گھرر گھرر گویا لوری تھی۔ بے جان پروں کو چند لمحے گھورنے کے بعد وہ بستر سے اٹھ آئی۔ سونے کی کوشش کرنا درحقیقت سر درد بن کر ابھرتا۔ دوسرے کچن سے آتی چائے کی مہک۔۔۔ اس کے اونگھتے بے زار اعصاب بیدار ہو گئے۔

گرمی کو گرمی کاٹے گی۔۔۔ جیسے لوہے کو لوہا۔۔۔ اسے یاد آیا۔

دونوں ہاتھوں کو کچن سلیب پر جمائے آگ کے شعلوں کو گھورتی مائدہ صرف جسمانی طور پر حاضر تھی۔ چائے ابل رہی تھی مگر مائدہ کے دھیان کا پنچھی کسی اور جہاں کی اڑان کو لگا تھا۔ اس کی بلا سے چائے اب چھلکے کہ تب۔۔۔

ٹرے میں سموسوں کی پلیٹ تھی۔ ساتھ بسکٹ اور کیچپ۔۔۔ اس کڑی دوپہر میں ایسی کون سی آفت پڑی تھی کہ مائدہ اپنی چائے کے لیے ایسا انتظام کرتی۔ یعنی کوئی مہمان۔۔۔

"مہمان چائے پئیں گے یا امی لوگوں نے کاڑھا بنانے کی فرمائش کر دی ہے۔" تاباں نے آگے بڑھ کر چولہا بند کیا اور ساتھ ہی مائدہ کو تاڑا۔

"آں۔۔۔ ہاں۔۔۔ وہ۔" مائدہ نے اسے دیکھا۔ چائے کو دیکھا پھر جیسے بے تاثر چہرے سے اسے دیکھنے لگی کہ اس نے کیا کہا ہے۔ وہ سن نہیں پائی۔

"کچھ نہیں کہا میں نے۔۔۔ کون آیا ہے؟" تاباں نے ایک سموسہ اڑانے کے لیے پلیٹ اٹھائی کہ بعد میں ملے نہ ملے۔

"اور یہ تمہیں کیا ہوا ہے۔ سوچنے کے لیے یہ کون سی جگہ اور کون سا وقت ہے بھئی۔"

"نہیں کچھ نہیں۔۔۔ بس یونہی!" مائدہ نے چہرے سے سوچ کی کئی آڑی ترچھی بد رنگ تحریر مٹانے کی سعی میں لہجہ بے ضرر سا بنایا۔

"نہ بتاؤ۔۔۔" تاباں نے شانے اچکائے "مگر ایسا ہے کہ۔۔۔" تاباں کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ ایک قہقہہ کان سے ٹکرایا۔

"اچھا تو۔۔۔ وو۔" اس نے تو کو حتی الامکان کھینچا۔ "کیا تمہارے رشتے والے آئے ہیں اس شکر دوپہرے۔۔۔" مائدہ نے سر نفی میں ہلایا۔

"اچھا۔۔۔ اچھا۔" تاباں نے دوبارہ ایک ٹرے کے اہتمام کو دیکھا۔ رشتے والوں کے لیے تو امی وغیرہ ٹرالیوں کی ساری منزلیں بھر دیا کرتی تھیں۔

"رشتے والے نہیں آئے ہوں گے۔۔۔ رشتے والی آنٹی آئی ہوں گی۔ وہی ہیں جو کہیں بھی، کسی بھی وقت پہنچ سکتی ہیں کسی نیوز رپورٹر کی طرح۔" تاباں نے صحیح

سمت میں سوچا۔

"مگر تم صم بکم کیوں تھیں؟"

مائدہ نے نفی میں سر ہلایا اور چائے کپوں میں انڈیلنے لگی۔ تاباں نے بھی زور نہ دیا۔ وہ چائے لے کر خود ہی جائے گی اور سب پتا لگا لے گی۔

"لاکھ سن لیں۔۔۔ مدح سرائی۔۔۔ سارا جہان ایک آواز ہو کر چیخے مگر یقین تو دیکھ کر ہی آتا ہے ناں۔۔۔" آپا تسنیم کے لہجے میں خفگی تھی اور جو وہ کہہ رہی تھیں۔ وہ تاباں کو فوراً "سیاق و سباق" کے ساتھ سمجھ میں آگیا۔ پھر وہی قصہ۔۔۔ گھر کی تینوں سر کردہ خواتین موجود تھیں۔

گھر کی روایت کے عین مطابق اسے ٹرے رکھ کر پلٹ جانا چاہیے تھا۔ مگر پلٹ جاتی تو سب سن نہ پاتی۔ لہٰذا۔۔۔ ایک فوری حکمت عملی کے تحت۔۔۔ اس نے سلام کے بعد ٹرے رکھی۔ آواز قصداً بھاری کر چکی تھی۔ ساتھ ہی ناک سکوڑی۔

امی نے چونک کر اسے دیکھا۔ قدموں کی چاپ پر وہ متوجہ تو پہلے ہی ہو چکی تھیں۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟"

تاباں نے کسلمندی سے بالوں میں ہاتھ پھیرے "میرے سر میں درد ہے اور گلے اور ناک میں بھی۔۔۔ مجھے لگتا ہے مجھے بخار چڑھ رہا ہے یا میرا بی پی ہائی ہے۔۔۔ یا پھر لو ہے، پتا نہیں چلتا۔"

"تو گولی لے لینی تھی، جا کر لیٹ جاؤ۔۔۔ آرام ملے گا۔"

"کہاں لیٹوں۔ کامن میں ایک سنگل صوفہ بھی خالی نہیں ہے۔ میں آپ کی گود میں سر رکھ لوں تائی امی۔۔۔!"

اس نے سخت جھنجلائے لہجے میں کہتے ہوئے ساتھ ہی تائی کی گود میں سر رکھ دیا۔ ساتھ ہی ہلکی کراہ۔۔۔ تھوڑا ہلی جلی جیسے سخت بے آرام ہو۔۔۔ ناک بھی سکوڑی۔ پھر ذرا سا کسمساتے ہوئے اس نے گود میں سر رکھ کر جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔۔۔ اب وہ ساکت اور پرسکون تھی۔ جیسے غافل ہو رہی تھی۔

امی نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے آپا کو اشارہ کیا کہ وہ چائے لیں۔

آپا نے اس گھر کی سب سے خوب صورت، نازک سی لڑکی کو ٹھنڈی سانس بھر کر دیکھا۔ بیٹوں کی مائیں۔۔۔ واضح الفاظ میں یا ڈھانپ ڈھونپ کر جس چاند کے ٹکڑے کی تلاش کا ذمہ انہیں سونپ دیا کرتی تھیں۔ تاباں مجاہد ہو سو وہی ٹکڑا تھی جو بہنوں کے ارمانوں، ماؤں کے خوابوں اور لڑکوں کے دلوں میں دھڑکتا ہے مگر کیا فائدہ۔۔۔ اتنی ڈیمانڈ والی لڑکی ان کے لیے ایک لحاظ سے بے کار ہی تھی۔

وہ بد مزا ہو کر چائے کی جانب متوجہ ہوئیں۔

آپا تسنیم کا انداز البتہ خفگی بھرا تھا۔ وہ بھی سچ بات ہے۔ عاجز آچکی تھیں چکر لگا لگا کر۔ بھلے سے انہیں ہر بار پیسے ملتے تھے۔ مگر خالی خولی چکر۔۔۔ بے نتیجہ۔ ہاں کبھی کبھار کوئی بھولا بھٹکا رشتہ بھی لے آتیں جو نا معلوم کس وجہ سے آگے نہیں بڑھ پاتا تھا۔

چائے کے آخری گھونٹ ذرا تیزی سے حلق سے اتار کر اب وہ رخصت چاہتی تھیں۔ اپنا موبائل پرس میں ٹھونستے ہوئے وہ خفا نظر آتی تھیں۔ امی نے اپنے بٹوے سے ایک نوٹ نکال کر کرائے کے لیے دیا اور ساتھ ہی اپنے گاؤں سے آئے آموں کا ایک بڑا شاپر آگے بڑھایا۔ مگر آپا کے انداز نہ بدلے۔ تائی کے شاپر کی جانب اشارہ کرنے پر وہ جو اٹھنے کو کھڑی ہو رہی تھیں۔ ٹھنڈی سانس بھر کے دوبارہ بیٹھ گئیں۔

"میرے لیے کیا مشکل ہے مائدہ کی امی! کہ یوں ہی مہینے پندرہ دن میں آپ کے گھر کا چکر لگا لوں۔ مفت میں نوٹ ٹھونسوں۔ ایک تھیلا کھانے پینے کی چیزوں کا لوں اور خدا حافظ مگر یہ میرا کام تو نہیں ہے ناں۔۔۔ تیس سال سے اس شعبے میں ہوں۔ اتنے جوڑ ملائے کہ اب یاد نہیں کوئی راستے میں مل کر سلام جھاڑے اور بتائے کہ فلاں کی بیٹی ہوں، بیٹا ہوں اور میرا رشتہ لگایا تھا تو مجھے یاد تک نہیں آتا۔ کئی تو اب اپنے بچوں کے رشتے مجھ سے کرواتے ہیں ایسے میں آپ لوگوں کی بے اعتباری۔۔۔ مجھے اب بے عزتی لگنے لگی ہے۔ یہ

میرا روٹی پانی ہے۔ اللہ مصیبت سے بچا کر رکھے کیا آپ لوگوں کو یہ لگتا ہے کہ میں تصاویر لے کر کہیں خدانخواستہ ان کا غلط استعمال کروں گی۔۔۔"

امی کو اتنی صاف گوئی کی توقع نہیں تھی۔ شدید شرمندگی میں گھبرا کر انہیں ٹوکنے کے لیے بولنا چاہا تو آپا نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش رہنے کو کہا۔

"آپ تصویر دینا ہی نہیں چاہتی ہیں۔ میں لاکھ تعریفیں کروں اگلی فوراً" تصویر مانگتی ہیں۔ بندے کا ذہن بنتا ہے ناں عورتوں ہی کو دکھائی ہوتی ہیں۔ اور تصویر دکھا دینا اچھا ہوتا ہے۔ ناپسند ہوئی تو وہیں منع کر دیتی ہیں، یہ کیا کہ پورا لانگا ٹورا (خاندان) بھر کے لائیں کھائیں پئیں اور آخر میں انکار کر کے چلتے بنیں۔"

آپا نے امی کو دیکھتے دیکھتے تائی امی کو دیکھا جن کا رنگ اڑ گیا تھا۔

"بہرحال میں کوشش تو کروں گی۔ ایک آپ تصویر نہیں دیتیں دوسرے ذات زبان کی قید۔۔۔ بڑا مشکل کام ہے۔ بس جب اللہ کا حکم ہو گا تو گھر آ جائیں گے ایک روز۔۔۔"

آپا نے ایک بار پھر بیگ بند کر لیا۔ وہ جانے کو تیار کھڑی تھیں۔

تاباں نے کانی آنکھ سے تائی امی کا چہرہ دیکھا جو ملتجی نگاہوں سے دیورانیوں کو دیکھ رہی تھیں۔ ایک ڈری نگاہ آپا تسنیم پر بھی تھی۔

"آپ بالکل صحیح کہہ رہی ہیں آپا جی۔۔۔" چاچی نے پہلی بار لب کشائی کی "مگر ہمارے گھر کے مرد۔۔۔ جو" انہوں نے جملہ موزوں کرنے کے لیے خاموشی اختیار کر لی۔

"مرد کہاں سمجھتے ہیں ان نزاکتوں کو۔۔۔ اب آپ ہی کی ذات برادری کا رشتہ ہے مگر آگے لڑکی کے کسی بھی اوصاف سے پہلے تصویر دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کے کہنے پر آ گئی ہوں۔ میرا کیا جاتا ہے؟ مگر کوئی ان کی ناک پر چڑھتی نہیں۔ بچی ہی کا دل برا ہوتا ہے اور آج کل بچیاں حساس بھی بہت ہیں۔ یہ لڑکا ہے بہت اچھا۔۔۔ بس اسی لیے میں آئی تھی۔ باقی۔۔۔"

"دے دیں تائی امی۔۔۔ دے دیں تصویر۔۔۔"

تاباں نے یکدم اچھل کر ان سے کہا۔

امی نے چونک کر بیٹی کو گھورا۔ میسنی بلی بن کر اس نے ساری باتیں سنی تھیں۔ گھر کا ماحول روایتی تھا رشتوں کی باتوں میں کنواری لڑکیوں کی موجودگی۔۔۔ کیوں؟! اور بولنا تو یہ۔

تائی امی نے گومگو کیفیت میں دیورانیوں کو دیکھا وہ کیا کہیں گی۔ ان کی آنکھیں رنگ رنگ کیفیات کی مظہر تھیں۔۔۔ بے چین، مایوس، ہار۔۔۔

"ایسا کریں کوئی گروپ فوٹو دے دیں۔ کسی بچے کی سالگرہ وغیرہ کی جس میں بہت سے لوگ ہوں یا کہیں باپ بھائیوں ہی کے ساتھ کھڑی ہوئی ہو۔" آپا تسنیم نے ایک قابل عمل حل پیش کر دیا۔

امی اور چاچی کے چہروں پر روشنی سی پھوٹی اور تائی جی کی آنکھوں سے جھلکنے لگی۔ تاباں اچھل کر کھڑی ہوئی۔ بے حد تیزی سے۔۔۔

"میں لاتی ہوں۔۔۔ ابھی لاتی ہوں۔ رانیہ کے ختم قرآن پر بعد میں جو گروپس بنے تھے۔ رانیہ کے ساتھ تاباں اور کاشان ہیں۔۔۔ وہی والی۔۔۔"

"بھئی کہاں ہیں سب گھر والے۔۔۔ کوئی دروازے پر آئے تو یہ سامان پکڑے ناں۔۔۔ اناڑی ہوں بھر کے رکھا ہے۔ پہلے بازار سے چیزیں خریدو، پھر کیا گھر میں لا کر سب کے منہ میں بھی ڈالی جائیں گی۔ ناہنجار اولاد۔۔۔"

تاباں واپس آ چکی تھی۔ جب چاچا جی کی آواز سے چرند پرند بھی باادب ہو گئے۔ آپا تسنیم نے تصویر پکڑنے اور تاباں نے پکڑانے میں تیزی دکھائی تھی۔

"میرا دل کہتا ہے رشتہ ہوا ہی ہوا۔۔۔ آپ بس چند دن انتظار کریں۔ عمر گزاری ہے میں نے اس پروفیشن میں۔"

آپا نے باہر نکلنے میں دیر نہ لگائی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تمہارے جانے کے دن آنے والے ہیں پیاری

مائدہ۔۔۔!" تاباں کسی جوکر کی طرح اچھل کر کمرے میں آئی تھی۔ وہ ذرا سا جھکی تھی اور دونوں ہاتھ دائیں بائیں پھیلا کر شوخی سے کہا تھا۔

"کہاں جانے کے دن؟" ضوفی اپنے پسندیدہ کام یعنی رٹا لگانے میں مگن تھی۔

"وہیں جانے کے دن۔۔۔" تاباں نے آنکھیں خلا میں گھما کر جملہ موزوں کرنے کا وقفہ لیا۔ "جس کے خواب انہوں نے ہوش سنبھالتے ہی دیکھنے شروع کر دیے تھے۔"

"اوہ!" ضوفی بدمزا ہوئی۔۔۔ "اسے اسکول جانے کا بہت شوق تھا۔ پھر پھپھی کے گھر۔۔۔ مگر پھپھی جب اپنے منڈے بیاہنے لگیں تو انہیں بھتیجی کا وہ پلٹ پلٹ کر دیکھنا یاد ہی نہ رہا۔۔۔ لے آئیں اپنے سرتاج کی بھانجی اور بھتیجیاں۔۔۔ ہونہہ۔"

"بکواس بند کرو۔۔۔!" مائدہ نے بھنا کر کہا تھا۔ ایک سایہ سا ماجدہ کے چہرے پر بھی لہرایا اور تاباں اتنے غلط قیافے پر جی بھر کے بدمزا ہوئی۔

"یا پھر سلائی اسکول۔۔۔ اسے بچپن ہی سے سلائی سینٹر جانے کا شوق تھا۔ مگر بڑوں نے کہا اسے کیا ہم درزن بنائیں گے۔" ضوفی پر تاثر کا اثر نہ ہوا۔ اس نے مائدہ کے ابا کی ہو بہو آواز بنا کر کہا۔ "وہ تو درزن بننے کی خداداد صلاحیت موجود تھی۔ جو گڑیوں کے کپڑے سی سی کر آج ماہر فن ہو گئی۔"

"کیا تم اپنا منہ بند نہیں کر سکتیں۔" تاباں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اور کیا تم صاف اور سیدھی باتیں نہیں کر سکتیں؟" ضوفی نے اسی کے لہجے میں جواب دیا۔

مائدہ کی گود میں میگزین دھرا تھا۔ اس نے اکتا کر دوبارہ کھول لیا۔

مائدہ کی بے زاری و عدم توجہی تیزی کو محسوس ہو گئی تھی۔

"تم صاف بات کیوں نہیں کر لیتیں تاباں!" ماجدہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "گھما پھرا کر ہر بات نہیں کی جا سکتی۔ تم یہ کسوٹی کسی اور معاملے کے لیے اٹھا رکھو اور صاف بات کرنی ہے تو کرو ورنہ جاؤ۔" ماجدہ نے بڑی بہن کے چہرے پر آتے زلزلے والے تاثرات بھی دیکھ لیے تھے اور بعد میں پھریلا پن بھی۔ ضوفی نے بھی تائید میں سر ہلایا۔ تاباں کو بھی یکدم ہی مائدہ کے حوالے سے صورت حال کا اندازہ ہوا۔

"صاف بات یہ ہے کہ آپا تسنیم آئی تھیں۔"

"وہ تو ہر ماہ ہی آتی ہیں۔ اس میں نیا کیا؟" ضوفی کا موڈ ہی خراب ہو گیا۔

"اور گزشتہ کتنے ہی برسوں سے آ رہی ہیں۔" ماجدہ تاول اٹھانے والی تھی۔

تاباں نے بے ساختہ مائدہ کو دیکھا جو بظاہر بڑی توجہ سے میگزین دیکھ رہی تھی مگر چہرے پر آئے استہزائیہ تاثرات جن میں بے بسی کا رنگ ہی شامل تھا۔ نظروں سے اوجھل نہ رہ سکے۔ تاباں کو دکھ سا ہوا۔

"نئی بات یہ ہے کہ۔۔۔ آپا تسنیم سو فی صد پرامید۔۔۔ بلکہ پریقین ہیں کہ رشتہ ہو کر ہوا۔۔۔"

"وہ کئی سالوں سے کئی مرتبہ پریقین ہو چکی ہیں۔" ماجدہ نے خود کلامی کی تھی۔ تاباں نے سنی ان سنی کر دی۔

"نئی بات یہ ہے کہ۔۔۔" اس نے اپنے اونچے لہجے کو بہت دھیما کر دیا۔ "اس بار وہ تصویریں لے جانے میں کامیاب ہو گئی ہیں۔"

"کیا۔۔۔؟" ضوفی کے ہاتھ سے قلم چھوٹا۔۔۔ مائدہ نے دل پر ہاتھ رکھا ماجدہ نے ہونٹوں پر۔۔۔

"جھوٹ۔۔۔" ضوفی بمشکل بولی۔

"میں نے خود دی ہیں۔۔۔" تاباں نے فخریہ کارنامہ بتایا۔

"تم نے۔۔۔" ماجدہ چیخی اور باقی سب کی آنکھیں ابل پڑیں۔

"سب کی اجازت ہی سے بے وقوف۔۔۔ بات دراصل یہ ہے کہ۔۔۔"

☼ ☼ ☼

مائدہ مایوسی کی زندگی جی رہی تھی۔ وہ مایوسی جو ایک

کنواری لڑکی کو معاشرہ دے دیتا ہے۔ وہ خوش شکل نہیں تھی۔ وہ خوب صورت تھی۔ سلجھی ہوئی باادب سلیقہ شعار لڑکی۔۔۔ مگر ذات برادری خاندان کے بنائے اصولوں جو بالخصوص لڑکیوں کے لیے بہت ہی سخت تھے' اسے مایوس کردیا تھا۔

برادری میں لڑکیوں کو جلد از جلد بیاہ دینے کا رواج تھا۔ سواب اردگرد ایسی لڑکیاں بھی تھیں جن کی اپنی بچیاں دس دس برس کو چھو رہی تھیں۔ مائدہ ستائیس کی ہونے والی تھی۔ اپنے گھر کے اندر رہتے ہوئے وہ مطمئن تھی مگر جب جب اپنی ان ہم عمروں سے ملاقات ہوتی یا آنے جانے والے اسے دیکھ کر ہمدردی سے آہ بھرتے یا نصیب کھلنے کی دعا بھی دیتے تو آہ بھالے کی صورت لگتی اور دعا ترحم بھرا جملہ۔

وہ کار گزار لڑکی تھی۔ بہن بھائیوں اور دیگر اہل خانہ کے ساتھ خوش و خرم رہتی تھی مگر پھر وہ چڑچڑی ہونے لگی۔ خاموش رہنے لگی۔ کبھی راتوں کو جاگ اٹھتی۔ اسے آنے والے وقت سے کوئی خوش امیدی نہیں تھی۔ ہر گزرتا پل اس کی خوبیوں پر گرد ڈال رہا تھا۔ اول تو حسب منشا۔۔۔ گھر تک ہی بمشکل آتے اور پھر آگے کے مرحلے۔۔۔ بعض اوقات وہ ناپسند کردی جاتی۔ بعض اوقات آنے والے مسترد ہوجاتے۔

ضوفشاں نے حل نکالا۔۔۔ اس نے امیوں کو مائل کیا۔ اور اباؤں کو قائل کیا دانتوں پسینہ آگیا اس عمل سے۔

مائدہ کا کالج میں ایڈمیشن کروادیا گیا۔

وہ خود سے بہت چھوٹی ضوفی اور تاباں کے ہمراہ سفید یونی فارم پہن کر کالج جانے لگی۔ اس کے چہرے پر رنگ برسنے لگے۔ تفکر کا جال سرکنے لگا۔

ایک نئی دنیا' ایک نیا جہاں۔۔۔

مگر سفید یونی فارم پہن کر بیگ لٹکا کر۔۔۔ کالج بھی تو ساری زندگی نہیں جایا جاسکتا۔ ماں کی فکریں وہیں کی وہیں تھیں۔

بس گھر بیٹھے ہیں توکل کیے ہوئے کہ جس دن نصیب کھلنا ہوگا۔ دروازے پر دستک ہوگی اور مائدہ کے طلب گار اسے لے جائیں گے مگر اونٹ باندھ کر توکل کرنے کا حکم ہے۔ عورتیں اپنے حساب سے سوچتی تھیں۔

"رشتے کروانے والی عورتیں۔۔۔ اگر ان سے رابطہ کرلیا جائے تو۔۔۔؟"

"خبردار! ایسی عورتیں گھر کی بچیوں کے رنگ روپ' اٹھنے بیٹھنے کی تفصیل باہر لے کر جاتی ہیں۔ گھر گھر چرچا کرتی ہیں کھلی بے حیائی۔" شاہد تاج نے غضب ناک ہو کر کہا۔ "میں کیسے ایرے غیرے نتھو خیرے کو گھر میں بلالوں۔۔۔ اللہ جانے کون کون گھر میں گھس آئے عزت دار خاندانی بن کر۔۔۔"

"رشتے والی خاتون کو جب تمام کوائف شرطیہ بتا دیے جائیں گے۔ تو وہ حسب منشا ہی کو لائیں گی۔" تائی جی نے دبے لہجے میں کہا۔

مگر شاہد تاج کی اک خشمگیں نگاہ نے پسپائی کردیا۔ سب پھر دم سادھ کر بیٹھ گئیں۔

تب ہی برادری ہی میں سے کسی بندے نے اپنی دو بیٹیوں کو ایک ساتھ بیاہا۔ سراسر غیر اجنبی لوگ مگر برادری ذات ایک تھی۔ بہت شان دار رشتے۔ تفصیل معلوم کرنے پر علم ہوا کسی رشتے کروانے والی نے جوڑ ملایا ہے۔

بے حد متاثر ہوجانے والے تایا جی نے آپا تسنیم کو خود فون کرکے گھر آنے کی دعوت دی۔ ماؤں پر شادیٔ مرگ طاری ہوگئی۔

مگر تایا جی کے پاس شرائط کی لمبی فہرست ہوگی۔ تایا جی نے آپا تسنیم کو جتایا۔ رشتے کیسے کروانے ہیں۔ آپا سرہلاتی گئیں مگر تب بری طرح چونکیں۔ جب تصویر دینے سے صفا انکار ہوگیا۔۔۔ بلکہ وہ بھڑک ہی اٹھیں۔

"تو پھر میں رشتہ کیسے چلاؤں گی؟" آپا نے باری باری مودب خواتین کو دیکھا۔ جو اس سارے وقت میں ایک لفظ نہیں بولی تھیں۔

آپا نے حق دق حامی بھرلی کہ رشتے بہرحال اللہ کے حکم سے ہوتے ہیں۔ وہ تو صرف زمین پر محنت کرتی ہیں۔

آپا تسنیم کی تگ و دو۔۔۔ ناکامی یا خراب حکمت عملی معلوم نہیں۔

وہ بہت سیدھی بات بھی نہیں منوا پائی تھیں مگر آج۔۔۔ آج کا دن پتا نہیں کیا تھا۔ وہ تاباں کی عجلت سے۔۔۔ ماؤں کے متزلزل انداز سے۔۔۔ یا پھر وقت آگیا تھا۔ تصویر لے گئیں' تاباں نے دو چار تصاویر دے دی تھیں۔

اب وہ سب کے حیران چہروں پر نظریں گھماتے ہوئے گا رہی تھی۔

"مکھڑے پہ سہرا ڈالے آجاؤ آنے والے۔۔۔"

گھر میں ہر چہرہ کھلا ہوا تھا۔ لڑکے والوں نے پہلی تصویر دیکھ کر ہی مائدہ کو پسند کرلیا تھا۔ وہ اگلے روز رشتہ لائی تھیں اور اس سے اگلے ہفتے آج منگنی کردی گئی تھی۔ ان کی ایک بیٹی نے باہر سے آنا تھا۔ شادی ایک سال بعد۔۔۔

"میں تو سوچ رہی ہوں چپکے سے اپنی تصویر بھی آپا تسنیم کے حوالے کردوں۔" تاباں نے دور رسی کی انتہا کردی۔

"ابا لاش بھی چپکے ہی سے غائب کردیں گے۔" ماجدہ نے ڈرایا۔

"تم لوگ ہمیشہ تاریک پہلو کیوں دیکھتی ہو؟" وہ بھنائی۔

"اس لیے کہ روشنی کا نام و نشان تک نہیں۔۔۔ اور تمہیں بڑا شوق ہے شادی کروانے کا۔۔۔" مائدہ نے کہا۔

"لو جی ہم خوامخواہ کے بدنام۔۔۔ خود گلابی جوڑا پہن کر بیٹھی انگلی کی انگوٹھی سے کھیل رہی ہیں۔ زندگی گزر گئی میری۔" تاباں نے کسی بوڑھی عورت کی طرح آنکھیں گھمائیں۔ "کبھی جو کوئی زیور پہن کر اتنے دانت نکلے ہوں۔" اس نے حاضرین کو بھی تائید کے لیے دیکھا۔

"میرے شوق کو گننے لگی ہو۔۔۔ بے وقوف! جس طرح لڑکوں کی کمیابی ہے۔ آج کچھ سوچیں گے تو کل رزلٹ حسب توقع ملے گا ناں۔۔۔ میں تو بھئی سیریس ہوں۔ خاندان سے گئے میں دور نزدیک ہمارے جوڑ کا کوئی نہیں۔۔۔ ابھی سے ہاتھ پیر مارلیں تو اچھا ہے ناں۔۔۔ میں تو ضوفی کی بھی تصویر دوں گی۔"

"کیا؟" آنکھیں موند کر لیٹی تھکی ضوفی اچھل پڑی "دماغ خراب ہوگیا خبردار جو۔۔۔"

"میں تمہاری بڑی بہن ہوں ضوفی! میں نہیں تمہارا خیال کروں گی تو کون کرے گا۔" تاباں کا لہجہ احساس ذمہ داری سے بھرپور ہوگیا۔

"مجھے نہیں چاہیے ایسا خیال۔۔۔ تم کرتی رہو مستقبل کی یہ بے ہودہ پلاننگ۔ میں تو اپنی زندگی کا ایک مقصد طے کرچکی ہوں۔۔۔ مجھے صرف ڈاکٹر بننا ہے بس۔"

"تو کیا ڈاکٹرز شادی نہیں کرتیں۔" تاباں نے معصومیت سے پلکیں جھپکیں "بلکہ میں تمہاری پکچر کے نیچے لکھوادوں گی۔ مستقبل قریب کی ڈاکٹر۔۔۔" تاباں نے نیا نکتہ نکالا۔

"پھر ایک اضافہ میں تمہاری تصویر پر بھی کروں گی مستقبل قریب کی لاعلاج پاگل۔۔۔!" ضوفی دھاڑی "۔۔۔ بلکہ نادم تحریر سکہ بند خبطی۔۔۔ جھلی۔"

"نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں۔ میں تو پیش بندی کررہی تھی۔" تاباں نے شانے اچکائے۔

"تم یہ نیکی اپنے ابا کے مشورے سے کیوں نہیں کر لیتیں۔ بلکہ تصویر کا سلیکشن بھی ان سے کروالو۔۔۔" ماجدہ نے پہلی بار لب کھولے۔

"لو تو کیا پچھلی بار ابا کے مشورے سے نیکی کی تھی۔" تاباں نے آنکھیں نچا کر مائدہ کو دیکھا' جو ایک لحاظ سے گرد و پیش سے انجان انگوٹھی پر نگاہیں جمائے کسی اور ہی جہان کو پہنچی ہوئی تھی۔۔۔ چہرے پر مسکان۔۔۔ آنکھوں میں جگمگاہٹ۔

"اے بہن۔۔۔ اب بس کرلو۔" ضوفی نے دھاڑ لگائی اور دونوں ہاتھ چٹاخ کی آواز سے جوڑ کر پیشانی سے ٹکرائے۔ "ادھر ہی رہے گی۔ تمہیں ہی دی گئی ہے۔ سال بھر کا وقت ہے جی بھر کے دیکھتی رہنا۔ کیا تمہیں انگوٹھی کے نگ میں ان کی تصویر نظر آرہی ہے۔" وہ

حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

✵ ✵ ✵

"سنا ہے تم شادی کرنے والے ہو؟" مینا نے ایک ادا سے اپنے آگے آنے والے بالوں کو پیچھے کیا۔ "ویسے میں نے اتنا چھوٹا دولہا کبھی نہیں دیکھا۔" اس نے اب بالوں کو دوسری جانب سے آگے کیا تھا۔ "جب دولہا اتنا چھوٹا ہے تو دلہن اور بھی چھوٹی ہوگی۔"

جاذب نے حیرت سے اسے دیکھا۔ بے یقینی سے سنا۔ اس بار اس کا گیٹ اپ بالکل بدلا ہوا تھا۔ جاذب کو اچھی طرح یاد تھا۔ پچھلی بار جب وہ اسے ملی تھی تب اس کے بال جیٹ بلیک تھے۔ اب سارے بال سنہری تھے۔ گولڈن نیل پالش۔ کانوں کے پاس گالوں پر سنہری رواں۔۔۔

وہ جواب کی منتظر تھی۔ ایڑی پر ہل رہی تھی۔ جاذب نے سوچا' وہ ان بے معنی سوالوں کا کیا جواب دے۔

"چاچی جان کو گڈے گڑیا کا بیاہ رچانے کا اتنا شوق ہے؟ ہی ہی ہی امیزنگ۔۔۔"

جاذب نے طویل سانس لے کر پہلو بدلا۔ اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔

"تم تو بولتے ہی نہیں جاذب۔۔۔ کیا نکاح کے وقت تمہارا سر بھی جبرا" ہلوایا جائے گا۔"

"آپ یہ سارے سوال اپنی چاچی جان ہی سے پوچھ لیں۔" اب اسے جواب دینا ہی تھا۔ "اور جب نکاح ہو رہا ہو گا تو آپ مردانے میں آجائیے گا۔ وہاں جو بھی ہو گا' اپنی آنکھوں سے دیکھ لیجیے گا۔"

"ارے۔۔۔!" وہ حیرانی سے چلائی۔ "تمہیں تو جواب دینے آتے ہیں۔ کمال ہو گیا۔ پتا لگ گیا چاچی جان نے بالکل درست فیصلہ کیا۔ ہمیں ہی غلط فہمی ہوئی تھی کہ تم چھوٹے ہو۔"

اسے مزید برداشت کرنا اب مشکل تھا۔

"غلط فہمی سے جتنی جلدی نکل آئیں اچھا ہوتا ہے۔ آپ خوش قسمت ہیں۔" وہ جملہ مکمل کر کے آگے بڑھ گیا۔ مینا نے ایک اور دل نواز قہقہہ لگایا۔ وہ اس کی پشت کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

✵ ✵ ✵

"کل مینا سے باتیں ہو رہی تھیں۔۔۔" جاذبہ نے کچن کاؤنٹر پر چیزیں جگہ پر رکھتے ہوئے بے حد سرسری لہجہ اپنایا۔ جیسے وہ کام میں مگن ہوں اور بس یونہی یاد آ گیا ہو۔

جاذب کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے یکدم نگاہ اٹھا کر ماں کو بغور دیکھا۔ وہ تن دہی سے ڈبے پر کپڑا پھیر رہی تھیں۔ وہ لقمہ بنانے کے لیے جھک گیا۔

"باہم گفتگو تو نہیں کہہ سکتے' وہ بولتی جاتی تھیں۔۔۔ میں تو سن رہا تھا۔" اس نے صاف لہجے میں کہا۔ وہ کھانا کھا رہا تھا ساری رغبت اور دلچسپی اسی میں تھی۔

"اچھی لڑکی ہے۔۔۔" جاذبہ کچن چمکانے میں مگن تھیں۔

"صبح سے آئی تھی کل۔۔۔ خوب رونق لگ گئی۔ اس کی ہنسی نے گھر بھر کو کھلکھلا دیا تھا جیسے۔۔۔" ہنستی مسکرائی۔

"وہ ہنستی نہیں ہے ماں۔۔۔ ہنسی اڑاتی ہے۔"

"کیوں۔۔۔؟" جاذبہ نے کھیرا منہ میں رکھا۔

"آپ نے اپنا تجزیہ بتایا کہ اچھی ہنستی مسکراتی لڑکی ہے تو میں نے کلیئر کیا۔۔۔ یا یوں سمجھ لیں اپنا نظریہ بیان کیا جو مجھے لگا۔۔۔ یعنی جیسی وہ مجھے لگی۔"

"مگر ہے تو اچھی لڑکی ناں۔۔۔!" جاذبہ نے اصرار کیا۔

"اماں!" جاذب نے لاڈ سے جیسے ان کی نا سمجھی کو جھیلا۔ "آپ نے اب تک اچھی لڑکی دیکھی ہی نہیں۔"

"تو کیا تم نے دیکھ رکھی ہے۔۔۔" جاذبہ نے تیزی سے کہا تھا۔ جاذب ٹھٹکا۔

جاذبہ اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھیں۔ اگر اس نے واقعی اچھی لڑکی دیکھی تھی تو سارا معاملہ ہی حل ہو گیا تھا۔

"نہیں۔۔۔!" جاذب کی آواز مدھم ہو گئی۔ "ابھی

تک تو نہیں دیکھی مگر یہ ضرور پتا ہے اچھی لڑکی مینا جیسی نہیں ہوتی۔" جاذبہ مطمئن نہ ہوئیں۔ انداز گھوما ہوا تھا۔

"تم نے آج نئی بات بتائی۔ مجھے تو کبھی کوئی لڑکی بری نہ لگی۔۔۔ اور تم کہتے ہو اچھی لڑکی کوئی اور ہی ہوتی ہے۔"

"اماں۔۔۔" وہ ان کے الجھن بھرے انداز پر مسکرایا۔ ٹیبل پر دھرے ان کے ہاتھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیے۔

"ہر شخص کی نگاہ اپنے حساب سے طے کرتی ہے کہ اچھی لڑکی کون ہوتی ہے۔"

"تم نے کر لی؟" جاذبہ نے دوبارہ پوچھا۔

"ابھی تک تو نہیں۔" وہ سچائی سے بولا۔ "لیکن میں اسے ایک نظر میں پہچان ضرور لوں گا۔"

✵ ✵ ✵

جاذبہ نے وہ ساری گفتگو جو بیٹے سے کی تھی' سلطان صاحب کے گوش گزار کر دی۔

"کہیں موصوف چھپ کر شاعری وائری کا شغف تو نہیں فرمانے لگے۔ کوئی خیالی پیکر ہو کہ۔۔۔ خوابوں کی پری۔۔۔ جو کبھی مل کے نہیں دیتی۔"

انہوں نے صاف گوئی سے کہا جاذبہ کو بہت برا لگا۔ وہم سا ہونے لگا۔ تیزی سے ٹوک دیا۔

"اللہ نہ کرے' جو مل کر نہ دے۔ آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں۔ میرا بیٹا اپنی کسی بھی من پسند شے سے محروم کیوں رہے۔ میں تو چھین کر لا دوں۔" وہ پرعزم تھیں۔ سلطان صاحب کی آنکھوں میں ستائش ابھری۔

"اللہ خیر۔۔۔" انہوں نے آسمان کی طرف دیکھ کر گویا پناہ طلب کی۔ "ہمیں خدا نے اس وقت اولاد سے نوازا جب وہ سب اپنے بچے بیاہنے کا سوچ رہے تھے۔ الحمد للہ۔۔۔ اب ان کے اپنے بچوں میں سے کوئی ایک بھی شادی کے لیے بچا نہیں ہے۔ یہ چھوٹے بھائی صاحب کی مینا ہے اور سدرہ' آپا کی بچی ہے۔ مینا تین برس بڑی ہے اور سدرہ ڈیڑھ برس' مگر اس نے دونوں ہی کو اچھی لڑکی کی فہرست میں رکھا ہی نہیں۔"

"سدرہ بھائیوں میں پلی بچی ہے۔ اس کی الماری میں ایک بھی شلوار سوٹ نہیں۔ شرٹیں چڑھائے پھرتی ہے۔" یہ شادی بیاہ کی بات سے پہلے ہی جاذب نے ایک دن ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔

"تو وہ آپ کی آپا تسنیم کیا ہوئیں۔ ان کی کارکردگی کیا صفر رہی؟"

"نہیں۔۔۔ تاتی تو وہ بھی ہیں' بلکہ تین' چار جگہ میں گئی بھی۔ مگر اللہ معاف کرے' سب جاذب سے بڑی لگیں۔ دو' چار برس کی چھوٹائی بڑائی بھی نہ دیکھوں' دو برس بڑی بھی لے لوں مگر معصومیت الڑین تو نظر آئے ناں۔ اب ہمارا بیٹا کم عمر تو ہے ہی' مگر چہرے کے خدوخال ایسے ہیں کہ اور چھوٹا لگتا ہے' معصوم سا تو ہے۔ آنکھیں دیکھیں ہیں خوابیدہ سی اور ہونٹوں کا کٹاؤ' ناک تو خیر ماشاء اللہ' چہرے پر نرمی اور ملائمت ہے۔ شرافت تو خیر۔۔۔ سب سے بڑھ کر۔۔۔" جاذبہ ٹاپک بھول گئیں۔

"ہائیں۔۔۔ ہائیں۔۔۔ آپ مجھے رشتے کی راہ میں حائل رکاوٹیں بتاتے بتاتے بیٹے کی مدح سرائی میں جت گئیں۔ کیا جب رشتہ دینے جاتی ہیں تو لڑکی کی ماں سے یہ سب کہتی ہیں؟" سلطان صاحب نے ان کی تیز گام کی رفتار سے چلتی زبان کو روکا۔

"خالی یہ ہی کیوں؟" جاذبہ نے برا مانا۔ "خاندانی۔۔۔ اکلوتا۔۔۔ تعلیم یافتہ۔۔۔ قابل۔۔۔ کبھی فیل نہیں ہوا۔۔۔ نمازیں پڑھتا ہے۔۔۔ غریب پرور اتنا ہے کہ اپنا سوئٹر کسی غریب کو دے آئے اور۔۔۔"

"بس۔۔۔ بس۔۔۔ مجھے پتا لگ گیا۔ آپ کے پاس کوہ نور ہیرا ہے۔ بس وہ پیشانی نہیں مل رہی جس پر اسے سجایا جا سکے۔" سلطان صاحب نے دونوں ہاتھ اٹھا کر انہیں روکنا چاہا۔

"ہاں تو ہے نا میرا بیٹا ایسا ہی۔۔۔ اس میں جھوٹ کیا ہے؟"

سلطان صاحب نے اثبات میں سرہلایا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آپ نے بڑی جلدی ہار مان لی۔" آپا تسنیم نے مسکرا کر جاذبہ کو دیکھا۔ "بس۔" جاذبہ نے کہا تھا۔ "دھیان ضرور رکھیں اور جب کبھی کوئی لڑکی مناسب لگے تو بتادیں۔ کوئی جلدی نہیں ہے۔"

"چلیے ٹھیک ہے۔ ایک لحاظ سے آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ورنہ لوگ تو اڑے رہتے ہیں۔ بھلے سے غلط ہی کیوں نہ ہوں۔ یا اپنی شرائط سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹتے۔ اب کل جو رشتہ میں نے فائنل کروایا ہے' وہ چار سال سے میرے لیے درد سر بنا ہوا تھا۔ تین بیٹے تھے اور ماں کی فرمائش تھی ایک ہی گھر سے لڑکیاں لانی ہیں۔ پہلے تو ڈھونڈنے میں دانتوں پسینہ آگیا۔ انہوں نے تو عمروں کی حد بھی بتا رکھی تھی۔ لیکن اللہ ایسے ہی خیال دل میں نہیں ڈالتا۔ مل ہی گئیں ایک اور اماں جنہیں تین بھائی ہی داماد بنانے تھے بس کام بن گیا۔"

آپا آج بہت خوش تھیں۔ جاذب سلطان قریب ہی بیٹھا بہت کم آواز میں ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی حیرانی سے اسے سن رہا تھا۔

"زبردست آنٹی... خالی بھائی مانگے تھے' جڑواں تڑواں تو نہیں مانگے تھے کہ آپ کو اسپتال کا ریکارڈ چھاننا پڑتا۔"

"ارے نہیں۔" آپا ہنسیں' جاذبہ نے بھی ساتھ دیا۔ "ان کی تو ایسی کوئی شرط نہیں تھی۔ مگر شکلوں میں مشابہت جڑواں جیسی ہی ہے۔" آپا نے اپنا بیگ ٹٹولا۔ جاذب اٹھ کر قریبی صوفے پر براجمان ہو گیا۔ وہ تین البمز کے ورق پلٹائے مگر تصویر نہیں تھیں۔ وہ اپنا دوسرا تھیلا کھولنے لگیں۔ جاذب نے بھی ہر تصویر کو بغور دیکھنا شروع کیا۔

"یہ لڑکیاں تو نہیں ہیں آنٹی؟" جاذب نے پکارا۔ آپا نے نظریں اٹھائیں۔

"ہاں... ہاں۔ لڑکیاں تو یہی ہیں' مگر لڑکے کہاں گئے؟" وہ تندہی سے دوبارہ ڈھونڈنے لگیں۔ جاذب نے ایک نگاہ کے بعد اشتیاق کی ماری ماں کو تصویر دے دیں۔ خود آپا کی مدد کرنے لگا۔

تب ہی ٹھٹک گیا۔ ایک علیحدہ سے تھیلی تھی۔ جو اس کے ہاتھ سے پھسل کر نیچے گری اور تصاویر باہر۔ وہ اوہ سوری کہتا جھکا اور بصد احتیاط تصاویر سمیٹنے لگا۔

وہ گھٹنوں کے بل زمین پر جھکا ہوا تھا۔ ٹیبل کے پائے کے پاس وہ تصویر۔

گھٹنوں کے بل جھکنا جسم کے لیے کسی قدر مشکل ہوتا ہے۔

مگر دل کے لیے مشکل ترین... اور دماغ کے لیے بھی شاید ہتک آمیز۔

پھر وہیں جھکا جاتا ہے جہاں دل مجبور کردیتا ہو۔

یا عبودیت کی خاطر... یا محبوبیت کے کارن۔

اور کوئی پہلی نگاہ میں محبوب ہو سکتا ہے کیا؟

اور کیا کوئی معبود ہو سکتا ہے؟ کوئی معجزہ معبود کی پہچان کرا کر دلوں کو پھیر سکتا ہے۔ زبان سے بے ساختہ گواہی نکل آتی ہے۔

لیکن... محبوب کے پاس ایسا کیا ہوتا ہے؟

جس پر نگاہ پڑنے سے... یوں لگتا ہے جیسے دنیا کی گردش رک گئی ہو۔ ساری حسیں کام کرنا چھوڑ دیں اور پورا وجود فقط آنکھ بن جائے۔

اور ایسی بھی کیا بے اختیاری کہ جاذب سلطان جہاں کا تہاں رک گیا تھا۔

آنکھ کی پتلی ٹھہر گئی۔

"ارے دیکھو جاذب... یہ رہے وہ تینوں لڑکے۔" آپا کی مسکراتی جوشیلی آواز پر وہ چونکا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی تصویر کو ایک بار پھر دیکھا اور ٹھنڈی نڈھال سانس لیتا کھڑا ہو گیا۔

جاذب نے تھیلی آپا کی جانب بڑھائی اور پھر وہ اکیلی تصویر... آپا کے چہرے کے عین سامنے کردی۔

"یہ کس کی تصویر ہے آپا... کون ہے یہ لڑکی؟" اس کی آواز ناقابل فہم تھی۔ جاذبہ نے ذرا سی گردن اچکا کر دیکھا۔

بوگن ویلیا کا گھنا سبز جھاڑ تھا۔ جس پر آتشی گلابی دہکتے پھولوں کے گچھے تھے۔ زمین پر پورے قد سے کھڑی لڑکی کا ہاتھ بساط بھر اونچا ہو کر ایک شاخ کو جھکا رہا تھا اور یقیناً "ہلا رہا ہو گا جو بہت سے پھول اس کے سر شانوں اور زمین پر گرے پڑے تھے۔

لڑکی کے چہرے پر بے پناہ جوش' خوشی کا بے پناہ احساس اور مسحور کن کیفیت تھی۔ اس کی ساحر آنکھیں اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں۔ اگر تصویر سے آواز آیا کرتی تو یقیناً "اس کی کھلکھلاہٹ کانسی کے برتن میں گرتے سکوں جیسی ہوتی یا مندر کی گھنٹی' یا پیتل کے تھال پر تواتر سے گرتے بارش کے قطروں جیسی...

یا... یا؟

"ارے... یہ... تصویر!" آپا گڑبڑائیں۔ "یہ رشتے والی تصویر نہیں ہے... یہ تو..."

☼ ☼ ☼

آنے والے مہمان... گھر کے ہر فرد کو بے حد پسند آئے تھے۔ مہذب' خوش شکل' خوش اطوار... ایسے لوگ جن سے ملنے کو دل کرے اور بار بار کرے... ایک خوشی کا مسلسل احساس ہو جیسے۔

لیکن بدقسمتی کی بات یہ تھی انہیں دیکھ کر فقط خوش ہی ہوا جا سکتا تھا۔ دل میں اگر کسی قسم کی ناگواری اتری بھی تو سامنے والوں کی شخصیت نے اس کے شدید تاثر کو زائل کر دیا تھا۔

اگر آنے والے پھلوں سے شاپر بھر کے لائے تھے اور آئس کریم کے پیک... تو گھر والوں نے بھی آداب میزبانی اور مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ ٹیبل اور ٹرالی انواع و اقسام کی اشیائے خورد و نوش سے سجی ہوئی تھی اور بصد اصرار کھلائی جارہی تھیں۔

اس حسن سلوک کے طفیل مہمان خوش امیدی کی ڈور کے سہارے اڑانیں بھرتے بھرتے آسمان کو چھو آئے تھے۔

خوش گپیاں...

دوسری طرف میزبان قطعیت سے بھرپور تھے۔ وہ میزبانی میں کوئی حد نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔

ایسی صورت حال بہت کم درپیش آئی تھی۔ کہ دروازے ہی سے پلٹا دیا جاتا تھا۔ مگر وہی نا کہ اس بار کے مہمان...

اور یہاں آپا تسنیم بھی براجمان تھیں۔ اللہ کے بعد ایک وہی تھیں جو دلوں کے حال جانتی تھیں۔ انہیں دونوں افراد کی جانب سے شرمندگی جھیلنی تھی۔ ایک جانب سے مایوسی کی اور دوسری جانب سے شاید غصہ... کہ جانتے بوجھتے ہوئے۔

مہمانوں کو بڑے دن لگے تھے سمجھانے بجھانے میں... مگر وہ مصر رہے اور من مانی کی۔ آپا نے بھی نتیجے کو ان پر ڈال دیا... بلکہ ممکنہ نتیجہ بتا دیا تھا۔

میزبان ضد میں تیل کا داغ تھے۔ گھس لو' رگڑ لو' کاٹ پیٹ دو' مگر ایک آخری دھاگے سے بھی لپٹے رہنے والا نشان۔

آپا کو زیادہ شرمندگی میزبانوں سے تھی۔ مگر جب بات کھلی تو کوئی بھی ان پر خفا نہیں ہوا۔ دراصل مائدہ کے اتنے بہترین رشتے کے طے ہو جانے سے... آپا نے گھر بھر کی نگاہوں میں بہت اعلا مقام اور عزت حاصل کرلی تھی۔ سب ان پر آنکھ بند کرکے اعتبار کرنے لگے تھے۔

مگر اتنی گہرائی میں جاتے نہیں۔ انہوں نے وقت رخصت سلطان صاحب سے مصافحہ کرتے ہوئے اور بغل گیر ہوتے ملاقات کو بہت اچھی یاد سے تعبیر کیا تھا۔ جاذبہ کو ذرا سے خمیدہ سر کے ساتھ خدا حافظ۔ یہاں تک کہ جاذب سلطان کو بھی خوش دلی سے رخصت کیا تھا۔ جس کے چہرے پر مایوسی نے سفیدی سی پھیلادی تھی اور وہ عجب بے اختیاری کے عالم میں اس دو منزلہ بڑے سے گھر کی بند کھڑکیوں کو کھوجتا تھا۔ دیوار پر زیرک نگاہی کا زور لگا' تاکہ کوئی شبیہہ ابھرے' کوئی چلمن' سر سراتا پردہ... کوئی کونا کھدرا۔

وہ اتنا زور دے کر تاباں ہی کا نام کیوں لے رہی تھیں۔ انہوں نے تاباں کو کب دیکھا۔ عورتیں سراسیمہ تھیں اور مہمانوں کی رخصت کے بعد تسنیم کو کمرے میں لے کر کھس پھس کر رہی تھیں۔

"وہ جو آپ نے مائدہ کے رشتے کے لیے تصاویر دی تھیں۔" آپا نے کہنا شروع کیا۔ "جلد بازی میں اس میں کچھ اور تصاویر بھی آگئی تھیں آپ گھر والوں کی... اسی میں تاباں کی بھی ایک تصویر تھی... وہ جو میں نے تین بھائیوں کا تین بہنوں سے رشتہ جڑوایا تھا نا... اس کا ذکر چل رہا تھا۔ تصاویر دکھانے لگی تو جاذبہ کی نگاہ تاباں کی ایک تصویر پر پڑ گئی۔ بس جی وہ تو فوراً" لٹو ہو گئیں۔" آپا نے سارا الزام جاذبہ پر لگا دیا۔ "اگر جو وہ کہہ دیتیں کہ جاذب سلطان ہی کی نظر پڑ گئی تھی اور گڑ گئی تھی تو...؟"

"نہیں دراصل جیسی بہو کی تلاش ہے نا... عمر شکل قد کاٹھ... بس تاباں جیسے ان کے تصور کی اصل تصویر ہے... آپ کے ہاں تو آج لائی نا... انہیں تو ڈیڑھ ماہ سے سمجھا ہی رہی تھی۔ اب بھی جیسے میں عاجز ہو گئی۔ مجھے آپ لوگوں کا پتا ہے۔ مگر وہ مصر تھے کہ اپنے منہ سے کہیں گے تو... میں نے بھی سوچا... آپ لوگوں کے اپنے منہ سے سن کر ہی شانت ہوں گے۔ اس لیے لے کر آگئی۔ اب معاملہ واضح ہو گیا نا۔"

آپا خود بھی ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھیں۔ اب روز کی بحث سے تو جان چھوٹی... بیٹھ جائیں گے ٹھنڈے ہو کر۔"

"وہ تو ٹھیک ہے تسنیم!" تائی جی نے لب کھولے۔ "مگر دیکھو نا اتنے پھل فروٹ اور آئس کریم... ہم کیسے رکھ سکتے ہیں اور وہ صاحب کہنے لگے کہ کسی کے گھر خالی ہاتھ کون جاتا ہے؟"

"میرے اعتراض پر بھی یہی کہا تھا۔" آپا بولیں۔

چاروں خواتین خاموش ہو گئیں۔ سب کے چہروں پر گہری سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

تاباں کی امی کا چہرہ شدید کشمکش کا شکار تھا۔ تائی جی کے چہرے پر ملال اور چاچی کا چہرہ بے تاثر تھا۔ مگر ایک خاموش کیفیت وہاں بھی تھی۔

"بہت ہی اچھی فیملی تھی۔" تائی جی نے چپ توڑی۔

"جی..." امی کے منہ سے جیسے کراہ نکلی۔ "بے عیب کہیں۔"

"بے عیب تو نہ ہوا۔ یہی تو سب سے بڑا عیب تھا جو ساری خوبیوں پر حاوی رہا کہ ذات برادری الگ تھی۔ باقی چیزوں کو کیا چاٹنا ہے۔" چچی نے صاف گوئی سے اکھڑ لہجے میں کہا۔ امی اور تائی جی انہیں دیکھ کر رہ گئیں۔

"لڑکا بہت چھوٹا سا تھا اور بہت خوب صورت تھا۔" امی کی نگاہوں میں جاذب سلطان کا سائیڈ پوز گھوم رہا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں نہیں گئی تھیں۔ بس آڑ میں کھڑے ہو کر دیکھا تھا۔

"ہونہہ..." چاچی نے ہاتھ ہلایا۔ "مجھے تو نزاکت سے لگی اس میں۔" وہ نجیم عقیل شکیل کی ماں تھیں... بیٹے وہ جو ہو سولاڈ کے بھائیوں جیسے تھے۔

"نزاکت تو نہ کہیں۔" آپا کو برا لگا۔ "عمر ہی کتنی ہے۔ پڑھائی لکھائی والا لڑکا ہے... نہ کسی اچھائی میں نہ برائی میں... پھر بڑھاپے کی اکلوتی اولاد ہے تو ماں، باپ متوجہ زیادہ رہتے ہیں، باقی لڑکا شان دار ہے، ماشاء اللہ۔" آپا نے صاف گوئی سے کہا۔

تائی جی کے چہرے پر تائید آن رکی تھی۔ جبکہ امی نے غیر ارادی طور پر سر زور، زور سے ہلا کر کہا۔ "بالکل... آپ صحیح کہہ رہی ہیں۔"

"بھابھی کو تو صدمہ ہی لگ گیا۔" چاچی نے بے فکری سے ہنسی اڑانے کے سے انداز میں کہا۔ روایتوں میں جکڑی جواں بیٹیوں کی مائیں اعصابی کمزوریوں کا شکار ہوتی ہیں۔ انہیں ذرا سی سرد و گرم فوراً" لگ جاتی ہے۔

"بس اللہ سے دعا ہے۔ سب کی بچیاں وقت کے ساتھ ساتھ اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں۔ عزت کے ساتھ زندہ رہیں اور خوش رہیں۔"

"آپ نے تو بہت گہری بات کہی۔" آپا متاثر تھیں۔

امی پژمردہ سا مسکرا دیں۔ دل کے اندر کی سوچیں اتنی گہرائی بھی نہ لیں تو لعنت ہے ایسے دل والے ہونے پر۔

"بہرحال! آپ ایسا کریں۔" وہ سنجیدگی سے آپا کی جانب مڑی تھیں۔

"میری تاباں کے لیے بھی رشتہ دیکھ کر رکھیں۔ جیسی وہ ہے نا ویسا ہی... بلکہ اب کیا کہوں... جیسا رشتہ آپ آج لائی ہیں۔ اب اس سے کم کیا جچے گا۔ آگے جو نصیب۔"

تائی جی نے آنکھوں کے اشارے سے ہاں میں ہاں ملائی۔ آپا نے سر تسلیم خم کیا۔ جبکہ چاچی نے رکھائی سے تینوں کو گھورا تھا۔ ان کے عقیل، شکیل تھے نا... گم۔

☼ ☼ ☼

"آپ نے اس روز... وہ جو مہمان آئے تھے... ان سے کیا کہا تھا کہ...؟"

میاں کا موڈ خوش گوار دیکھ کر زاہدہ کو ایک بات جو پھانس کی طرح گڑی تھی، کہنے کا خیال آگیا۔

"کون سے مہمان؟"

"وہ جو آپا تسنیم لائی تھیں۔"

"کیا کہنا تھا، یہی کہا کہ ہم ذات برادری سے باہر رشتہ نہیں کرتے۔ تمہیں نہیں معلوم یہ بات۔" وہ تحیر کا مظاہرہ کرنے کے لیے ذرا سا چلائے تھے۔

"نہ... نہیں... یہ بات نہیں... یہ تو میں نے بھی ان خاتون سے کہا تھا۔ میں اس دوسری بات کا کہہ رہی ہوں جو..." زاہدہ اٹکیں۔

میاں خشمگیں نگاہوں سے بیگم کو گھور رہے تھے اور منتظر تھے کہ وہ کیا کہیں گی۔

"یہی کہ اول تو... رشتے ادھر ادھر کرنے کا رواج ہی نہیں اور پھر جب گھر میں لڑکے بھی موجود ہوں۔" زاہدہ نے توقف کیا۔ "آپ نے کن لڑکوں کا کہا تھا؟"

"کیا ساجد کے لڑکے..." انہوں نے تیزی سے جملہ مکمل کیا تو جیسے اب سانس روانی سے آنے لگی۔

"ارے نہیں۔" میاں کا چہرہ جو تنا ہوا تھا، ڈھیلا ہو گیا۔ "وہ دونوں تو نکمے ہیں۔ ساجد کی بیٹیاں اچھی ہیں۔ بڑا بیٹا اچھا نکلا۔ یہ دونوں تو اپنے نانا، ماموں کی محبت میں رہ رہ کر ایک ہی اوٹ تکتے ہیں۔ انھیں کیوں دوں گا۔ وہ تو بس انہیں کہہ رہا تھا۔ اب جواب مدلل بھی تو دینا تھا اور کوئی ہوتا تو بس، ایک نہیں کہہ دیتا، مگر اچھے سلجھے شریف لوگ تھے۔ پھر عزت دار تھے اور کسی کی بہن، بیٹی کا رشتہ مانگتے وقت جو عاجزی انکساری ہونی چاہیے، وہ مجھے اچھی لگی۔"

"وہ خاتون بہت مایوس گئیں یہاں سے۔" زاہدہ کی نگاہوں میں جاذبہ کا پھیکا بے بس چہرہ گھوم گیا۔

"ہاں... لیکن خیر ہے انہیں کس چیز کی کمی ہے۔ ابھی تو بہت وقت ہے ان کے پاس۔" مجاہد تاج کو بھی جاذبہ کی سوبر شخصیت یاد آئی تو تائید کر دی۔

"ہوتا ہے ماؤں کو چندے آفتاب ماہتاب بہو لانے کا شوق۔ مل جائے گی انہیں بھی... دنیا میں اچھی لڑکیوں کی کمی تھوڑی ہے۔"

"برائی تو ہماری بیٹی میں بھی کوئی نہیں تھی۔ کاش! وہ ہی وہ اچھی لڑکی ہو جاتی۔" زاہدہ کے دل کے چور خانے سے کوئی بولا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں نے تو آپ کو پہلے ہی کہا تھا۔ بڑے کٹر ہیں سب کے سب... سائنس جتنی مرضی ترقی کرے جس دن لوگوں کے دل پھیرنے کا فارمولا ڈھونڈ کر لائے گی۔ میں تو تب جانوں..." آپا نے کہا۔

"دل تو فقط دعا سے پھرتے ہیں۔" جاذبہ کے انداز میں شکستگی تھی۔

"تو پھر اب آپ دعا ہی مانگیے۔ دوا تو آپ کر چکیں، ذرا اثر نہ ہوا۔" آپا تسنیم ہلکا سا ہنس دیں۔

"وہ تو کر رہی ہوں۔"

"چھوڑیے تاباں مجاہد کے رشتے کو، وہ جو میں نے آپ کو اتنے بہترین موزوں رشتے بتائے ہیں۔ وہ کیا ہوئے؟"

"مجھے تو اچھے لگے خاص طور پر فیملی اور لڑکی بھی بالکل میرے دل کو چھو گئی مگر جاذب۔"

"میری مانیے ان کے گھر چلے چلتے ہیں۔ آپ

جاذب کو بھی لے لیں۔ تاباں کی تو اس نے فقط تصویر دیکھی تھی۔ میں اس لڑکی کے گھر والوں سے بات کروں گی۔ اچھے لبل لوگ ہیں' لڑکی ہی کو سامنے کردیں گے۔ جب جاذب آمنے سامنے ملے گا ناتو۔۔۔ تصویر کا عکس دھندلا ہوجائے گا۔"

"شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ مگر یہ بات بھی اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ یہ لڑکی۔۔۔ بے حد خوب صورت ہے۔ تصویر ہی میں اتنی جادو گرنی جیسی ہے۔ سحر پھونک دینے والی تو سامنے سے تو۔۔۔" جاذبہ کا لہجہ تھکا سا تھا۔

"انہوں نے تو گھر کی بچیاں دکھائی تک نہیں' میں واش روم کا بہانہ کرکے اندر بھی گئی مگر وہی تین خواتین تھیں۔ ایک دس' بارہ برس کی بچی نظر آئی تھی۔ وہ بھی مجھے دیکھتے ہی اندر کہیں غائب ہوگئی۔"

"بہت سخت ماحول ہے۔ کھانے پینے' پہننے اوڑھنے کی سب آزادی ہے۔ مگر وہی دائرے کے اندر۔۔۔"

"کیا سامنے سے بھی اتنی پیاری ہے؟" جاذبہ کا دھیان وہیں تھا۔

آپا نے جاذبہ کو دیکھا۔ وہ کیا جواب دیتیں۔

"ہاں پیاری ہی ہے۔" وہ گول مول سا بولیں۔

"آپا! آپ ایک بار جا کر دوبارہ ذکر تو کریں نا۔"

"کیوں میری عزت اور کاروبار کی دشمن بن رہی ہیں آپ۔"

"نہیں۔۔۔ اللہ نہ کرے' میں تو کہہ رہی تھی قطرہ قطرہ پتھر میں سوراخ کردیتا ہے تو۔۔۔"

"قطرے کی طاقت سے کس نے انکار کیا ہے۔ مگر اس میں کتنا عرصہ لگتا ہے۔ یہ کیوں بھول رہی ہیں۔" آپا تسنیم کی برجستگی پر جاذبہ جو بہت ملول تھیں' دل سے مسکرادیں۔

"ابھی تو یہ بھی ہوا کہ میں نے آپ ہی کی پسندیدگی کا ذکر کیا۔ اگر جو انہیں بھنک بھی پڑ جائے۔ میرا تو روٹی پانی اسی کام سے وابستہ ہے۔" آپا کو اپنی فکر پڑی۔ جانے انجانے میں ہی سہی تصویر پر لٹو تو جاذب ہی ہوا تھا نا۔

"ایک بات کہوں آپ سے۔" جاذبہ کا لہجہ پراسرار سا ہوگیا۔ "جو کچھ تھا وہاں ان کے اٹل ارادے فیصلہ کن لہجہ۔۔۔ مگر مجھے لڑکی کی ماں کے انداز میں لچک سی محسوس ہوئی تھی۔"

آپا' جاذبہ کا چہرہ دیکھنے لگیں' منہ سے کچھ نہ کہا۔ مگر جاذبہ جواب کی متمنی نہیں تھیں۔ وہ اپنی چہرہ شناسی پر یقین رکھ رہی تھیں بولتی چلی گئیں۔

اور ان کا مسلسل بولنا' اصرار اور یقین ہی تھا کہ آپا ایک بار پھر زاہدہ کے گھٹنے سے لگی بھن بھن کررہی تھیں۔

زاہدہ کا مایوس چہرہ' نفی میں ہلتا سر' جاذبہ کا اندازہ درست تھا۔

زاہدہ دل و جان سے راضی تھیں۔ ایسے رشتے تو دعاؤں سے ملتے ہیں۔ جادو ٹونوں سے ہتھیائے جاتے ہیں۔ سازشیں رچائی جاتی ہیں۔ کاش! وہ کچھ کرسکتیں۔

جاذبہ کے پرزور اصرار پر وہ زاہدہ کے آگے ایک کوشش کرچکی تھیں۔ پھر جاذبہ سے معذرت بھی کی اور گزارش کہ انہیں اس معاملے سے دور رکھا جائے۔ وہ جو کچھ کرسکتی تھیں' کرچکی ہیں

آپا نے اپنے طور پر اس معاملے کو لپیٹ کر ہاتھ جھاڑے۔

اور اپنے گھر کی راہ لی۔ مگر۔۔۔

☼ ☼ ☼

جمعہ کے دن مشاہد تاج اور مجاہد تاج سہ پہر کے بعد اپنے کام پر نہیں جایا کرتے تھے۔ آرام کرتے' کہیں آنا جانا۔۔۔ یا پھر مسجد میں بیٹھ جاتے۔ مشاہد تاج مسجد کو ملنے والے چندے کا حساب رکھتے تھے اور یہ کام وہ اللہ کی خوشنودی کے لیے بڑے ذوق و شوق اور ایمان داری سے سرانجام دیتے تھے۔

چونکہ خود مالی لحاظ سے خود کفیل تھے۔ چلتا کاروبار۔۔۔ نشست و برخاست ہی بھرے پیٹ کو ظاہر

کرتی تھی۔ لہٰذا سب ان پر آنکھ بند کرکے یقین کرتے تھے اور سچی بات یہ تھی کہ یہ یقین بے جا نہیں تھا۔

سو آج ابھی کافی عرصے بعد رجسٹروں میں اندراج وغیرہ کے بعد اب وہ مولانا صاحب کی دی گئی چائے سے لطف اندوز ہورہے تھے۔ جب گفتگو ادھر ادھر سے ہوتی معاشرے کے نئے رنگ ڈھنگ' نئی ترجیحات نئے مسائل پر آکر رک گئی۔

اور ایسے موضوع پر آپ معلومات رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔ سیر حاصل گفتگو ضرور کرسکتے ہیں۔ یہاں تو پھر بھی مولانا صاحب تھے اور یہ دونوں بھائی۔۔۔ بمشکل اخلاقیات کے لحاظ میں دوسرے کے چپ ہونے کا انتظار کرتے اور پھر بولتے چلے جاتے۔

"نئے زمانے کے یہ بچے۔۔۔ آپ گھر کے اندر جیسا مرضی ماحول دے دیں۔ لاکھ سختی کرلیں۔ حد بندیاں کرلیں' مگر بیرونی اثرات زہر قاتل بن رہے ہیں اور سدباب کی کوشش تو کیا؟ کم عقل والدین احساس سے بھی عاری ہیں۔"

مشاہد تاج نے مولانا صاحب کے کسی جملے پر تبصرہ کے گل بوٹے ٹانکے۔

"بدچلنی اور آوارگی بڑھتی جارہی ہے۔ لڑکے کیا۔ لڑکیاں بھی۔۔۔ سب پر نظر رکھنی بڑا مشکل کام ہوگیا ہے۔" مولانا صاحب تمام جملوں پر اعراب کا لحاظ کرتے ہوئے لفظ حلق سے نکال کر کہتے تھے۔

"بجا فرمایا۔۔۔ خاندانوں کی تو شناخت ہی ختم ہوگئی ہے۔ بس جہاں سینگ سمائے نکل پڑتے ہیں۔ میں نے کئی خاندان دیکھے ہیں۔ کسی خوشی غمی میں اکٹھے ہوں تو تعارف ہی مشکل مرحلہ بن جاتا ہے۔"

"کہنے کو ایک خاندان ایک ہوگا۔ مگر فلاں داماد آرائیں اور فلاں شیخ ہے۔ بہو راجپوت ہے تو دوسری جاٹ۔۔۔ تیسرا اللہ جانے کون۔۔۔" مجاہد تاج نے برا برا منہ بناتے ہوئے کہا۔

مولانا صاحب کے حلق میں سارے۔۔۔ ح۔۔۔ اٹک گئے۔ وہ تو آج ایک خاص مشن پر تھے۔ لیکن۔۔۔ ایک ہلکی سی کوشش۔۔۔

"یہ قبیلے اور خاندان تو اس لیے بنائے گئے ہیں کہ انسان ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ باقی اللہ کی نگاہ میں تو سب انسان برابر ہیں۔ ہاں کسی کو برتری حاصل ہے تو فقط تقویٰ کی بنیاد پہ۔۔۔ یہ ذاتیں تو ہم انسانوں نے اپنے مفادات کے پیش نظر بنا رکھی ہیں۔ ہم کسی کو اعلا کہہ دیتے ہیں' کسی کو کم تر۔۔۔ جبکہ یہ ہمارا کام ہی نہیں' سب چہرے اللہ کے چہرے' سارے رنگ اللہ کے۔ نئے رشتے ناتے بناتے وقت۔۔۔ اب آج کل کے دور میں اگر خود کو اتنا محدود کرلیا گیا تو دنیا تو بہت چھوٹی ہوجائے گی۔ پھر معاذ اللہ ہم شکوہ کناں ہوتے ہیں کہ اللہ ہماری سنتا نہیں ہے اور۔۔۔"

"کہنے' پڑھنے' سننے میں یہ باتیں بہت اچھی لگتی ہیں۔ مگر عملی مظاہرہ بہت مشکل ہے۔ اب نمازی پرہیزی ہونا سب سے بڑی خوبی صحیح۔۔۔ مگر میں اپنی بیٹی کسی میراثی کے گھر نہیں دے سکتا۔ یا پھر کسی چوڑے

کے گھر بارات لے جاؤں۔"

"نا۔۔۔ نا۔" مشاہد تاج نے مولانا صاحب کا جملہ کاٹ کر نفی میں زور و شور سے سرہلاتے ہوئے کہا۔ چھوٹے بھائی مجاہد تاج نے بھی ایسی صورت حال میں بھائی صاحب کی بات میں زور و شور سے سر اثبات میں ہلایا۔

مولانا صاحب نے دونوں کے ہر عضو سے جھلکتی ہٹ دھرمی کو تولا۔ پورا وزن تھا۔ انہوں نے پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کیا مگر تب ہی زبان جیسے خود چل پڑی۔

"مگر سلطان حیدر تو میراثی چوڑے نہیں ہیں۔ مجھے تو وہ صاحب بے حد پسند آئے اور ان کا بچہ بھی ماشاء اللہ۔"

"کک۔۔۔ کون سلطان حیدر؟" دونوں بھائیوں نے مولانا صاحب کو دیکھا اور پھر ایک دوسرے کو۔۔۔

سلطان حیدر نے فون پر غور کرنے کا کہا تھا۔ پھر ایک روز بندھے ہاتھ کی درخواست لے کر دفتر پہنچ گئے اور اب مولانا صاحب کے ذریعے سفارش۔۔۔ گھر کی بات اس طرح باہر نکلی۔ نہ جانے کس طرح اپنے طیش پر قابو پایا تھا۔

✡ ✡ ✡

دھاڑ اور چنگھاڑ۔۔۔ اور بہت تیز اونچا بولنا ایک ساتھ۔۔۔ یہ اس گھر کا رواج کبھی نہیں رہا تھا۔ سو طیش بھری ان آوازوں کے کان میں پڑتے ہی گھر کے ہر کونے سے افراد باہر نکل آئے۔ آواز کے تعاقب میں سب کے قدم بیرونی کمرے تک آکر رک گئے۔ عجب لاعلمی سے ایک دوسرے کو دیکھنے والے جو شانے اچکا کر معاملے سے ناشناسی کا اظہار کر رہے تھے۔ اب اپنے کانوں پر بھروسہ کرتے ہوئے خاموشی سے اندر سے ابھرتی آوازوں کو سننے لگے۔ لڑکیوں کو وہ تمام کونے اور درزیں معلوم تھیں جن کے ذریعے اندر جھانکا جا سکتا تھا۔

وہ ایک دوسرے سے چپکی تھیں۔ آڈیو۔۔۔ ویڈیو میں بدل گئی تھی۔ تایا۔۔۔ ابا اور چاچا۔۔۔ اور تینوں کی بیگمات۔۔۔ جو مجرم کنیزوں کی مانند دکھائی دیتی تھیں۔

"کیا خاک سمجھا ہوا اچھا آدمی نکلا وہ۔۔۔ اب گھروں کے اندر کی باتیں باہر کے لوگوں کی زبانوں پر ہوں گی۔" تایا ابا کی آواز تھی۔

"اب لوگ ہمیں سمجھائیں گے کہ۔۔۔ ہمیں کیا کرنا ہے۔ دین اور معاشرہ کیا کہتا ہے؟ جب ایک دفعہ کہہ دیا کہ الگ ذات برادری کے لیے ہم صفحہ ہی پھاڑ دیا کرتے ہیں تو۔۔۔ بات تو وہیں ختم ہو گئی نا بھائی صاحب!" چاچا نے اپنی رائے پر فیصلہ چاہا۔

"بالکل۔۔۔" دونوں بڑوں نے سرہلایا۔

"اور ذات برادری کی شرط کو چھوڑو۔" ابا نے لہجہ دھیما کیا۔ "میری بیٹی ہے۔ میں نہیں دیتا تو نہیں دیتا۔ کوئی زبردستی ہے کیا؟ جب ایک دفعہ منع کر دیا تو کر دیا۔"

تائی اور چاچی کا چھوتا ئیدا" مسلسل ہل رہا تھا۔ امی خاموشی سے صورت حال سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

اس طرح سے لعنت ملامت کرنے کے بجائے اگر یہ تینوں بتا دیں کہ کیا ہو گیا تو۔۔۔ کتنا اچھا ہو۔

"لیکن ہوا کیا ہے؟" چاچی کا سوال سب کے دل کا ترجمان ہو گیا۔

"کیا ہونا ہے۔" تایا جی داڑھی میں انگلیاں پھیر رہے تھے۔ چاچی کو گھورا، پھر اپنی بیگم کو اور بعد میں تاباں کی امی کو۔۔۔ وہ نگاہیں چرا گئیں۔

"وہ۔۔۔ سلطان حیدر۔۔۔ کتا بڈی کا آدمی نکلا۔۔۔ پیار اور عزت سے بتا دیا تھا۔ تحمل سے سمجھا دیا تھا کہ بھائی اصل کہانی یہ ہے۔ تم آئے تمہارا شکریہ، خدا حافظ۔ مگر اسے شرافت شاید راس نہیں، یا شاید ہمیں ڈھیلا سمجھ رہا ہے۔"

"یہ کیسی بات کر دی آپ نے تایا جی! ڈھیلا کن معنوں میں؟" ٹھنڈے مزاج جمیل نے بھی پہلو بدلا۔ ساجد چاچا نے بھی سرہلا کر یوں ظاہر کیا کہ جیسے انہیں بھائی کا جملہ بالکل نہیں بھایا اور بیٹے نے بالکل صحیح کہا ہے۔

"اول تو اسے پہلے چکر کے بعد آنا ہی نہیں چاہیے تھا اور چلو اگر آ گیا تو اتنا اندازہ ہی کر لیتا کہ جواب کیا ہو گا اور اگر اندازے لگانے کی حس نہیں تھی تو ہم تو واضح جواب دے رہے تھے نا۔ پہلے وہاں دفتر پہنچ گیا۔ میں نے پھر بھی عزت دی۔ بھائی صاحب طبیعت صاف کرنے والے تھے۔ میں نے ہی منع کیا کہ کیا اونچا بول کر بات اچھالوں مگر وہ۔۔۔ وہ امام مسجد سے ملا۔۔۔ اور انہیں بیچ میں شامل کر لیا کہ وہ ہمیں سمجھائے کہ گورے کالے کو ایک دوسرے پر سبقت حاصل نہیں اور۔۔۔" تاباں کے ابا نے غصے میں بولنا شروع کر دیا۔ یہ سوچے بنا کے بعض جملوں پر حد لگتی ہے اور اللہ ناراض ہو سکتا ہے۔

"لیکن ہوا کیا ہے؟" امی کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"کیا ہونا ہے۔" ابا نے اپنے غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے سگریٹ سلگایا اور طویل کش لے کر دھواں چھوڑا۔ گویا غصے کو نکالنے کے لیے ایک اور راہ دی۔

تایا جی نے مسجد میں پیش آنے والا سارا واقعہ بیان کیا۔

سب حیرانی سے سن رہے تھے اور تبصرے کر رہے تھے۔ اپنی اپنی رائے اور باہر کھڑی لڑکیاں سراسیمہ تھیں۔ یہ کون سی کہانی تھی اور کب ہوئی اور کس کا ذکر خیر تھا۔

"تم بلاؤ اس تسنیم کو۔ میں خود بات کروں گا اس سے ہمارے صبر کو نہ آزمائے۔۔۔ اور اپنی زبان میں سمجھا دے کیونکہ اگر ہم اپنی بولی بولنے پر آ گئے تو۔۔۔ پھر زندگی بھر کچھ اور سننے کے قابل نہیں رہیں گے وہ۔"

مردوں کے انداز میں آنے والی قطعیت اور سفاکی خواتین کو ہراساں کر گئی۔ ہراساں لڑکیاں بھی تھیں۔ مگر ان کے پاس بہت سے سوال تھے۔ معاملہ پکا تھا اور یہ کون لوگ تھے اور کس کے لیے، کب کیسے۔

"تم لوگ چلو۔" ماجدہ بولی۔ "میں معلومات کرتی ہوں۔" وہ سب سے سینئر تھی۔ مائیں دل ہلکا کیا کرتی تھیں اس کے آگے۔

✡ ✡ ✡

آپا تسنیم کو سخت سنائی گئیں اور ان کی ہمراہی میں اگلے دن تائی جی اور چچی جی کو روانہ کیا گیا کہ اس عورت کو سمجھا دیا جائے۔ کیوں اکلوتے بیٹے سے ہاتھ دھونے ہیں اور شرافت کو بزدلی نہ جانیں۔ ہم اپنی آئی پر آئے تو بڑھاپے میں وہ۔۔۔ وہ دکھ جھیلنے پڑیں گے (اولاد کا بھی۔۔۔ اور بیوگی کا بھی)

عین نکلتے وقت تایا جی نے ضوفشاں کو بھی ہمراہ کر دیا کہ گھر کی عورتوں کو گائیڈ کرتی رہے اور صحیح صورت حال معلوم بھی کرے اور آکر بتائے بھی۔

"اور ہاں نقاب مت کھولنا۔" ایک اور ضروری تنبیہہ کی گئی۔ وہ سرہلا کر پیچھے بھاگی تھی۔

اور واپسی پر ایک رپورٹ وہ تھی جو اس نے اپنے ابا۔۔۔ تایا، چاچو کو دی مگر ایک دوسری رپورٹ بھی تھی۔ جو جزئیات نگاری کا شاہکار تھی اور امی اور لڑکیوں کے لیے تھی۔ جو کرید کرید کر پوچھتی تھیں اور مزید سے مزید تر جاننے کی خواہش مند تھیں۔

بہت دن پہلے آنے والے بہت سے فروٹس اور آئس کریم کے پیک یہ سن کر کھائے گئے تھے کہ ابا کے کوئی دوست سالوں بعد ملنے آئے تھے۔ وہی لائے مگر آج ضوفی نے بتایا۔ وہ یہی فیملی تھی۔

ضوفی نے اس عالی شان گھر کے بارے میں بتایا۔ بہت باوقار خاتون انکل اور ان کا بیٹا۔

وہ اتنا خوب صورت اور دل کش نوجوان تھا کہ اسے دیکھ کر دیکھتے رہنے کی خواہش پل بھر کو بھی ہٹتی نہیں تھی۔ وہ انہیں اپنے گھر میں دیکھ کر حیران تھا۔ پھر جیسے اس پر شادیٔ مرگ طاری ہو گئی۔ وہ نہ جانے اس بات سے باعلم تھا کہ نہیں۔ وہ سب اس کے گھر کیوں آئی ہیں۔

مگر۔۔۔ وہ بولایا پھر رہا تھا کہ کیا کرے۔ اس کی خوشی اور ہڑبونگ ہر حرکت سے عیاں تھی۔ اس نے ٹیبل کو انواع و اقسام کی اشیائے خورد و نوش سے بھر دیا۔

وہ وہیں آکر بیٹھ گیا تھا۔ چاچی جی کے تلخ لہجے اور تائی جی کے سمجھانے والے معاملہ فہم انداز کو سن رہا تھا۔ جاذبہ کے چہرے پر پھیلی شرمندگی اور مایوسی اور معذرت۔۔ وہ سر جھکا کر سن رہی تھیں اور بیٹا مصر تھا کہ وہ کچھ تو کھانے کے لیے لیں۔ جبکہ وہ پانی بھی حرام سوچ کر گئی تھیں۔

جاذبہ نے معذرت قبول بھی کی اور ہاتھ جوڑ کر معذرت کر بھی لی کہ ان کی وجہ سے ان سب کو اتنی ذہنی اذیت سہنی پڑی اور ان شاء اللہ آئندہ انہیں شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔

☼ ☼ ☼

سب خواتین نے گھر کے مردوں کو آکر وہ سب اسی پیرائے میں بتایا جو وہ سننا چاہتے تھے۔ ہو بہو وہی الفاظ جو انہیں رٹوا کر گھر سے روانہ کیا گیا تھا۔

حقیقت میں تائی جی نے ایک بار تو بے حد ملتجی لہجے میں جاذبہ سے یہ تک کہہ دیا تھا کہ ان کی جانب سے مسلسل اصرار ان کے گھر کی بچیوں کے لیے زندگی کو تنگ کر دے گا۔ لہٰذا۔۔۔ اور شکستہ تاثرات کے ساتھ جاذبہ نے اس بات کو سمجھ لیا تھا۔

راوی نے اگلے ورق پر اب چین کا باب لکھنا تھا۔

سب ٹھیک ہو گیا جیسے۔

ہر بندہ اپنے کام سے لگ گیا۔

مگر ہاتھ کام کر رہے تھے۔ ذہن و دل میں ہلچل تھی۔ ایک پل کا سکون نہیں۔ ادھورے سوال نامکمل معلومات۔

سکون بھری رات میں کچھ لوگوں کی بے چینی حد سے سوا تھی۔

زاہدہ نے ہر جانب سے تسلی کے بعد ضوفشاں کا ہاتھ پکڑا۔ وہ ہونٹوں پر انگلی رکھ کے اسے لیے دبے قدموں اپنے کمرے کی جانب بڑھیں۔ سب رات میں مگن تھے۔ مگر ایک اور روح بھی بے چین تھی اور دبے قدموں اور بھینچے ہونٹوں کے تعاقب میں تھی۔ وہ کھڑکی سے لگ کر کھڑی تھی۔

زاہدہ کے پاس سوالوں کا ڈھیر تھا۔ وہ جواب کا انتظار کیے بغیر تواتر سے پوچھتی جا رہی تھیں۔ ضوفی کی نگاہیں ان کے پریشان چہرے پر ٹکی تھیں۔

"امی" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ وہ زیادہ بولنا نہیں چاہتی تھی۔

"گھر۔۔۔ شان دار جو ہر لڑکی کا بلکہ ہر ماں باپ کا خواب ہو۔ لوگوں کی عمریں لگ جاتی ہیں۔ ایسا خواب صحیح ترتیب سے آنکھوں میں سجاتے ہوئے ہی۔

ماں۔۔۔ باپ۔۔۔ زبردست۔ اور لڑکا۔۔۔" وہ قصداً رکی۔ "کیا کہوں؟ اگر لڑکی کو اختیار دے دیا جائے تاکہ چلو تم کو حق دیتے ہیں اور قوت کہ گھڑ لو اپنے لیے اپنی پسند کی صورت۔۔۔ کوئی قید نہیں۔ بناتی جاؤ۔ مٹاتی جاؤ، پھر دوبارہ نئے سرے سے، جب تک مطمئن نہ ہو، بناتی رہو۔ تب بھی، وہ اس لڑکے جیسے نہ بنا پائیں گی۔ جیسا کہ خوابوں کا شہزادہ اللہ نے بنا کر بھیج دیا تھا۔"

زاہدہ کو چپ لگ گئی تھی۔ وہ بہت دیر بعد بولنے کے قابل ہوئیں "تمہیں ایک بات بتاؤں۔ یہ سارا اصرار اور پسندیدگی لڑکے کی ماں کی طرف سے نہیں تھی۔" وہ دھماکا کرتے ہوئے بولیں۔

"تصویر دیکھ کر جاذبہ لٹو نہیں ہوئی تھیں۔" انہوں نے ٹھہر کر حلق تر کیا۔ "تصویر لڑکے نے دیکھی تھی۔"

"امی۔۔۔" ضوفی نے اپنا ہاتھ ان کے پیر پر رکھ کر تھپتھپایا۔

"باقیوں کا تو پتا نہیں ہے، مگر میں۔۔۔ میں نے لڑکے کو دیکھتے ہی جان لیا تھا۔ یہ سارا بکھیڑا اس کا پھیلایا ہوا ہے۔ اسی نے تاباں کی تصویر کو دیکھا اور۔۔۔"

"تمہیں کیسے خبر ہوئی؟" زاہدہ ہکلائیں۔

"دو آنکھیں ہیں امی۔۔۔ اور ان کا رہنما دماغ۔۔۔ جو بہت تیز چلتا ہے، یہ تو سامنے کی بات ہے کہ۔۔۔" وہ کچھ کہہ رہی تھی۔ امی ہمہ تن گوش تھیں۔

مگر دوسری جانب دیوار سے لگ کر کھڑی تاباں۔۔۔ دیوار ہی ہو گئی تھی یا چنی گئی تھی۔ اسے بار بار یہی شک ہوا تھا۔ مگر شک میں ہاں اور نہیں کی تکرار یکساں ہوتی

ہے۔

جبکہ یقین مستند ہوتا ہے۔

"وہ۔۔۔ شخص۔۔۔ اس کے لیے۔" اس نے اپنے چکراتے سر کو دیوار سے لگا کر لمبے سانس بھرنے کی کوشش کی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ مین گیٹ کی ایک ایسی آڑ کے پاس کھڑی تھی۔ جہاں سے باہر کی دنیا بہت دور تک نگاہوں کی حد میں آجاتی تھی۔ اس نے اس عرصے میں پلکیں جھپکنے کے دورانیے کو بھی قصداً" روک رکھا تھا کہ کچھ بھی اوجھل نہ رہ جائے۔ چاٹ مال والا بچہ اپنے ہم عمروں کے ساتھ خوش گپیوں میں مگن تھا۔ وہ سب اپنے مال کو سجا رہے تھے۔

وہ جب باہر نکلی تو ہاتھ میں پیسے تھے۔ وہ سیدھا اس بچے کے سر پر پہنچی جو گلا پھاڑ پھاڑ کر اپنے مال کو بیچنے کی سعی کر رہا تھا۔ اور وہ اتنا گھنا تھا یا پڑھایا ہوا اسے اپنے سامنے دیکھ کر ذرا نہ چونکا۔ "لے لو باجی۔ یہ ہنس اور ربر اور غبارے۔"

"دس دس روپے کی سب چیزیں ڈال دو۔" اس نے پچاس کا نوٹ اس کے سامنے کیا۔

"ہیں۔" بچے کی باچھیں چر گئیں۔

"کس کے لیے لے رہی ہو غبارے۔" کوئی اس کے پیچھے بولا۔

"اپنے بھائی کے لیے۔ کل اس نے ہوم ورک اچھا کیا تھا۔ میں نے وعدہ کیا تھا۔" اس نے مڑے بغیر جواب دیا تھا۔

"آپ کا بھائی خوش ہو جائے گا باجی!" بچہ تیزی سے تھیلی لہرا رہا تھا۔

"آج تک تم پیغام لاتے رہے ہو۔ آج ایک پیغام لے کر بھی جانا۔ صرف اتنا کہنا۔ لکا چھپی کا کھیل ختم ہوا۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے جاذب سلطان!"

پکا بچہ پہلی بار بری طرح چونکا تھا اور چار ماہ کی کہانی چہرے پر پھر گئی۔ تھی وہ تھیلی لے کر اس میں گم ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

آئینے نے کبھی جھوٹ نہیں کہا تھا۔ اس نے تاباں مجاہد کو دیکھ کر ہمیشہ سراہا ہی تھا۔ اگر جو وہ قوت گویائی رکھتا تو ایک آدھ غزل بھی کہہ دیتا۔ اشعار بھی۔ آنکھوں پر۔ ہونٹوں پر۔ نزاکت پر۔ لطافت پر۔ عارض ور خسار کو گلابوں سے ملاتا۔ قامت کو قیامت کہتا جو ہر بار دیکھنے پر نئے سرے سے دل پر پڑتی تھی۔

تاباں مجاہد کی خود شناسی کا عالم کیا خوب تھا کہ وہ خود کو جانچنے کے لیے نہ تو آئینے پر یقین رکھتی تھی، نہ کسی دوسرے کی آنکھ میں آنے والی ستائش کو تولتی تھی۔

وہ بخوبی جانتی تھی۔ آئینہ الٹا عکس دکھاتا ہے اور اکثر ناک چڑھی دکھائی دیتی ہے اور کسی دوسرے کی آنکھ جتنی مرضی سحر زدہ رہ جائے مگر چھوڑ دیتی ہے۔

وہ خود کو فاتح مانتی تھی اور ارد گرد سے بے نیاز چلتی تھی۔

وہ جانتی تھی۔ وہ ساحرہ ہے اور دنیا کو مسحور ہونا ہے۔ یہ حق ہے اس کا کہ اسے دیکھ کر ششدر ہوا جائے۔

مگر کیا ایسا ہی ہوا ہو گا کہ کوئی اجنبی اسے اس سے زیادہ جان لے گا اور وہ بھی فقط تصویر دیکھ کر۔ اس نے پاگلوں کی طرح اپنا البم ٹٹولا تھا۔ بہت جلد اس نے جان لیا کہ برستے پھولوں والی بے پناہ آرٹسٹک انداز میں کھینچی جانے والی تصویر غائب ہے۔

لیکن اس کے پاس تو اس سے بھی زیادہ خوب صورت تصاویر تھیں۔

اگر وہ ان میں سے کسی کو دیکھ لیتا تو۔

اور کیا فقط تصویر دیکھ کر کوئی اتنا پاگل ہو سکتا ہے کہ ایسے الفاظ لکھ بھیجے جو زمین کے نہ لگتے ہوں۔ بار بار پڑھنے پر بھی سمجھ میں نہ آتے ہوں۔

وہ قسم کھا سکتی تھی کہ اس نے اسے کبھی روبرو نہیں دیکھا۔ وہ خوف زدہ ہوئی۔ اگر وہ اسے روبرو دیکھ لے تو پھر کیا کہے گا؟

پہلی نگاہ عموماً" بے تاثر ہوتی ہے یا پر تکلف بناوٹی

ہوتی ہے۔ پھر مقابل کے لب کھلتے ہیں اور دھیرے دھیرے شخصیت کی پرتیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ تب تاثر مکمل ہوتا ہے اور فیصلہ صادر۔

ایسے ہوا میں تیر کون چلاتا ہے۔ وہ رات کے اندھیرے میں سر پکڑے بیٹھی تھی لیکن انجان تھی۔

ایسا ہی جانے انجانے میں چلایا جانے والا تیر۔ جاذب سلطان کے سینے میں عین دل کے مقام پر گڑ گیا تھا۔ بھل بھل کرتا خون۔ اور تکلیف انتہا کی۔ مسیحائی کی صورت؟

کوئی نہیں۔

☼ ☼ ☼

تاج ہاؤس میں تینوں دیورانیوں جٹھانیوں کا خوب گٹھ جوڑ تھا۔ سب کام اکٹھے سرانجام دیا کرتی تھیں۔ مائدہ مشاہد اور تاباں مجاہد ایک ہی گھر کے اوپر نیچے والے پورشن میں رہائش پذیر تھیں جبکہ چھوٹے چاچو ساجد کی فیملی کے لیے ساتھ والا پلاٹ خرید کر علیحدہ سے گھر تعمیر کیا گیا تھا۔ ساجدہ کے نکاح سے پہلے ایک اندرونی راستہ تھا مگر بعد میں اسے بند کردیا گیا۔ اب صرف باہر لان سے گھر ایک تھا۔ چاچی جی گھر علیحدہ ہونے کی بنا پر اور کچھ مزاجاً "بڑی دو بھابھیوں سے ذرا الگ دکھائی دیتیں، مگر یہ اہل خانہ کی رائے تھی۔ باہر والوں کے لیے سب ایک تھیں۔ ایک ساتھ بازار جاتیں، لباس بھی ایک جیسے خریدتیں، کہیں خوشی غمی میں جانا ہوتا تو تب بھی اکٹھے ہی۔

صبح کا ناشتے سے فراغت کے بعد یا تو کامن میں براجمان ہو جاتیں اور جس کو جو بھی قابل سرزنش بات لگتی، سارے گھر میں اس کی آواز گونجتی ورنہ ہوا دار بیرونی کمرہ تو مسکن تھا ہی۔

اول تو میاؤں کی منشا بنا ایک پتا بھی نہ ہلتا تھا مگر جو چھوٹی موٹی اپنی چلائی ہوتی تو دزدیدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے فیصلے بھی صادر کردیتیں۔ رازداری کی پکی شرط کے ہمراہ۔

مگر۔ زاہدہ کو اس بار دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے جٹھانی اور دیورانی دونوں کے کندھے انتہائی ناقابل اعتبار لگے۔ وہ عام طور پر شادی شدہ بیٹیوں کو فون کرکے بلوایا نہیں کرتی تھیں، مگر اس بار کہہ بیٹھیں۔ "اگر فرصت ہو تو ایک رات کے لیے آجاؤ۔"

بیٹیاں سگی بہن کی بہویں تھیں۔ دونوں بیٹیاں افشاں اور نازاں اگلے دن بچوں کے ہمراہ حاضر تھیں۔

رات گئے سب تھکے ٹوٹے اپنے بستروں میں گئے۔ تب زاہدہ نے دھیرے سے افشاں کا ہاتھ تھاما اور نازاں کو آنکھ سے اشارہ کرتے کمرے کی جانب بڑھیں۔ ضوفشاں پہلے ہی چائے کے کپ لیے موجود تھی۔

جس تھکان کو سارا دن مصروفیات کا چولا پہنا رکھا تھا، وہ اتار کر پھینکا تو اندر سے اور ہی صورت کی زاہدہ برآمد ہوئیں۔

اداس، پریشان، بے بس، ناکام اور بہت بوڑھی سی غم زدہ۔

آغاز سے اختتام تک تفصیل سے سنانے میں جہاں ضوفشاں کے جبڑے دکھ گئے۔ وہیں ان دونوں کے چہرے تحیر سے بگڑ گئے تھے۔ اور یہ سن کر تو باقاعدہ خوف زدگی پھیل گئی کہ یہ سارا کھیل لڑکے کی ایماء پر رچایا جارہا ہے۔

"کیا ابا لوگ جانتے ہیں کہ لڑکے نے ہی یہ سارا زور ڈلوایا اور۔" افشاں کی آواز مدھم ہوگئی۔

"توبہ کرو۔" امی نے جھرجھری کی۔

"تو آپ کو کیسے پتا چلا کہ۔" نازاں بمشکل بولی۔

"چل گیا پتا۔" ضوفی نے اکتاہٹ آمیز لہجے میں کہا۔ "جیسا وہ لڑکا ہے ناں۔ لوگ گھر آکر اپنی چاندنیاں، چکوریاں چھوڑ جائیں۔ مائیں اپنے بیٹوں کی قیمت سے واقف ہوتی ہیں اور بیٹا بھی جاذب سلطان جیسا۔ ان آنٹی کے اپنے دل کا اصرار ہوتا ناں تو ہماری جانب کے ایک بار ہو نہ پر تھو کرکے چل پڑتیں۔ مڑ کر بھی نہ دیکھتیں۔ مگر ان کا بار بار کا اصرار، منت اور چکر پہ چکر اور بات کرتے ہوئے آواز اور آنکھ کا بھیگ جانا صاف بتاتا ہے۔ کتنی مجبور ہیں اور بیٹے کو من پسند چیز لادینے کا کتنا جنون رکھتی ہیں۔"

"کیا بہت ہی اچھا لڑکا ہے۔" افشاں کی آواز کھوئی کھوئی سی تھی۔

زاہدہ نے ٹھنڈے سانس لے کر بیڈ کی پشت سے ٹیک لگالی۔

ضوفی نے بھی ٹھنڈی سانس بھری اور یخ چائے کے کپوں کو گھورنے لگی۔

"بعض اوقات زندگی ٹھنڈی چائے کا کپ بن جاتی ہے بدرنگ، بدذائقہ اور اوپر جمی بدشکل موٹی تہہ۔"

کہنے کو وہ دونوں بہت صحیح عمر میں سگی خالہ کے گھر بیاہی گئی تھیں۔ عمر کا جوڑ تھا مگر معمولی صورت شکل اور یہ ملائی جیسی لڑکیاں۔

خالو کے نام کی کمائی عزت کا منافع اولاد دونوں ہاتھوں سے اڑاتی تھی۔ چار لوگ سلام کرنے آتے تھے۔ گلی میں آسمان چڑھی بلڈنگ ملکیت تھی۔ سو لوگ سر اٹھا کر دیکھتے تھے۔

صاف کلف لگے کپڑے پہن کر مرد گھر سے باہر جاتے تھے تو کمی کمین راستہ چھوڑ دیتے۔ چہروں پر شرافت نجابت تھی۔ جو ابا کے نزدیک پلس پوائنٹ تھی۔

ایک اچھی تصویر۔

مگر تصویر کا دوسرا رخ دوسری ہی طرح کا تھا۔ بلڈنگ کے نچلے پورشنز کرائے پر چڑھے تھے۔ آخری پورشن اور چھت ان کے مصرف میں تھی۔ آمدنی محدود تھی اور سیدھی خالہ کے ہاتھوں میں، وہ تھوڑی رقم کی تقسیم میں پریشان رہتیں اور انہیں ہلکان رکھتیں۔ سب سے مشکل کام سفید پوشی کا بھرم تھا۔ دنیا کے سامنے سب اچھا کی تصویر پیش کرنا ہوتی تھی۔ اور یہ اتنا مشکل کام تھا کہ بس۔

دونوں کے شوہروں میں آگے بڑھنے کا جذبہ نہیں تھا۔ وہ صبح و شام جو کام کرسکتے تھے۔ کرلیتے اور بعد میں جرگے سجائے لوگوں کے مسائل حل کرتے۔

دونوں کے میکے میں ان کے باپ تایا کی بھی ایسی ہی مصروفیات تھیں مگر وہاں رزق کی فراوانی تھی اور آسائش تھی۔ سو یہ سب چیزیں بری معلوم نہیں ہوتی تھیں بلکہ فخر محسوس ہوتا کہ ان کے ابا وغیرہ کی اتنی عزت اور اہمیت ہے۔ مگر یہاں۔

نازاں کے تین بچے تھے۔ گھر بہت چھوٹا لگنے لگا تھا۔ اگر نچلا پورشن خالی کروا کر بچوں کے لیے کمرا سیٹ ہو جائے اور ایک اچھا مہمان خانہ۔

وہ پھول بوٹوں والے لان سے اٹھ کر ڈیل ڈیکر بس جیسے گھر میں اب تک ایڈجسٹ نہ کرپائی تھی۔

ابا نے صرف سگا رشتہ دار دیکھا ہر شے سے نظریں پھیر کر۔ افشاں کو شوہر کی صورت پسند نہیں آئی تھی مگر بس اس پر امی نے کہا تھا مرد کی صورت کون دیکھتا ہے؟ وہ کہہ نہ سکی۔ مگر بیوی تو دیکھتی ہے ناں۔

اور نازاں تھی۔ چھوٹے سے گھر میں اس کا دم گھٹتا تھا۔ وہ میکے آتی تو صبح کی پہلی کرن کے ساتھ لان میں نکل آتی اور رات گئے اندر بستر میں جاتی۔

"امی! اب ان باتوں کا کیا مقصد۔ وہ سونے کا بھی ہو تو بے کار ہے ناں۔" افشاں بولی تھی۔

"آپ نے صدمہ کس چیز کا لگالیا۔ اور تاباں کو تو اس سب کی خبر نہیں ہے ناں؟" نازاں کو خیال آیا۔

"تاباں کو اتنی تفصیلی خبر نہیں ہے اور صدمہ اس چیز کا لگ گیا کہ اب اس سے کم پر دل راضی نہ ہوگا اور اس جیسا ملے گا نہیں۔ مجھے تو بس دل ہلکا کرنا تھا تم لوگوں سے۔ الٹا تم لوگوں کو پریشان کردیا۔"

بیٹیوں کے آزردہ چہروں پر نگاہ پڑی تو زاہدہ کو شرمندگی نے گھیرا۔

"آپ شرمندہ نہ ہوں امی! بھاری دل دنیا میں سب سے بڑھ کر تکلیف دیتا ہے۔ کون دیکھ رہا ہے کہ آپ رو رہی ہیں یا ہم رو رہے ہیں۔ اللہ سب کے لیے اچھا کرے گا اور تاباں کے لیے بھی۔ وہ آپ کی بیٹی ہونے سے پہلے اللہ کی بندی بھی تو ہے ناں۔"

☼ ☼ ☼
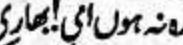
اتنے دنوں سے مچی ہل چل جیسے سکون پا گئی۔ زندگی دوبارہ رواں دواں۔ وہی صبح و شام۔ یہ سب یوں لگتا جیسے ساکت جھیل کے پانی میں کنکر پھینکا۔ اچھلا

دائرے پھیلے۔ پھر واپس سکڑے اور معدوم ہو گئے۔ جھیل ایک بار پھر ساکت تھی۔ شانت پر سکون۔ پانی پر دائرے نشان نہیں چھوڑتے۔ کوئی ثبوت نہیں۔

مگر۔

مگر۔

تہہ میں پڑا کنکر اور دل پر پڑا بوجھ۔

تاباں کو سانس مشکل سے آتی تھی۔

اس کے جوابی پیام کے بعد چھوٹی سی چٹ پر ایک جملہ لکھا ہوا آیا تھا۔

اور اس کے بعد سے چائنا مال والا بچہ خاموش ہو گیا تھا۔ وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر چیزیں بیچتا۔ وہ کئی بار اس کے پاس ٹھہری تھی کہ وہ کچھ کہے۔ کوئی اشارہ کوئی پیام یا چلو شناسائی کی لہر ہی آنکھوں میں دوڑ جائے تو اس کا دل تسلی پا جائے۔

تاباں کے پاس وہ تمام خط محفوظ رکھے تھے۔ پہلے حیرت تھی کہ کوئی اسے خط لکھ سکتا ہے۔

اور اب بے یقینی کہ کوئی اسے ایسے خط لکھ سکتا ہے۔

وہ اس چٹ پر لکھے آخری پیام کو پڑھتی۔

"تم نے صرف میرا نام پہچانا' کاش تم مجھے پہچان پاتیں۔"

کیسے پہچان پاتی؟ روڈ پر کھڑے ہر انسان کو تو دیکھا تھا۔ ہر حلیے شکل کو۔ اچھے کو برے کو۔

"میں ذی ہوش انسان ہوں۔ مادی دنیا کے تمام لوازمات پورے کرتا ہوں۔ خریداری کرنے جاتا ہوں تو چند روپوں کی بچت کے لیے دکاندار سے بحث کرتا ہوں۔

کبھی دوستوں کے ساتھ ہلڑ مچانا ہو تو یا یونہی موج مستی کا موڈ بن جائے۔ تو بھوسے کے ٹرک کے اوپر جست بھر کے چھلانگیں مارتا چڑھ جاتا ہوں اور اونچی آواز میں تانیں اڑاتے ہر شے کو بھول جاتا ہوں۔

کلاس روم میں دلائل دیتے ہوں تو سب کو پچھاڑ دیتا ہوں۔

دروازے پر آئے جمعدار سے جھگڑا پڑتا ہوں کہ وہ کچرا کونوں کھدروں میں کیوں چھوڑ جاتا ہے۔

اور ان سب بے حد عملی اقدامات کے بیچ تم دھیان کے در پر دستک دو تو۔ تو۔

اب کیا بتاؤں۔ تم سے یقین کرنے کی کیا درخواست کروں۔ جب کہ مجھے خود یقین نہیں آتا۔

یا ٹھٹک جاتا ہوں۔ یا ساکت ہو جاتا ہوں پھر نجانے کتنے پل بیت جاتے ہیں۔ تم کیفیت لگتی ہو جو طاری ہو جاتی ہے۔

جیسے شاعر جب کاغذ قلم لے کر بیٹھتا ہے تو مادی دنیا سے روحانی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ وجود نظر آتا ہے۔ باطن غائب۔

تم میری زندگی کے ان لمحات کی طرح ہو جن کے گزرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے اب کتنے کم رہ گئے۔ کہاں گئے؟

شاعر آفاقی لفظوں کو جملے میں ڈھال کر ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔

آسمانی حرفوں کو زمینی لباس پھر سے حاضر ہو جاتا۔

مجھے لگتا ہے تم اور تمہارا دھیان چولا ہے جسے اتار کر میں جاذب سلطان بن جاتا ہوں۔ پہنا رہوں تو مجذوب کہلاؤں؟"

"پھر اتنی لفاظی کے بعد اب تم کہاں غائب ہو گئے۔ یہ عشق تھا کہ اشک۔ جو دھمکی کی ذرا سی دھونی سے آنکھ سے بہہ کر لڑھک گیا؟"

تاباں نے سوچا۔ امی اور ضوفی کی گفتگو سے اس نے جاذب سلطان کے گھر کا اندازہ لگایا تھا۔ علاقہ۔ محلہ۔ وہ ہمت کرے اور جا کر صبح سویرے کھڑی ہو جائے اور جاذب سلطان کے نکلنے کا انتظار کرے۔ ایک بار دیکھ تو لے۔ بس ایک بار۔

"یہ تو بے ایمانی ہوئی ناں جاذب سلطان!" اس نے کہنی میز پر ٹکائی اور ہتھیلی کی کٹوری میں گال کو رکھ کر گردن ڈھلکا دی۔ دوسرے ہاتھ کی انگلی سے وہ ورق پر انگلی پھیر رہی تھی۔

پیپرز سر پر آ گئے تھے۔ ضوفی جیسے پڑھاکو بوریا بستر سمیٹ کر گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ وہ بھی کبھی کبھار

ضوفی کے پیچھے پڑھنے اسی کمرے میں آجاتی۔ لیکن اب نصاب میں جی نہیں لگتا تھا۔ دل کسی اور ہی کتاب کا سبق پڑھتا تھا۔

کاش میں کسی سے تمہاری شکایت کر سکتی۔

کتنے دن گزرے اب کوئی رابطہ نہیں تھا۔ کلاسز آف ہونے کے بعد کالج جانا بند تھا۔ تیاری کی چھٹیاں۔ شاید وہ آتا ہو لیکن نہیں' وہ جتنا باخبر تھا تو جانتا ہی ہو گا کہ۔

لیکن۔ اس کے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔ وہ گھر جانتا تو ہے۔

ضوفی کے ہلکی سی کروٹ بدلنے پر وہ چونکی۔ اس کے سینے پر کتاب دھری تھی۔ جو دھم سے زمین بوس ہو گئی تھی۔ وہ دبے قدموں اٹھی کتاب اٹھا کر ضوفی کے پیروں پر پڑی چادر صحیح طرح سے اوڑھا دی۔ اب وہ زیادہ محتاط روی سے رقعوں کے پلندے کو سنبھال رہی تھی۔

اگر جو کسی کو اس راز میں شریک کرلوں' مگر کہوں گی کیا؟ کیا ضوفی کو بتا دوں؟ مگر ضوفی' وہ اس کا سر پھاڑ دے گی' ورنہ اپنا تو پھاڑ ہی لے گی۔

وہ اسے اتنی باتیں سنائے گی کہ وہ شاید آئندہ کے لیے قوت سماعت ہی سے محروم ہو جائے۔

اس نے رقعے لیے ہی کیوں اور اس نے اسے جتایا کیوں نہیں۔ وہ حلق کے بل چیخے گی اور اس چائنا مال والے بچے کے تو دو کان کے نیچے دیتی تو سب اگل دیتا۔

اور پھر جب سارا بھید کھل گیا ہے تو وہ اب تک ان خطوں کو گلے سے کیوں لگائے ہوئے ہے۔ پھاڑ کے پھینک کیوں نہ دیے۔

اور بس۔

تاباں کے پاس اس آخری سوال کا جواب نہیں تھا اور ضوفی۔ ضوفی تو پہلے مرحلے ہی پر سب پرزہ پرزہ کر دیتی۔

سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے تاباں مجاہد۔ تم نے۔ ارے اللہ۔

اور یہیں تاباں کے پاس فقط سر جھکا لینے کے کچھ نہیں تھا۔

وہ سنتی اور دیکھتی رہی تھی۔ جب سے ہوش سنبھالا اور چیزوں کو دیکھنا سمجھنا شروع کیا۔ اس کے خاندان کا یہی چلن تھا۔ اپنے دائرے میں مقید لوگ۔ اسکول' کالجوں' محلوں میں دیکھ کر آ ہی جایا کرتے تھے لوگ دست سوال دراز کر کے۔ اور ان سے ہمیشہ سبھاؤ سے معذرت کر لی جاتی تھی۔ لڑکیاں تو لڑکیاں۔ لڑکے بھی پاسداری کرتے تھے۔

ہاں کبھی کوئی مثال اگر دور پار سے تھی بھی تو۔ وہ کسی لڑکے ہی کی جرات یا ہٹ دھرمی کی تھی مگر لڑکیاں۔ وہ گھر بیٹھی رہ سکتی تھیں۔ دگنی عمر کے مردوں سے بیاہی جا سکتی تھیں۔ بے جوڑ رشتے جوڑ لیے جاتے۔ مگر۔ اپنی بات سے انچ پیچھے نہ ہٹتے۔

مگر۔ اس تاباں والے معاملے میں ذرا سے اصرار کے بعد کی خاموشی اور پیچھے ہٹ جانا کوئی حیرانی نہ تھی۔ مگر دوسری طرف جو تاباں مجاہد کے ساتھ ہوا' وہ بھی تو کبھی نہیں ہوا۔

وہ کیسے ہضم کرے اس سب کو۔ کیا ہو گا اس کا۔ کیا کرے وہ ان کاغذوں کا پھاڑ پھینک دے؟ جلا دے؟ دریا میں ڈال دے؟

مگر ان پر سے لفظ جو دل پر نقش ہو گئے تھے۔ کیا انہیں کھرچ سکتی ہے؟

"تم کہاں چلے گئے جاذب سلطان؟"

☼ ☼ ☼

ضوفشاں کا رنگ فق تھا' حلق خشک۔ اسے معدے میں گرہیں پڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ بار بار خشک لبوں پر زبان پھیرتی تھی۔ کوئی ہمدردی' کوئی ڈھارس' نصیحت اثر نہ کرتی تھی۔

وہ مسلسل زیر لب کچھ پڑھنا شروع کر دیتی' مگر اس میں بھی اٹک کر دوبارہ شروع کرتی۔

"یہ دم کیا ہوا پانی۔ بسم اللہ کر کے پی لو۔ ابھی افاقہ ہو گا۔" تائی جی نے گلاس بڑھایا۔ ضوفی کے بے رنگ

چہرے پر قرار سا پھیلا۔
سارے اہل خانہ اسے دیکھ رہے تھے۔ بعض فکر مندی سے۔۔۔ بعض کو گدگدی ہو رہی تھی اور بعض بے فکر تھے۔ ہر بار ایسا ہی ہوتا تھا۔ جیسے جیسے امتحان کے دن نزدیک آتے۔ ضوفی اپنا اعتماد کھوتی جاتی' اسے لگتا اسے کچھ یاد نہیں رہے گا یا وہ چکر کھا کر گر جائے گی۔ دن رات جاگ جاگ کر پڑھتی' بمشکل آنکھ لگتی تو اس میں بھی اسے عجیب و غریب خواب آتے۔ جیسے ابھی کی بدحالی کا سبب یہ تھا کہ ایک تو آج پہلا پیپر تھا۔ دوسرا اس نے خواب دیکھا کہ اس نے تو بہت شان دار پیپر دیا لیکن جب ٹیچر پیپرز اکٹھے کرکے لے جا رہی تھی تو۔۔۔ پانی کا بھرا جگ اس کی کاپی پر الٹ گیا اور اس کا لکھا ہر حرف مٹ گیا۔ خواب میں وہ صدمے سے بے ہوش ہو گئی تھی۔
اور حقیقت میں چیخ مار کے بیدار۔۔۔ تب سے سارا گھر تسلی کے لیے اکٹھا تھا مگر اسے ایک پل کا قرار نہیں۔
تایا ابا نے اس کی حالت دیکھی تو مولانا صاحب سے ایک تعویذ لا کر بھی دے دیا۔
پانی پی کر قرار ملا۔ مجاہد تاج اسی کو دیکھ رہے تھے۔
ان کی سب بیٹیوں میں سب سے بااعتماد' بہادر' دو ٹوک' سچی' ستھری بیٹی۔۔۔ مگر یہ تو اس کا بچپن کا وتیرہ تھا۔ اس بار اس کی حالت بہت بری تھی شاید اس لیے کہ یہ امتحان اس کے میڈیکل میں داخلے کے لیے اہم ترین تھا۔
"میں تمہیں پاس کروا دوں گا' میری بڑی اوپر تک جان پہچان ہے۔" تایا جی نے کہا۔
"نمبروں کی فکر مت کرو۔ میں تمہیں سیلف فنانس پر پڑھا سکتا ہوں۔" ابا نے بھی تسلی دی۔
اس نے دونوں کو کڑے تیوروں سے گھورا۔
"ابا! میں عزت اور آن سے جینا پسند کرتی ہوں۔ کوئی مجھ پر انگلی اٹھائے ہی کیوں؟ میں انگلی نہیں توڑوں گی' پورا ہاتھ ہی جڑ سے الگ کر دوں گی۔"
"بہت خوب۔۔۔" دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ انوکھی بچی پیدا کی تھی۔ زاہدہ کے چہرے پر بھی مسکان آ گئی۔
"امی! مجھے الٹی آ رہی ہے۔" ضوفی یک دم واش روم کی سمت بھاگی۔
"امی! آج آپ مجھے چھوڑنے چلیں۔۔۔ بلکہ جب تک میں پیپر دیتی رہوں' وہیں بیٹھ کر وظیفہ کرتی رہیں۔" منہ خشک کرکے آتے ہوئے اس نے نئی فرمائش جڑ دی۔
"میں؟" زاہدہ نے سب کو دیکھا۔ مجاہد تاج نے پل بھر سوچا اور اثبات میں سر ہلا کر اجازت دے دی۔
"آپ کپڑے وغیرہ نہ بدلیں۔ بس چادر لیں اور آ جائیں۔ وین والا بھی سارے شہر سے لڑکیاں لے کر امتحانی مرکز تک لے کر جائے گا۔ میرا سر تو اس سفر ہی میں پھٹ پڑے گا۔" وہ اب گاؤن پہن رہی تھی۔
"بس دو منٹ۔۔۔ ٹھہرو۔" زاہدہ اندر بھاگیں۔
"ابھی تک تو وین آئی ہی نہیں ہے۔" اس نے وال کلاک دیکھ کر نئی پریشانی سر پر سوار کی۔ طلائی گھڑی پر بھی نگاہ دوڑائی۔ چہرے پر تفکرات کا جال بچھ گیا۔ رنگ پھر اڑ گیا۔ دھپ سے صوفے پر بیٹھی۔ اب وہ اپنے بیگ' کتابوں کو گھور رہی تھی۔
مجاہد تاج کو صبح سے مچائی گئی اس تھرتھلی پر ہنسی آ گئی۔ ساتھ ہی بیٹی پر ترس۔۔۔ پیپر تاباں کے بھی ہو رہے تھے۔ وہ آرٹس کی لڑکی تھی۔ اگر رات گئے پڑھتی تھی تو سب کے سر احسان چڑھاتی۔ صبح دیر گئے تک سوئی بھی رہتی۔ انہیں بیٹی کے ڈاکٹری کے جنون کی خبر تو بچپن ہی سے تھی۔ اپنی ساری گڑیوں کو انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں ہی داخل رکھا کرتی تھی۔ بلکہ جب گڑیوں سے دل بھر جاتا تو گھر کا جو بندہ ہاتھ لگ جاتا اس کے منہ میں تھرمامیٹر ڈال دیتی۔ فری میں گھر بھر کا بی پی چیک اپ تو بار بار ہوتا ہی۔۔۔ اسٹیتھو سکوپ کان میں اتنی دیر رہتا تھا کہ کان۔۔۔ سرخ ہو جاتا۔
خود انہیں بھی کئی بار انجکشن لگوانا پڑا تھا۔
لیکن انہیں اب یقین آ گیا کہ وہ کتنی جنونی تھی اپنے شوق کے ہاتھوں۔۔۔ سنجیدہ قطعی۔

انہوں نے پرسوچ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ جو تیزی سے ورق پلٹتے ہوئے کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ ساتھ ہی گھڑی دیکھ لیتی۔ کبھی اندرونی کمرے کی طرف جہاں زاہدہ گئی تھیں۔
مجاہد تاج کی نگاہ بڑے بھائی مشاہد تاج پر گئیں تو وہ بھی اسی نہج پر سوچ رہے تھے۔ انہوں نے ضوفشاں کی بات پر کبھی سنجیدہ جواب نہیں دیا تھا۔ سن کر بس سر ہلایا تھا کہ وہ ڈاکٹر بننا چاہتی ہے۔۔۔ مگر۔۔۔
"کوئی مضائقہ نہیں۔" چشمے کے شیشے صاف کرکے آنکھوں پر چڑھاتے ہوئے وہ مسکرا دیے تھے۔
"چھوڑو تم گاڑی والے کو۔۔۔ میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔۔۔ بلکہ روز ہی چھوڑ دوں گا۔ جب تک پیپرز ہو رہے ہیں' لے بھی لوں گا۔" وہ موبائل اور چابی اٹھا کر بولے۔
"جی۔۔۔" ضوفی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔
"بند کرو اپنا منہ۔۔۔ اور آواز دو اپنی ماں کو۔۔۔ اب دیر نہیں ہو رہی ہے۔" وہ دبنگ لہجے میں بولے۔

☼ ☼ ☼

مجاہد تاج کو اپنی غلط فہمی کی تصحیح کرنا پڑی۔ زندگی میں پہلی بار وہ اس طرح کا کوئی کام کرنے جا رہے تھے۔ ضوفی کا امتحانی مرکز گھر سے بہت دور شہر کے دوسرے کونے میں تھا۔ دوسرے اس نے اپنی ایک عزیز از جان دوست کو بھی ہمراہ لے کر جانا ہوتا تھا جو اپنے کالج کے گیٹ پر اس کا انتظار کر رہی ہوتی تھی۔
مجاہد تاج نے دیکھا کہ شاید ہزاروں کی تعداد میں لڑکیاں تھیں۔ رنگ برنگی ہر طرح کی شکل و صورت اور حلیوں کے مالک۔۔۔ متفکر چہرے۔۔۔ تیز قدم۔۔۔ گردوپیش سے انجان رٹے لگاتی۔ کچھ ایسی جو آنے والے کڑے وقت پر لعنت بھیج کر خوش گپیوں میں مصروف رہتی تھیں۔ ایک ان کی بیٹی تھی۔ ہل ہل کر انگلش کے ناقابل فہم سائنسی ناموں کے رٹے لگاتی۔
ان کا خیال تھا کہ وہ اکیلے ہی ہیں جو یہ عظیم کام کرنے لگے ہیں کہ اپنی بیٹی کو پک اینڈ ڈراپ کی سہولت دے رہے ہیں۔ مگر نہیں۔۔۔ یہاں ہر عمر کے لوگ تھے۔۔۔ مائیں۔۔۔ بہنیں۔۔۔ بھائی۔۔۔ باپ۔۔۔ دادا۔۔۔ نانا تک بچیوں کو چھوڑنے آ رہے تھے اور وہ خود تو چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ یہاں کئی تھے' جو پورا وقت گیٹ کے باہر ہی کھڑے رہتے۔
پانچ بچوں کے باپ ہونے کے باوجود زندگی میں پہلی بار وہ اس قسم کی مصروفیت میں گھرے تھے۔
ادھر تاباں کا امتحانی مرکز گھر سے نزدیک تھا اور پیپرز کے دن بھی الگ تھے۔ وہ ضوفی جیسی قطعی نہیں تھی۔ پیپرز ہیں تو کیا؟ پاس ہی ہونا ہے نا ہو جائیں گے۔
تاباں مزے سے وین میں سوار ہو کر جاتی۔
ضوفی کے پیپرز کے اختتام سے دو پیپر پہلے تاباں فارغ ہو گئی۔ تو زاہدہ کی جگہ وہ ساتھ جانے لگی۔ ضوفی کا ہر پیپر میں حال' بے حال ہی ہو جایا کرتا تھا۔
"السلام علیکم ابا!" یہ بھرپور آواز ضوفی کی تھی۔
"السلام علیکم ابا!" دوسری چہکتی آواز تاباں کی۔
مجاہد تاج اپنی شان دار گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھے۔ دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر دھرے تھے۔ سورج ونڈ اسکرین کے اوپر سیدھا پڑتا تھا۔ مجاہد تاج کا نظر کا چشمہ۔۔۔
"تمہاری سہیلی کہاں ہے؟"
"آج آخری پیپر تھا نا ابا۔۔۔ وہ اپنے بہن' بھائیوں کے لیے رول' سموسے خرید رہی ہے۔ اتنے مزے کے سموسے ملتے ہیں ابا! اس کالج کی کینٹین سے کہ بس۔۔۔"
ضوفی نے تفصیلی جواب دیا۔ یہ پہلا دن تھا کہ اس نے پیپرز کے علاوہ ایک علیحدہ طویل جملہ کہا تھا۔ وہ جاتے وقت ورق پلٹ پلٹ کر رٹے لگاتی تھی۔ ہر سوال ہی اہم لگتا اور واپسی میں دیکھتی۔ آیا صحیح کرکے آئی ہے یا نہیں۔ ابھی بھی یہی مصروفیت تھی۔
"تو تم بھی لے لیتیں۔" ابا بیک ویو مرر میں اسے دیکھ رہے تھے۔
"میں نے تو پہلے ہی خرید لیے ابا۔۔۔ کل کھا کر جب گھر میں تعریف کی تو سب نے کہا' لے کر آنا۔" تاباں

نے ایک بڑا شاپر اٹھا کر دکھایا۔

"اتنا تو رش لگ جاتا ہے، چھٹی ہوتے ہی۔۔۔ جگہ ہی نہیں ملتی رش میں گھسنے کی، سموسے کیا خاک ملنے تھے۔" تاباں نے جوشیلے لہجے میں بتایا۔ ساتھ ہی ایک چاکلیٹ کا ریپر کھولا۔ ایمان داری سے دو حصے کیے۔ ایک ضوفی کی جانب بڑھایا۔ دوسرا اپنے نقاب کے اندر ہاتھ ڈال کر منہ میں رکھ لیا۔

ضوفی کی دوست ہانپتی کانپتی اجڑے حلیے میں آگئی تھی۔ السلام علیکم انکل کہہ کر سیٹ پر گر گئی۔ وہ اپنا عبایا اور نقاب، جو اجڑ گیا تھا، اسے سیٹ کر رہی تھی۔

"تو تم مجھے کہہ دیتیں، جب میں نے اپنے لیے، لیے تو تمہارے بھی لے لیتی۔" تاباں بولی۔

"بس۔۔۔ ذہن سے نکل گیا۔"

"ابا! اب چلائیے نا گاڑی۔۔۔ آپ اب تک کیوں رکے ہوئے ہیں۔" سیٹ ہو کر بیٹھے، جب دیر گزری تو ضوفی نے چونک کر کہا۔

چونکہ مجاہد تاج کے چہرے پر تمازت سی تھی۔

"آں۔۔۔ وہ رش ہے ادھر۔۔۔"

"آخری پیپر ہے نا ابا۔۔۔ آج کسی کو گھر جانے کی جلدی نہیں ہے۔" ضوفی نے ہاں میں ہاں ملائی۔ وہ تاباں کی کسی بات کو سننے کے لیے ترچھی ہو کر بیٹھی تھی۔

"اس میں ایسی کوئی شے نہیں بچی ہے کہ جو میں اسے پہچان سکتی۔ مگر جب وہ حلق پھاڑ کر ہنسی نا، وہ جناتی قہقہہ۔۔۔ تب میں چونکی اور پھر پہچان گئی۔ اتنی موٹی۔۔۔ اتنی موٹی پوری عورت لگ رہی تھی۔"

یہ تینوں ایک ہی اسکول سے میٹرک تھیں اور آج تاباں نے ایک ایسی کلاس فیلو کو دیکھا تھا جو میٹرک کے پیپرز کے اگلے ماہ بیاہی گئی تھی۔ آج اپنی کسی نند کے ہمراہ آئی تھی۔

"ضوفشاں۔۔۔ کیا تمہیں وہاں سامنے بلیک اور بلو ہیوی بائیک نظر آ رہی ہے۔ وہ وہاں آئس کریم شاپ کے پاس؟" مجاہد تاج نے بہت ہلکے لہجے میں ضوفی کو پوچھا۔

مجاہد تاج کی آنکھوں پر چشمہ ہنوز تھا۔ وہ اس کی سمت جھکے ہوئے تھے اور نظریں اٹھا کر دیکھ رہے تھے۔ ان کی نگاہوں کے تاثر نے ضوفی کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑا دی۔ اس نے بے ساختہ تارگٹ کو دیکھا۔

"کیا تم اس لڑکے کو پہچان رہی ہو؟ دیکھا ہے نا اس کو پہلے؟"

"ابا میں۔۔۔ لڑکے کو۔۔۔" ضوفی کی آواز گھٹی۔۔۔

بائیک سوار نے اپنے بالوں میں انگلیاں چلا کر سر کو دائیں بائیں زور سے جھٹکا دیا تھا۔ وہ غیر ارادی طور پر گھوما تو اس کا چہرہ بالکل سامنے ہو گیا۔ تب ضوفی کی آنکھوں میں سراسیمگی پھیلی اور متزلزل تاثرات والے مجاہد تاج کی آنکھوں میں درشتی کے بعد آگ کی لپیٹیں سی نکلنے لگیں۔

ضوفی کی ہتھیلیاں تر بتر ہو گئیں۔ اس نے ڈرتے ڈرتے باپ کے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر پھر آئس کریم شاپ کی جانب دیکھا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ جیسے پورے جسم کی طاقت لگا کر بھاگتی آئی ہو۔ بائیک سوار کا چہرہ ہیلمٹ کی آڑ میں چھپ چکا تھا۔ فاصلہ بہت تھا۔ مگر ضوفی کو صاف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ان ہی کی گاڑی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ ضوفی نے باپ کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں سے چھلکتی کیفیت کو وہ کوئی نام نہ دے سکی۔

اب وہ تاباں کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی نگاہیں لیزر شعاعیں بن گئی تھیں۔ فیصلے کی گھڑی۔۔۔ مگر تاباں بہت ہلکی آواز۔۔۔ مگر تیزی سے اسکول فیلو کی شادی شدہ زندگی کو سنا رہی تھی۔

"ایک بیٹا ہے۔۔۔ رہتی تو کہیں پنڈی میں ہے۔ شوہر کی جاب ہے وہاں مگر سسرال ادھر ہے۔ جس شوہر کی تعریفیں کر رہی ہے نا، وہ اس وقت اس کا ماما لگتا تھا۔ مگر مجھے لگ رہا ہے اب یہ اس کی۔۔۔ ہی ہی ہی۔"

اتنے دن کی بور مصروف رٹے لگا لگا کر حلق خشک ہونے کے بعد نیا موضوع ہاتھ لگا تھا۔

ضوفی ذہین تھی۔ اپنی عمر کے حساب سے چہرہ شناس بھی۔۔۔ اور دوسرے وہ تاباں کی بہن تھی اور اسے جانتی تھی۔ اس کے دل نے گواہی دی کہ تاباں اس سب سے بے خبر ہے۔ اس کا سارا دھیان قصے کی طرف تھا۔ ابا کی موجودگی کا لحاظ تھا۔ سو آواز مدھم تھی۔

ضوفی کو اپنے دل کے کہے پر یقین تھا مگر ابا۔۔۔ کاش اس میں اتنی ہمت پیدا ہو سکے کہ وہ ابا کے چہرے کو جانچے۔۔۔ یا کم از کم ایک بار دیکھ ہی لے۔۔۔ مگر نہیں تو یہ۔۔۔

مجاہد تاج نے گاڑی کو ریورس کر کے مین روڈ پر نہیں نکالا۔۔۔ جیسا کہ روز کرتے تھے۔ جس رش کا وہ ذکر کر رہے تھے۔ بہت تیزی سے وہ اسی میں سے نکلے۔ راؤنڈ اباؤٹ سے سیدھے جا کر جب ٹرن کر کے دوسرے روڈ پر آئے تو گاڑی سیاہ بائیک کے بالکل پاس سے گزری۔ یہ ایک فالتو کا لمبا چکر تھا مگر نہ جانے کیوں انہوں نے اسے اختیار کیا۔ ہیلمٹ میں چھپے چہرے کے تاثرات نظر نہیں آسکتے تھے۔ مگر ضوفی کو یقین ہوا۔ وہ مجاہد تاج کے عین پیچھے بیٹھی تاباں مجاہد پر ہی نظریں گڑائے بیٹھا ہے۔

اور اسی لمحے مجاہد تاج ویو مرر میں تاباں کو دیکھ رہے تھے اور ضوفی مجاہد تاج کو۔۔۔ زناٹے سے گاڑی روڈ پر بھاگی تھی۔

"یا اللہ اب کیا۔۔۔ بائیک سوار گاڑی کا پیچھا۔۔۔ ارے مالک۔۔۔" ضوفی نے شدید خوفزدگی کے عالم میں آنکھیں میچ لی تھیں۔

مجاہد تاج نے گاڑی کے اسپیڈ میٹر کی جانب دیکھنا گویا گناہ سمجھا تھا۔

ضوفی کی دوست کو اتارا، وہ شکریہ انکل جیسے الفاظ بہت سجا بنا کر کہنا چاہتی تھی مگر اس کے حلق تر کرنے تک گاڑی زن ہو گئی۔

تاباں کا دل بھرا نہیں تھا۔ وہ اب ضوفی کو دوبارہ سب سنانا چاہتی تھی مگر ضوفی نے آنکھیں موند لیں۔ گاڑی گھر کے گیٹ پر رکی تو تاباں پرس اور سموسوں کا شاپر سنبھالتی سرعت سے اندر بھاگی۔ من من کے قدم تو ضوفی کے تھے۔ اس میں جنبش کی طاقت بھی نہ تھی۔

"کیا تم نے پہلے کبھی اس بائیک کو اپنے اردگرد کہیں دیکھا؟"

"نن۔۔۔ نہیں ابا!" ضوفی نے تیزی سے کہا۔ "کبھی نہیں۔۔۔ قطعی نہیں۔" اس کا لہجہ قطعیت سے بھرپور تھا۔ مجاہد تاج کی آنکھوں میں تشکیک کے رنگ حاوی تھے۔

"آپ کو مجھ پر اعتبار کرنا چاہیے ابا!" بات سچ اور جھوٹ کی تھی۔ ضوفی کے اندر کی صاف گو لڑکی کا لہجہ قطعیت سے بھرپور ہو گیا۔ مجاہد تاج نے آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔

ضوفی کا دل مطمئن تھا۔ اس نے ایک بار بھی پلک نہ جھپکی۔

"کر لیا اعتبار۔۔۔ لیکن۔۔۔" انہوں نے ٹھنڈا طویل سانس بھرا۔۔۔ وہ اب کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہے تھے۔

"کیا تم اتنے ہی یقین سے کہہ سکو گی کہ تاباں بھی اس کی موجودگی سے بے خبر تھی؟" ضوفی نے حلق تر کیا۔ اسے لگا یہ سب سے مشکل سوال تھا، مشکل مرحلہ۔۔۔

مجاہد تاج کی نگاہیں لوہے کی گرم سلاخ تھیں اور اس کے چہرے پر داغی جا رہی تھیں۔

"وہ تمہاری بہن ہے۔ تم ایک کمرا، ایک بستر۔۔۔ ایک رستہ استعمال کرتی ہو ضوفی۔۔۔ میں صرف سچ سننا چاہتا ہوں۔" ضوفی کی نگاہیں اپنی ہتھیلیوں پر جمی تھیں۔

"تاباں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"

جملہ مکمل کر دینے کے بعد ضوفی کو لگا۔ وہ اتنی دیر سے ننگے تار پر کرتب دکھانے کے سے انداز میں چل رہی تھی۔ اچانک سرے پر پہنچ گئی ہو۔

جو طمانیت اس کے دل میں پھیلی تھی۔ اس نے اس کا عکس اپنے باپ کے چہرے پر بھی دیکھا۔ اسے دھیان آیا تو یکدم گردن گھما کر پیچھے گلی میں دور تک دیکھا۔

بائیک سوار ان کے پیچھے نہیں آیا تھا۔ اس کی بے ساختہ حرکت مجاہد تاج کی نظروں سے چھپی نہ رہ سکی۔

"میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔۔۔ جو یقیناً" تم نہیں جانتی ہوگی۔ میں نے اس بائیک کو گلی کے کونے میں اسی رستے میں تین' چار بار یا شاید اس سے زیادہ مرتبہ دیکھ چکا ہوں۔ بس سوار کو آج دیکھا ہے۔"

"جاذب سلطان!" ضوفی کے بس لب ہل سکے تھے۔ اس کے سر پر کسی نے لوہے کا وزنی گرز مارا تھا۔

"ابا!" اس کے منہ سے یوں ہی نکلا۔

☼ ☼ ☼

ضوفی کے چہرے پر پھیلا سوچ کا رنگ اور آنکھوں کا اضطراب حیران کن نہیں تھا۔ اس نے اب رزلٹ آنے تک یوں ہی رنگ بدل بدل کر خود کو پریشان کرنا تھا اور اس بار چہرے پر تھکن بھی پہلے کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ وہ خاموش تھی اور محفل میں ہوتے ہوئے بھی جیسے نہیں ہوتی تھی۔ یا تو سوچ کا گہرا ترین رنگ' یا آنکھوں میں بے حد خالی پن۔

دوسری جانب تاباں جس نے امتحان دیے تھے کہ دینے ہی تھے۔ مگر فراغت کا جشن وہ زیادہ دھوم دھام سے منانا چاہتی تھی اور جشن کے ڈھنگ انوکھے۔۔۔

"ماں! پانچ' سات سوٹ دلادیں۔"

"پانچ' سات۔۔۔ یعنی بارہ سوٹ۔ بہن ہوش میں رہو' شادی مائدہ کی ہونی ہے تمہاری نہیں۔" ماجدہ بولی۔

"میں مائدہ کی شادی کی بات نہیں کررہی۔۔۔ مجھے تو بس کچھ نئے ڈیزائن پسند آگئے ہیں۔ وہی ٹرائی کرنے ہیں۔"

"جو بھی کہو۔۔۔ میں اتنے بہت سے پیسے تم اکیلی کو کبھی نہیں دے سکتی۔ ایک' دو کی بات ہوتی تو مان بھی لوں۔" امی نے صفا جواب دیا۔

"اچھا آپ اپنے والے ایک' دو کے پیسے دیں۔ باقی میں ادھر' ادھر سے مانگ لوں گی۔" اس نے مصالحت کی راہ اختیار کی۔ "ایک تو تائی جی بھی لے کردے دیں گی۔" تائی جی مسکرانے لگیں' جواب نہ دیا۔

"دراصل تائی جی۔۔۔ پھر اس مائدہ نے اپنی شادی کے کپڑے بنانے شروع کردینے ہیں۔ تکیوں پر کڑھائیاں' لحافوں میں ڈورے۔۔۔ تو پھر میں بیچ میں اپنا کام ڈال دوں گی تو اچھا تو نہ لگے گا نا۔ میں تو ان فرصت کے دنوں سے فائدہ اٹھانا چاہ رہی تھی۔ پھر ماشاء اللہ مائدہ کے پاس اپنے کاموں کا وقت ہی نہ۔۔۔"

"میں لے دوں گی۔" تائی جی نے تصور کی آنکھ سے مائدہ کو جھلملاتے کپڑوں کے ڈھیر میں گھرا دیکھا۔ چہرے پر مسکان آن رکی۔ اللہ کے حکم سے وہ وقت بس آیا ہی چاہتا تھا۔

تاباں کی چال بازی پر سب نے اسے گھورا تو وہ شانے اچکا کر رہ گئی۔

تاباں کی عجلت۔۔۔ چال بازی۔۔۔ اور منوا کرہی اٹھنے والی ان حرکتوں سے سب واقف ہی تھے۔ اس میں کوئی نیا پن نہیں تھا۔ اس نے جو طے کرلیا۔ وہ ہو کرہی رہے گا۔ اب سب بازار جانے کا دن طے کررہے تھے۔ تاباں بتارہی تھی کہ اب اسے سب سے اچھے والے سوٹ کے پیسے ابا سے لینے ہیں۔

اور ابا اس وقت بیرونی کمرے کی اس کھڑکی کے ساتھ بیٹھے تھے' جو اندر کا من میں کھلتی تھی۔ وہ تاباں کو سن رہے تھے۔ اسے جانچ رہے تھے۔ کوئی قابل گرفت حرکت۔۔۔ جو بعد کا سرا پکڑا دے۔ مگر وہ مگن تھی۔ ہنستی مسلسل بولتی' سب کو بلاتی۔ بلکہ گفتگو میں ایک مرحلہ یہ بھی آگیا کہ ضوفی بھی ان کے بیچ میں شامل ہو کر بڑھ چڑھ کر بولنے لگی۔

مجاہد تاج نے اس دن کے واقعہ کا کسی سے ذکر نہیں کیا تھا۔ چھپانا مقصود نہیں تھا' مگر وہ سوچ رہے تھے کہ کیا کہیں گے یا کس طرح۔۔۔ انہوں نے سوچا کہ وہ سلطان حیدر کے گھر جاکر اب اپنے طریقے سے بات کریں' مگر یہ خیال بھی مسترد کردیا۔ بڑے بھائی سے ہر معاملے میں مشورہ کیا کرتے تھے۔ وہ اس دن سے آتے جاتے راستوں کو بغور دیکھتے ہر بائیک کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے۔ لڑکیاں اب کالج نہیں جارہی تھیں۔ وہ فرصت کے مزے لوٹ رہی تھیں۔

اس روز انہوں نے ضوفی پر اعتبار کیا اور پھر ضوفی کے اعتبار پر بھی اعتبار کرلیا۔

پہلے سگے بھائیوں سے ہر بات کہہ لینے کی عادت تھی' مگر اس بار تھوڑا جھجک گئے۔ ایک معمولی سا شک یا کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ اس کا آگا پیچھا کچھ نہ ہو۔ رشتہ آنے تک ٹھیک تھا' مگر جیسے جاذب سلطان کو وہاں کھڑا دیکھ کر ان کے ذہن نے بہت آگے تک کی بنت کرلی تھی۔ سننے والا بھی اپنی مرضی سے سوچے گا اور پھر زندگی بھر ان کی بیٹی کے نام کے ساتھ ایک واقعہ مثال کے طور منسوب ہو جائے گا۔

نہیں۔۔۔ بہتر ہے وہ خاموش رہیں۔ لڑکیاں اب گھر کے اندر تھیں اور گھر قلعے کی طرح تھا۔ ان کی منشا کے بغیر وہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا۔ اگر خدانخواستہ آگے کچھ اور صورت حال ہوگی تو پھر اسے اس حساب سے دیکھ لیں گے۔ ابھی مصلحت بھری خاموشی اور پہلو تہی بہتر ہے۔

لیکن! بے حد ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچے گئے فیصلے کے باوجود جب آنکھوں کے آگے وہ بائیک آتی جاذب سلطان کا سر جھٹک کر بالوں میں انگلیاں پھیرنا تو لگتا جیسے جسم میں لہو کی جگہ آتش فشاں کا سیال بہہ رہا ہے۔

ساری مصلحت بھری سوچوں پر پانی پھر جاتا اور ایک ناقابل فہم کیفیت میں جسم جلنے بھننے لگتا۔

"وجہ کچھ بھی رہی ہو۔۔۔ بھلے سے وہ سڑک میری جاگیر نہیں ہے' مگر تمہیں وہاں کھڑے ہونے کی بھاری قیمت چکانی پڑے گی۔" مٹھیاں بھینچ کر سوچا تھا۔

اور اس سوچ کو اتنی جلدی عملی جامہ پہنانا پڑ جائے گا۔ اس کی خبر انہیں خود بھی نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

جمیل بھائی لڑکیوں کے اس گروپ کو اپنی امی کی سربراہی میں بازار چھوڑ گئے اور کہہ دیا کہ جب فارغ ہوجائیں تو کال کرلیں۔ وہ آجائیں گے۔

اب ادھر کہنے کو صرف کپڑے خریدنے تھے' مگر وہ میچنگ نیل کے لیے ہر گلی میں خوار ہوتیں پھر بٹن۔۔۔ پھر ڈوریاں۔۔۔ پھر فلاں اور ڈھمکاں۔۔۔ سوٹ پل بھر میں پسند کرلیتیں بس ان چھوٹی چیزوں پر گھنٹوں لگاتیں اور اب بھی شاپنگ مکمل نہیں ہوئی تھی' مگر دن ڈھل گیا تھا اور ہمت جواب دے گئی تھی۔ باقی کا کام اگلے کسی روز پر اٹھا کر واپسی کا قصد کیا۔

واپسی پر وہ حیرت زدہ رہ گئیں۔ جب جمیل بھائی کی جگہ مجاہد تاج کو ڈرائیونگ سیٹ پر دیکھا۔

"ہاں' جمیل ہی آرہا تھا' مگر عین وقت پر کسی ضروری کام سے جانا پڑا۔" چاچی جی کے استفسار پر انہوں نے سرسری لہجہ اپنایا اور یہ کوئی قابل گرفت وجہ نہیں تھی' مگر ضوفی کا سر جھک گیا۔ وہ پیپرز کے بعد آج گھر سے نکلی تھیں۔ اس نے تاباں کو دیکھا وہ خاموش تھی اور تھیلوں کے اندر منہ گھسائے ہوئے اپنی چیزوں کو بصد شوق دیکھ رہی تھی۔

ضوفی نے ایک بار نظریں اٹھا کر باپ کو دیکھا۔ ان کا سارا دھیان گاڑی کی جانب تھا' مگر جب یونہی یک دم پل بھر کو نظریں چار ہوئی تھیں تب ان آنکھوں میں چھپا پیام۔

ضوفی کا دل دکھ سے بھر گیا۔ اس نے گردن موڑ کر بھاگتی گاڑیوں کو دیکھنا شروع کردیا۔ چاچی جی ماجدہ سے کچھ بات کررہی تھیں۔ ماجدہ ایک آدھ ٹکڑا لگادیتی۔ تاباں گانٹھ کھولے بنا تھیلوں ہی میں گھسی ہوئی تھی' جب گاڑی کے ٹائر بری طرح چرچرائے کہ سب بری طرح اچھلیں اور آگے براجمان ضوفی کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرا گیا۔ کان کا پردہ پھاڑتی آواز نے کئی اور گاڑیوں کو بھی بریک لگانے پر مجبور کردیا تھا۔ سب کو یقین ہوا ٹائر سے چنگاریاں ضرور نکلی ہوں گی۔ سب نے حواس بحال ہونے پر مجاہد تاج کو دیکھا' جن کے جبڑے بھینچے ہوئے تھے اور اسٹیئرنگ پر جمے ہاتھوں کی رگیں نمایاں ہورہی تھیں۔

چاچی جی نے سنبھل کر "بھائی جی" کہا اور زیر لب آیات پڑھنے لگیں۔ لڑکیاں اپنی پیشانی مسلتے ہوئے حجاب درست کرنے لگیں۔ تاباں کے تو تھیلے ہی گر گئے تھے۔

فقط ضوفی کو کسی انہونی کا احساس ہوا تھا۔ اس نے باپ کا چہرہ دیکھا۔ شام ڈھل چکی تھی اور چشمے کے شیشے چمک رہے تھے۔ اس نے باپ کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا اور اس کا دل بند ہو گیا وہ سیاہ بائیک ان کی گاڑی کے پاس غیر محسوس انداز میں ہلکی ہوئی اور پھر زن سے آگے نکل گئی۔ ضوفی نے تاباں کو دیکھا۔ اس کی ہتھیلی پر پانچ خوب صورت بٹن پڑے تھے۔ وہ بہت الجھن سے کہہ رہی تھی۔

"باقی کے تین نیچے گر گئے ہیں۔ کہیں پاؤں کے وزن سے ٹوٹ ہی نہ جائیں۔ دھیان رکھو۔" وہ متلاشی نگاہوں سے نیچے دیکھ ہی رہی تھی۔

مجاہد تاج نے یک دم گاڑی بڑھائی۔ اس بار رفتار بہت تیز تھی۔ وہ یقیناً" بائیک کا تعاقب کرنا چاہ رہے تھے، مگر بائیک کہیں نہیں تھی۔ ناکامی کا احساس سرخی میں بدل رہا تھا اور سرخی کا انت سیاہی ہے۔

تب ہی ضوفی اور مجاہد تاج کی نگاہ گھر سے دور پارک کے گیٹ پر گئیں۔ جاذب سلطان ان ہی کے انتظار میں رک گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

زمین میں دبا بیج راز ہوتا ہے۔ ایک بار کونپل پھوٹ جائے تو سب عیاں ہو جاتا ہے۔ رنگ روپ نسل قد کاٹھ اور پھل۔۔۔

سب کونپل کو دیکھتے ہیں۔ زمین نے کلیجہ شق ہونے پر تکلیف کو کیسا جھیلا۔ یہ کبھی نہیں سوچتے زمین بتاتی نہیں ہے نا، مگر مجاہد تاج چیخ رہے تھے اور چلا رہے تھے۔ ضوفی کو تو پلک جھپکتے ہی کا سا وقفہ لگا۔ اس نے تایا اور چاچا کو تیز قدموں سے اندر آتے دیکھا تھا اور جمیل بھائی ۔۔۔ کا چہرہ سنجیدگی اور گمبھیرتا کی تصویر تھا اور شکیل، عقیل جو نا سمجھی کے عالم میں مجاہد تاج کو سن رہے تھے اور پھر ان کے جبڑے بھینچنے لگے۔ آنکھوں میں خون اترا۔ بازوؤں کی مچھلیاں پھڑکنے لگیں اور کنپٹیاں سلگنے۔۔۔ انہیں سیاق و سباق سنایا جا رہا تھا مگر دلچسپی ندارد۔۔۔ انہیں کچھ ہدایات بھی دی جا رہی تھیں، مگر وہ انہیں ایک کان سے سن کر اڑا رہے تھے۔ انہیں آگے کا فیصلہ خود کرنا تھا۔

گھر کی عورتوں کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ ان سب سے پوچھتی تھیں کہ تم سب ابھی باہر سے آئی ہو، ہوا کیا ہے؟

ضوفی نے بھی سب کی طرح لاعلمی کا اظہار کیا۔ مگر پھر اس نے بھی سب کے ساتھ دیکھا۔ شکیل کے ہاتھ میں بیٹ تھا عقیل نے غسل خانے سے کھیس دھونے والا ڈنڈا اٹھا لیا تھا۔ نکلتا ہوا شکیل واپس پلٹا تھا، وہ اپنے کمرے سے کچھ تلاشتا ہوا آیا تھا۔ ضوفی کی زبان دانتوں تلے آ گئی اور باقی خواتین جن جن کی نظریں پڑی تھی۔ چار جڑی ہوئی پیتل کی انگوٹھیاں جس کے اوپر تیز دھار کونے ابھرے ہوئے ہیں اور جو مکا ماریں تو گوشت کے اندر تک دھنس جائیں۔ کھال نوچتی باہر آئیں۔ شکیل نے پہن لی تھیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا ہو گیا ہے۔ کیا کرنے والے ہیں یہ سب لوگ۔۔۔"

چاچی جی کا حال زیادہ خراب تھا۔ ان کے لڑائی بھڑائی کے شوقین بیٹوں کو جنہیں سمجھا بجھا کر ٹھنڈا رکھا جاتا تھا، آج ان کو خود اپنے منہ سے کس آگ میں کودنے کے لیے بھیجا جا رہا تھا لیکن نہیں۔۔۔ ان کا سب سے سلجھا ہوا تمیزدار بیٹا جمیل بھی سرد جارحانہ تاثرات کے ساتھ۔۔۔ ان کے پوچھنے پر بمشکل ضبط کرتا اپنا شانہ چھڑا کر گاڑی لے کر نکلا تھا۔

"ایسا سبق سکھانا کہ آنے والی نسلوں تک یاد رہے۔" مجاہد تاج پیچھے سے چلائے تھے۔

"نسلوں کی کہانی۔۔۔ یہیں تک چلنا تھا وراثت کا قصہ۔۔۔ اب کیا میں نسلوں کو آنے دوں گا۔ یہی تھا خاندان کا آخری چشم و چراغ۔۔۔ جسے بجھا کر ہی آؤں گا۔" شکیل ان سے بلند آواز میں چلایا تھا۔ اس کے لیے مجاہد تاج کا پیغام اچنبھا تھا۔ وہ نسل لانے تک کا خیال سوچنا بھی بے وقوفی کہہ رہا تھا۔

"ہوں ہوں۔۔۔ صرف سبق سکھا کر لوٹ آنا۔ اتنا سانس چھوڑنا کہ ڈور ٹوٹے نہیں۔ عقل مند کے لیے اشارہ کافی ہے کہ اتنا چھوڑا تو کیوں چھوڑا۔۔۔ ہمیں کسی کی بددعائیں نہیں لینی۔ سمجھے۔"

مجاہد تاج کے سرد خوفناک لہجے نے جملوں کی نرمی پر کوئی اثر نہ ڈالا۔ شکیل نے بڑی مشکل سے پورا جملہ سنا تھا۔ اسے بھی سب کے پیچھے بھاگنے کی جلدی تھی۔

"کس کا حشر کرنے نکلے ہیں یہ سب؟" تائی جی صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ شدید بدحالی کے احساس سے نیم دراز ہی ہو گئیں۔ "ہائے اللہ میرے بچوں کی خیر۔۔۔"

"جن کو مارنے کے لیے اتنی پلاننگ سے نکلے ہیں وہ کیا ہاتھوں میں چوڑیاں پہن کر بیٹھے ہوں گے یا تابعدار ہو کر سر جھکائیں گے کہ جی مار لو ہمیں جتنا مارنا ہے۔ کر لو شوق پورا۔۔۔ اللہ میرے بیٹے تو پہلے ہی پرائی آگ بھڑکانے کے شوقین ہیں۔ ان ہی کے ہاتھوں میں تھما دیں لاٹھیاں ڈنڈے بلّے۔۔۔ ہائے۔" چاچی جی نے ایک بار پھر دہائی دی۔

ان کے بیٹوں کو لڑنے کے لیے بھیجنا یوں تھا جیسے شکر خورے کو شکر کا پورا بورا دے دیا جائے۔

"اور اگر ان کے پاس اسلحہ وغیرہ ہوا تو؟" زاہدہ نے پہلی بار لب کھولے۔ وہ فق چہرے کے ساتھ ساکت تھیں۔

مجاہد تاج نے کھا جانے والی نظروں سے بیوی کو دیکھا اور باہر نکلے۔

"ہائے نہیں۔۔۔!" چاچی جی دل پر ہاتھ رکھ کے نڈھال ہو گئیں۔ انہیں شاید سانس لینے میں بھی دشواری ہونے لگی تھی۔

"وہ کہتا ہے چاچی جی۔۔۔!" ضوفی کی تھکی پرملال آواز پر جہاں پہلے لمحے میں اپنے بیٹوں کے حوالے سے سکون محسوس ہوا، وہیں دوسرے خیال نے سب کو بچھو کے ڈنک جیسا اچھالا تھا۔

"کک۔۔۔ کون ہے وہ؟ اور تمہیں کیسے پتا؟"

"تم جانتی ہو ضوفشاں۔۔۔ یہ سب لوگ کہاں گئے ہیں۔ ہوا کیا ہے؟"

ماہلہ، عابدہ، تاباں اور دیگر خواتین کے منہ سے تابڑ توڑ سوالات برآمد ہوئے۔ وہ بھی تو ان ہی کے ساتھ تھی۔

"کس کے پیچھے گئے ہیں یہ سب۔" تائی جی کو لفظ "وہ" کی حساسیت کا پہلی بار احساس ہوا۔

"جاذب۔۔۔ جاذب۔۔۔ سلطان۔۔۔" ضوفی نے قصداً لب نہیں کھولے، بس منہ سے نکل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

رات سیاہ تھی کسی داغ کی طرح۔ خاموشی تھی موت کی مانند۔

سناٹا یوں تھا جیسے کسی ویرانے میں شام پھیلی ہو اور دور تک کسی ذی روح کا نام نشان نہ ہو۔

مگر۔۔۔

نیند نہ آنے کی ہزار تاویلیں ہوں، مگر رات میں ایک ایسا پہر آ ہی جاتا ہے جب پلک پلک سے جڑ جاتی ہے۔ سو ایک ہنگامہ خیز پرتشدد دن کے اختتام پر سب کہیں نہ کہیں آنکھیں موند چکے تھے۔

لڑکے سبق سکھا کر۔۔۔ بڑے نتیجہ سن کر۔۔۔ بس اتنی سانس چھوڑی تھی کہ کوئی الزام نہ لگے۔

ضوفی وہ سب جانتی تھی جو مجاہد تاج کے علم میں تھا، مگر منہ کھولنے سے پہلے اسے خیال آیا۔ پتا نہیں ابا نے کیا اور کتنا بتایا ہو۔

"آپ ابا ہی سے پوچھیے گا۔ میں تو بس اتنا ہی جانتی ہوں۔"

اور ابا نے آ کر سب کو بند کمرے میں سب سنا دیا تھا۔ یہ بڑوں کی میٹنگ تھی۔ سو باقی سب بے خبر ہی رہے مگر ایسی بے خبری جس میں سب باخبر ہوتے ہیں اور اپنی معلومات کو چھپاتے ہیں۔ نظریں چراتے ہیں۔ تاباں کی سوچیں منتشر تھیں۔

وہ ان خطوط کو دوبارہ پڑھنا چاہتی تھی۔ ضوفی نے سب کے سامنے لاعلمی کا اظہار کر دیا تھا مگر وہ تاباں کے چہرے پر پھیلی سپیدی کو دیکھ کر چپ نہ رہ سکی۔ اس نے ایک آدھ جملہ کہنے کا ارادہ کیا تھا مگر پھر کہتی ہی چلی گئی۔

"تم فکر مند نہ ہو تاباں۔۔۔" ضوفی نے تشفی بھرا ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھا۔ "میں نے ابا کو بتایا بلکہ یقین دلایا کہ تم اس سے بے خبر ہو۔ تمہارے فرشتے بھی لاعلم ہیں۔"

تاباں نے بے ساختہ بہن کے چہرے کو دیکھا اور نظریں جھکالیں۔

"اور ابا نے میرا یقین کیا ہے تاباں۔۔۔" وہ پر یقین تھی۔ اس کا گال تھپتھپا کر وہ اٹھ گئی تھی۔

مگر تاباں نے اپنے اندر ذرا سی بھی جنبش نہ پائی۔

شکیل عقیل کیا حشر کرکے آئے۔ مر گئے یا مار آئے۔ جیسے جیسے رات گزرتی جارہی تھی۔ اسے ان سب فکروں سے کوئی سروکار ہی نہ رہا۔

"میں تو سمجھی تھی کہ خبطی سر پھرے نے یونہی۔۔۔ پہلے میں چونکی' ڈر گئی پھر میرے لیے حیران کن تھے یہ الفاظ اور جملے۔ وہ بہت ہوشیاری سے مجھے فالو کررہا تھا مگر پھر بھی۔۔۔ پھر بھی مجھے کبھی ایک عملی انسان نہیں لگا۔

کبھی مجھے لگا' وہ نفسیاتی مریض ہے۔ جس کی کوئی کل ڈھیلی ہے۔ محض تصویر دیکھ کر کوئی ایسے کیسے؟"

تاباں رات کو سب سے پہلے بستر میں گئی تھی سب کی بھوک اڑ چکی تھی۔ جب تک سب کی واپسی نہ ہوتی۔ سب عورتیں جیسے گوند سے چپک کر بیٹھی تھیں۔ ان سب کے شاپنگ بیگز وہیں درمیان میں فرش پر اوندھے سیدھے پڑے تھے۔ تاباں ہی نے اپنے لیے کھانا نکالا اور وہیں سب کے سامنے بیٹھ کر دل جمعی سے کھالیا۔ وہ سب کو بہت نارمل دکھائی دے رہی تھی جبکہ اسے اپنا آپ ایک روبوٹ لگ رہا تھا۔ جسے فقط اعمال انجام دینے تھے۔ اس کے سسٹم میں سوچنا سمجھنا فیڈ ہی نہ کیا گیا ہو۔

لیکن رات کے اس پہر اس کی سوچیں بیدار ہوگئیں تب اس نے بہت پراسراریت سے اٹھ کر ان خطوط کو نکالا تھا' جو اسے کچھ دنوں سے یونہی فالتو کے لگنے لگے اور شاید وہ انہیں پھاڑ کر پھینک دیتی۔ وہ عملی لڑکی تھی۔ یہ لفاظی کیا معنی اور کیا مقصد۔۔۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں ضوفی۔۔۔!"

جب الجھن بھری اذیت ناقابل برداشت ہوگئی تو اس نے سوئی ضوفی کو جگا دیا تھا۔ اس کی بڑبڑاہٹ پر اس نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھا۔ اپنی شہادت کی انگلی اپنے ہونٹوں پر اور اسے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ مائدہ' ماجدہ گہری نیند میں تھیں۔ وہ اسے لیے اسٹور میں آگئی تھی۔ زیرو کے سبز بلب کی روشنی میں وہ دونوں زمین پر چوکڑی مارے بیٹھی تھیں اور درمیان میں کھلے کاغذ۔۔۔

ضوفی کی آنکھیں پھٹی پڑی تھیں اور چہرا اتنا سفید جیسے کسی لاش کا۔۔۔

وہ منہ کھول کر تاباں کو دیکھتی تھی' جو اس کی کیفیات سے قطع نظر بس بولتی جارہی تھی۔

"میں بالکل سچ کہتی ہوں ضوفی۔۔۔" وہ زور دے کر بولی تھی۔

"میں نے ہر روز کالج آتے اور جاتے ہوئے پوری باریک بینی سے اس شخص کو کھوجا تھا۔ اس بچے سے پوچھا تھا' مگر میں اسے کہیں نہیں دیکھ پائی' کبھی بھی نہیں۔ بلکہ میں نے اب تک اس کی صورت بھی نہیں دیکھی ہے کہ وہ کون ہے کیسا ہے؟ اور پھر جس روز میں نے فقط اس کا نام جانا' میں نے اس بچے کو پیغام دیا کہ میں پہچان چکی ہوں تو پتا ہے اس نے کیا کہا؟

"کاش تم نام کے بجائے مجھے پہچان پاتیں اور اس کے بعد کی مکمل خاموشی آج کے دن تک۔۔۔

تم نے ابا سے سچ کہا۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی لیکن جو میں جانتی تھی وہ۔۔۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"تت۔۔۔ تم مجھے اب بتا رہی ہو تاباں!" ضوفی چیخ کر کہنا چاہتی تھی مگر بمشکل جملہ پورا کیا۔

"کیا بتاتی۔۔۔ ایک غلط فہمی۔۔۔ ایک بے تکی۔۔۔ ایک مذاق۔۔۔!"

"تم نے یہ پلندہ سنبھال کر رکھا ہوا ہے تاباں!"

"میں اسے پھینکنے ہی والی تھی۔"

"پھینکا تو نہیں نا۔۔۔؟"

"تمہیں پہلے ہی مرحلے پر مجھے بتانا چاہیے تھا۔ میں دو جھانپڑ لگا کر اس بچے کو سیدھا کرتی اور اصل بندے تک پہنچ کر اسے بھی سیدھا کردیتی۔ ہم ایسی چیز افورڈ نہیں کرسکتے تاباں! تم بھول کیسے گئیں اور۔۔۔ اور مجھے اب بتا رہی ہو' جب پانی سر سے اونچا ہوگیا تب۔۔۔"

"میں نے سوچا' وہ پیچھے ہٹ گیا ہے۔ جب میں نے اس کا نام جان لیا تب۔۔۔ کہ اسے ہر چیز کا اندازہ ہوگیا کہ وہ یونہی وقت ضائع کررہا ہے اور اس سے کچھ حاصل نہیں۔۔۔ اس کا وہ آخری پیغام دو ڈھائی ماہ پرانا ہے۔ اس کے بعد مکمل خاموشی۔۔۔"

"تاباں!" ضوفی نے یک دم اس کے ہاتھ پر جھپٹا سا مارا۔ "تم اپنی صفائی دے رہی ہو۔۔۔ یا اس کی۔۔۔؟"

ضوفی کی آواز بھی بلند ہوئی تھی۔ تاباں کو یک دم چپ لگی۔ جو ضوفی کے اعصاب پر کوڑے کی مانند برسی۔ اس نے ایک جنون کے عالم میں ان خطوط کو پرزہ پرزہ کرنا شروع کردیا۔ اس کا یہ عمل اتنا اچانک تھا کہ تاباں کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ وہ خوف زدگی کے عالم میں ضوفی کو دیکھ رہی تھی' جو پرزوں پر اپنا پیر مار کے پرسکون دکھائی دے رہی تھی۔

دونوں کے درمیان خاموشی چھاگئی۔

"کیا وہ کوئی خبطی دیوانہ ہے ضوفی۔۔۔ اکثر اکلوتے بچے کچھ مسائل کا شکار ہوتے ہیں۔" تاباں نے اپنا ایک خدشہ جو سب پر حاوی تھا۔ کہہ دیا۔

سوچوں میں گم ضوفی چونکی۔

"میں یہ سب نہیں جانتی۔۔۔ مگر جو جانتی ہوں۔۔۔ اللہ سے دعا کرتی ہوں۔ اسے کچھ نہ ہو۔ وہ اتنے سلجھے ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہے کہ دیکھتے ہی دل سے دعا نکلتی ہے۔ اسے گرم ہوا بھی نہ چھوئے۔ وہ اتنے شرمندہ تھے' مجبور اور بے کس۔۔۔ کہ دل کرتا تھا ان کے لیے آگ کے کنوئیں میں کودا جائے' مگر مجھے ابھی پتا لگا۔ آگ کے کنوئیں سے بھی مشکل کام ہوسکتے ہیں جنہیں کیا نہیں جاسکتا۔"

ضوفی نے پیچ پیچ جواب دیا وہ بڑی احتیاط سے پرزوں کو سمیٹ رہی تھی۔

"اور تمہیں ایک نصیحت کروں؟ ان چھ ماہ میں کیا ہوا اور آج کے دن کیا ہوا اور ابھی اس رات میں۔۔۔ سب بھول جانا۔ تم پر شک نہیں کیا جارہا' نہ تم مجرم ہو۔ مگر یاد رکھو! کچھ دیر بعد ہونے والی صبح تمہاری آزمائش ہے۔ سو کوئی ایسا عمل نہ کرنا کہ پکڑ میں آسکو بلاوجہ ماری جاؤگی۔"

"ضوفی!" تاباں نے اس کی نصیحت کو سنا تھا اور ہر ہر لفظ کی گہرائی میں چھپے معنی بمعہ تشریح سمجھ لیے تھے مگر۔۔۔

"مجھے یقین نہیں آتا۔۔۔ کوئی شخص۔۔۔ کوئی شخص محض تصویر دیکھ کر؟"

"تا۔۔۔ با۔۔۔ں۔۔۔!" ضوفی ششدر رہ گئی۔

"جو ہونا تھا وہ ہوگیا لیکن کاش! میں اس شخص کو ایک بار دیکھ ہی لیتی۔" اس نے یہ جملہ ضوفی سے کہا نہیں تھا۔ شاید سوچا تھا' مگر یہ سوچ خود کلامی میں ڈھل کر ضوفی کی سماعتوں کے لیے پگھلا سیسہ بن گئی۔ وہ پرزے سمیٹ کر کھڑی ہوچکی تھی۔

دھپ سے نیچے بیٹھی۔ اس نے تاباں کے شانوں میں اپنی انگلیاں گاڑ دیں۔

"تت۔ تم ہوش میں ہو۔" اس نے ہلکی سی چپت سے اس کے گال پر رسید کی۔

تاباں چونکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"نامعلوم ملزمان کے خلاف کارروائی کی قطعاً ضرورت نہیں۔ میں مجاہد تاج بات کررہا ہوں۔ آپ نامعلوم ملزم کے خانے میں بے فکر ہو کر میرا نام لکھوا سکتے ہیں۔ میں نے شرفا کے طریقے سے ابتدا کی تھی۔ اگر یہاں تک پہنچا ہوں تو آپ سمجھ ہی لیں۔ آپ کی جانب سے شریفوں والی انتہا نہیں ملی۔ چند سانسیں اس لیے چھوڑ دیں کہ آپ کے بڑھاپے پر ترس آگیا تھا۔ حالانکہ آپ کے بیٹے کی جانب سے ہماری عزت پر ترس نہیں کھایا گیا۔ عقل مند کو اشارہ کافی ہے۔ میں اگلی بار پرسے کا فون نہیں کروں گا۔"

یہ فون کال گھر کے ہر فرد کے کانوں میں پڑی تھی۔ سلام اور دعا کے بغیر پورے اعتماد سے سلطان حیدر کو کی جانے والی کال۔

"بائیک چھیننے کی کوشش کی تھی۔" سلطان حیدر نے تفتیشی افسر کو بتایا۔ افسر نے بائیک دیکھ کر پہلی نظر میں جو قیافہ لگایا تھا۔ وہ درست ثابت ہوا اس نے حتاتی نگاہوں سے اپنے جونیئرز کو دیکھا۔ پورے شہر میں یہ اپنی طرز کی ایک ہی بائیک تھی۔ سلطان حیدر مدعی تھے۔ مگر انہوں نے افسر کو خوب سارے نوٹ دیے۔

"میری ایک ہی اولاد ہے۔ مجھے کوئی ایف آئی آر درج نہیں کروانی۔ مجھے کوئی دشمنی نہیں پالنی۔" ان کے لہجے کی لجاجت انداز کی شکستگی و مجبوری۔

افسر نے جیب میں نوٹ ٹھونسے اور صاف الفاظ میں راست فیصلے کی تائید و توثیق کردی۔

"تمہیں ایک بار بھی ماں کا خیال نہ آیا جاذب۔!" جاذبہ نے کہا۔ "تم ایسے تو نہ تھے۔ تم نے کب سیکھا یہ چلن۔ راستوں، چوراہوں پر کھڑا ہونا۔ پیچھا کرنا۔" باقی کے دل گرفتہ سوال ان کی آنکھیں کہہ رہی تھیں۔ اولاد کی خوشبو تھی جو انہیں جتا رہی تھی کہ پٹیوں میں جکڑا ان کا اپنا لخت جگر ہے، ورنہ سوجے نیل و نیل۔ پٹیوں سے ڈھکے جاذب سلطان کی شناخت ناممکن تھی۔

"ایسا کیوں کیا جاذب! مجھے تم سے تو یہ امید نہ تھی۔" سلطان حیدر سر پکڑے بیٹھے تھے۔

"بجائے اس کے کہ میں ان سے پوچھوں گریبان پکڑ کر۔ یا کلاشنکوف لہرا کر کہ میرے بیٹے کے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ میں تو الٹا ان کا احسان مند ہوں۔ مشکور ہوں کہ تمہیں چھوڑ گئے۔ اگر وہ اتنا احسان بھی نہ کرتے۔ تو۔ ذرا تصور کرو ہم دونوں اس وقت کیا کر رہے ہوتے؟ تمہیں رو رہے ہوتے۔ تمہیں اندازہ ہے بوڑھے والدین جب جوان اولاد کو روتے ہیں تو عرش و فرش بھی ہم نوا بن جاتے ہیں۔ تمہیں ایک بار ہمارا خیال نہ آیا۔" سلطان حیدر نے رونا شروع کردیا تھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم ایسی حرکت کرو گے؟ مجھے اب تک یقین نہیں آرہا۔"

جاذب کی سوجی آنکھوں میں مسکان کی چمک ابھری۔

"مجھے خود بھی یقین نہیں کہ میں نے یہ سب کیا یا یہ کہ میں کیا کچھ کروں گا مگر میں بے بس ہوں۔"

"ہمیں آزمائش میں مت ڈالو بیٹا!" جاذبہ بڑبڑائی تھیں۔

✿ ✿ ✿

"بس ٹھیک ہے بارہ جماعت۔ ہم نے کون سی نوکریاں کروانی ہیں۔" مجاہد تاج نے روایتی جملہ کہا۔

"تو؟" زاہدہ نے شوہر کی صورت دیکھی۔

"تو کا مطلب یہ ہے کہ رشتہ وغیرہ دیکھو۔ نہ ہی وہ ضوفی کی طرح پڑھائی کے معاملے میں جنونی ہے۔ نہ ہی کوئی خاص مضمون پڑھ رہی ہے۔ مائدہ کے ساتھ ہی ماجدہ کو نبٹانے کی بات کر رہے ہیں بھائی جان۔ اگر اللہ سبب بنادے گا تو ہم بھی اپنا فرض پورا کردیں گے۔"

"جی!" زاہدہ نے سات ماہ کے عرصے کو پل بھر میں گن لیا۔ "اتنی جلدی کیسے؟"

"میں نے اندازہ بتایا ہے اگر مل جاتا ہے تو کردیں گے۔ گھر بٹھانے کا کیا مقصد۔ یہ بے وقوفی سی بے وقوفی ہے۔ آج ایک رشتہ آیا ہے کل کو اور بھی آئیں گے۔ اب کمروں میں بند تو کر نہیں سکتے۔ حالانکہ لڑکیوں کو بند کمروں ہی میں رکھنا چاہیے۔" ان کا لہجہ اگ ہوگیا۔ زاہدہ نے نظریں چرالیں۔

"شادی نہ بھی ہو ایک نام ہوجائے تو لوگوں کے منہ بند ہوجاتے ہیں۔"

زاہدہ آگے ایک بھی لفظ نہ کہہ سکیں۔

"اب ایسے ہتھیلی پر سرسوں کون جماتا ہے۔" وہ جٹھانی کے آگے رو پڑیں۔ "ایسی جلد بازی میں تو للو پنجو ہی ملیں گے ناں۔ ابھی مائدہ وغیرہ کی شادی میں ساری برادری اکٹھی ہوگی تو سب ہی منہ پھاڑ کر مانگنا

شروع کردیں گے اور کہاں ہیں ہمارے خاندان میں اچھے لڑکے نہ تعلیم نہ عقل۔"

"اوپر سے اس کی صورت۔" زاہدہ کو پہلی بار بیٹی کی صورت بری لگی۔

"پاگل ہو تم۔ نکمے نکھٹوؤں کی مائیں رال ٹپکائیں گی۔ تو اچھے سلجھے بھی تو آئیں گے ناں۔"

"وہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ اور وہ بھی پہلے سے بک ہیں۔ کیا کسی نے چھوڑے ہوں گے۔"

"ایک چیز صبر توکل بھی ہوتی ہے۔" تائی جی نے قصہ کوتاہ کیا۔

"پتا نہیں کیوں۔" زاہدہ کا جملہ اٹکا "مجھے تاباں کے لیے بہت ڈر لگنے لگا ہے میری چھٹی حس۔"

"اللہ خیر کرے گا۔ بھروسا رکھو۔"

چاچی جی کے کانوں میں یہ نئی بات پڑی تو وہ ہاتھ نچا کر کے سب کی موجودگی میں بول پڑیں۔

"اتنی تکلیف کس لیے بھئی! میرے بیٹے بھی تو ہیں۔ یا انہیں صرف لڑائی بھڑائی کرنے کے لیے پال رہے ہیں۔"

مجاہد تاج نے مشاہد تاج کو مسکرا کر دیکھا۔

✿ ✿ ✿

زاہدہ نے میاں کے ساتھ ہونے والی گفتگو جس نے نیا رخ اختیار کرلیا تھا۔ نازاں اور افشاں کو فون پر سنائی۔ تب تاباں اور ضوفشاں نے بھی دل پر ہاتھ رکھ کر سب سنا۔ بے یقینی حد سے سوا تھی۔

"وہ کہتے ہیں کہ جوانی میں لڑکے ایسے ہی ہوتے ہیں لاپرواہ شوخے اور یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے۔ اپنا کاروبار ہے۔ پھر سگے چچا کا بیٹا۔ کسی چھان بین کی ضرورت نہیں۔ میں نے پڑھائی کی بات کی تو جھاڑ دیا۔ تمہاری لڑکی بارہ اور وہ میٹرک میں نے کہا۔ میٹرک کے پیپر نہیں دیے تھے شکیل نے۔ دانت پیس کر بولے کہ نکاح نامے میں میٹرک کی سند لگانا بھی نہیں ہے۔ اور دوسرے انہوں نے کون سا شادی کے بعد کوچنگ سینٹر کھولنا ہے۔"

"ہاں ہیں وہ سگے چچا کے بیٹے۔ جمیل والی بات نہیں ہے ان میں۔ جمیل ددھیال میں پلا بڑھا اور وہ ننھیال میں۔ کسی نے لڑکپن کے زمانے ہی سے ان کی حرکات کو پسند نہیں کیا۔ سب نے اپنے طور سدھارنے کی کوشش کی۔ پھر ناکام ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔ اب وہ بنے بنائے اپنے نانا ماموں ہیں۔ ایک جہالت سی ہے۔ عورت کی عزت قطعاً نہیں کرتے اور تاباں کا کوئی جوڑ ہے ان کے ساتھ؟"

ضوفی کا دھیان ماضی کی جانب گیا۔ تاباں بھی اس نہج پر سوچ رہی تھی۔ چاچی جی اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ ان کی اماں کو لقوہ ہوا تو اکلوتی بیٹی ہونے کے ناتے وہ بھاگ بھاگ کر ان کی تیمارداری کے لیے جاتیں۔ بڑا جمیل اسکول میں پڑھتا تھا۔ پانچ سالہ شکیل چار سالہ عقیل ماں کے ہمراہ ننھیال۔ اماں شدید ترین بیماری کے ہمراہ سات سال زندہ رہیں۔ عقیل و شکیل نے زمیندار نانا ماموں کی تمام عادات و خصائل اپنے اندر کوٹ کوٹ کر بھرلیں۔ جب وہ گھر لوٹے تو سب سے الگ دکھائی دیتے۔ غلیل سے کھیلتے، مرغے لڑاتے۔ کتوں کو پچکارتے۔ اور لہجے اپنے ماموں جیسے بلند، ڈنگر، دو ٹوک۔ ہلکی بات پر بھی یوں لگتا جیسے لڑ رہے ہوں اور لڑتے وقت لگتا، مر رہے ہوں یا مار رہے ہوں۔

چاچی جی کے باقی تین بچے۔ جمیل۔ رانیہ، سونیا۔ اس گھر کے بچے لگتے اور وہ دونوں مہمان۔ ایسے مہمان جس کے جانے کا پل پل گنا جائے۔

بچپن کے شوق ختم ہوئے تو جوانی کے نئے شوق بھی نرالے تھے۔ اڑتی پڑتی سب سنتے تھے۔ بعض اوقات سرزنش بھی کی جاتی بعض جگہ آنکھ بچالیتے۔

"اور اب ابا نے کہا جوانی میں سب ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ذمہ داریوں کے بعد سب سدھر جاتے ہیں۔ پہلے خود کہا تھا تاباں کا کوئی جوڑ نہیں ہے اور اب کہتے ہیں بچہ بغل میں ڈھنڈورا شہر میں۔"

نہر کے مین روڈ والے سرے پر چند ریڑھی فروش

کھڑے ہوتے تھے۔ سوپ والا۔ برگر والا گرم۔ خوشبو دار دودھ اور پاپ کارن۔ شدید سردی میں بھی لوگ اس یخ بستہ ماحول کو انجوائے کرنے کے لئے گاڑیاں روک لیتے تھے مگر یہاں اس کے گھر کے عین سامنے ایسی کوئی رونق نہیں تھی۔ پیچھے کھیت تھے جہاں صرف چارہ اگایا جاتا تھا۔ دن بھر میں چرواہے ہوتے اور گائے بکریاں۔

البتہ دوپہر کے بعد اور شام کے بعد تو بچ مچ کا سناٹا طاری ہو جاتا۔ کوئی بھولا بھٹکا۔ لیکن اگر وہ لڑکا بھولا بھٹکا تھا؟

تو ایک ہی بھول بار بار کیوں؟

وہ بار بار بھول کر ادھر آکر ہی کیوں رکتا تھا؟ یہ اور اس جیسے بہت سے سوال۔ جواب ندارد۔

آج وہ سائیکل بھی ساتھ لایا تھا۔ سائیکل کی باسکٹ میں کتابیں تھیں۔ تو وہ پڑھتا بھی ہے۔ ہاں تو کچھ لوگ پڑھنے کے لئے خاموش ویران جگہ کا انتخاب کرتے ہیں کہ یکسوئی برقرار رہے۔ اسے کچھ تسلی ہوئی۔ اس جانب دھیان کیوں نہ دیا۔ مگر تسلی کی عمر مختصر۔ وہ اس گہرے اندھیرے میں کیا پڑھ پائے گا۔

کیا پتا وہ کوچنگ وغیرہ سے واپسی پر سستانے بیٹھ جاتا ہو۔

مگر وہ اس کے گھر کی کھڑکی کو ہی کیوں دیکھتا تھا۔

اس نے مہنگی جیکٹ پہن رکھی تھی اور کالر اوپر کیے تھے۔ کانوں پر کن ٹوپ لگے تھے۔ جیکٹ کی آستین کھینچ کر اتنی دراز کر لی تھیں کہ بس انگلیاں باہر تھیں اور اس کے ہاتھ میں پاپ کارن کا پیک تھا۔

ایسے کمرے کی کھڑکی سے دیکھنے پر وہ بہت دور دکھائی دیتا تھا۔ اس لیے وہ ہمت کر کے مین گیٹ تک چلی آئی۔ وہ ایک جھری سے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ بہت واضح نظر آ رہا تھا۔

وہ بہت کم عمر تھا۔ وہ حیران رہ گئی۔ گرم ٹوپے نے پیشانی کو چھپا رکھا تھا مگر پھر بھی اسے اندازہ ہوا وہ بے پناہ خوب صورت تھا۔ دل موہ لینے والا نقشہ۔ اس کی آنکھوں میں مجموعی طور پر ایک خالی پن تھا۔ وہ جیسے ارد گرد سے بے پروا تھا کہیں اور مگن۔ آتی جاتی کسی گاڑی کا تعاقب کرتا جب تک وہ حد نگاہ میں رہتی۔ پھر دوبارہ اس کے گھر کی جانب دیکھنے لگتا۔ خاص طور پر کھڑکی کی طرف۔

بند کھڑکی دیکھ کر مایوس نہیں ہوتا تھا۔ وہ اٹھ کر ٹہلنے لگتا۔ نہر کے پانی میں کنکر مارتا۔ اندھیرا اب مزید سیاہی کی جانب مائل تھا۔ وہ یکدم ہاتھ جھاڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اپنی سائیکل کے پاس گیا پھر نیچے بیٹھ کر اس کے ٹائر کی ہوا چیک کی۔ چہرے پر اطمینان سا آ گیا۔ سائیکل پر بیٹھنے سے پہلے اس نے ایک بار پھر اس کے گھر کی کھڑکی کو دیکھا تھا۔

کوئی مایوسی نہیں تھی۔ کوئی پریشانی بھی نہیں ہوئی۔

وہ سائیکل کو لے کر جب مین روڈ پر چڑھا تو مزید واضح ہو گیا۔ اس کی ناک بے حد خوبصورت تھی اور ہینڈل پر دھرے ہاتھ بہت نرم محسوس ہوئے۔ اس نے پیڈل مارا اور منٹوں میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

وہ طویل سانس لے کر پیچھے ہوئی۔

اسے یکدم ٹھنڈ بڑھنے کا احساس ہوا۔ وہ اب اندر کی جانب بڑھ رہی تھی مگر چال کا ٹھہراؤ اور نپے تلے قدم بتاتے تھے گہری سوچ میں ہے۔

کس سے کہوں؟ اور کہوں بھی تو کیا؟ نہر میرے گھر کے پاس ہے مگر میری جاگیر تو نہیں۔ ہاں مگر میں باز پرس کر سکتی ہوں کہ تم میرے گھر کو کیوں دیکھتے ہو۔ اور میری کھڑکی کو۔

لیکن اگر وہ مکر گیا تو میرے پاس کیا ثبوت؟

مگر وہ ہے کون۔ لباس قیمتی تھا اور نیا بھی۔ سائیکل بھی بہت اچھی تھی۔ اور شکل و صورت سے کسی بہت اچھے شریف خاندان کا لگتا ہے۔

"خوب صورت ہے۔ خصوصاً "ناک۔"

سوچوں کا سرا ہاتھ سے چھوٹ گیا تو قدم رک گئے۔

اسے یکدم احساس ہوا۔ اسے یہ ناک جانی پہچانی لگی ہے۔ جیسے پہلے بھی دیکھی ہو۔ مگر کہاں۔ اور ہاتھوں کی ملائمت۔

مگر وہ ناک۔۔۔ اس نے بے ساختہ اپنی ناک چھوئی، جو برف بنی ہوئی تھی۔

اس کا دل چاہا وہ پلٹ کر جائے اور ایک بار پھر اس چہرے کو دیکھے۔ خاص طور پر وہ ناک۔

☼ ☼ ☼

"میرا رنگ اڑنے کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے۔ تم اتنی حواس باختہ کیوں ہو ضوفی؟" تاباں کے سوال نے ضوفی کو چونکا دیا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ جہاں تاباں مجاہد کو شکیل ساجد کے حوالے کیا جا رہا ہے۔ وہیں ضوفشاں مجاہد کے لیے عقیل ساجد کا نام منتخب کر لیا گیا ہو۔ وہ کیا کہتے ہیں ہاتھ کنگن کو آرسی کیا یعنی لگے ہاتھوں۔" تاباں کے جملے نارمل تھے مگر لہجے کا طنز اور آنکھ سے نکلتے شرارے۔

ضوفی کا سر جھک گیا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے چہرے کے تاثرات کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

"تو پھر جیسی بات ہے تم بتا دو۔ تمہیں شاید خبر نہیں تمہارا چہرہ آئینہ بن چکا ہے۔ سب نظر آ رہا ہے بس سمجھ میں نہیں آ تا کہ۔"

ضوفی نے چاروں جانب دیکھا۔ اس کمرے کو وہ مائدہ اور ماجدہ کے ساتھ شیئر کرتی تھیں۔ ساتھ ہنستی بولتی روتی گاتی تھیں۔ لیکن پتا نہیں کب۔ وہ دو الگ ہو گئیں۔ ان دونوں سے کٹ گئیں۔ ان کے بیچ ایک ایسا راز آ گیا تھا جو مائدہ اور ماجدہ کو بتانے کا نہیں تھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے تاباں!" وہ تاباں کے نزدیک کھسک آئی۔

"ڈر۔ کس بات کا ڈر۔" تاباں بری طرح چونکی۔

"پتا نہیں مجھے تمہیں یہ بات بتانی چاہیے کہ نہیں۔" ضوفی کی ہچکچاہٹ ہر عضو سے عیاں تھی۔ "لیکن اگر میں کسی کو نہ بتاؤں تو میرا دل شاید پھٹ جائے۔"

"کیا بات ہے؟" تاباں کے چہرے پر سراسیمگی پھیلی۔ ضوفی اتنی آسانی سے پریشان ہونے والی چیز نہیں تھی۔

ضوفی چند لمحے تک تاباں کا چہرہ دیکھتی رہی۔ پھر اس نے اٹھ کر دروازہ چیک کیا۔ اس کی اس حرکت نے تاباں کے تجسس کو ہوا دی۔

"میں نے۔ میں نے ایک بار اور پھر کئی بار اسے روڈ کے اس پار دیکھا ہے۔"

"وہ۔ وہ تو اسپتال میں تھا ناں۔ بہت عرصے تک حرکت کے قابل بھی نہیں تو۔ وہ کیسے۔"

"ہاں مگر وہ پٹیوں اور پلاسٹر میں جکڑا لنگڑاتا ہوا یہاں سے گزرا۔ اور وہ اکثر۔۔۔ شرنگ کی لکڑیوں کے ڈھیر کے پاس کھڑا ہو کر ادھر ہمارے گھر کی جانب دیکھتا رہتا ہے۔ جیسے کچھ کھوج رہا ہو۔"

"تمہیں یقین ہے ضوفی۔" تاباں بہت دیر بعد بولنے کے قابل ہوئی تھی۔ ضوفی نے جواب نہ دیا۔ "اور تمہیں ڈر کس چیز کا لگ رہا ہے۔ کس کے لیے۔"

"بس مجھے کسی انہونی کا احساس ہو رہا ہے۔ نجانے کیوں میری چھٹی حس۔۔۔"

"وہ کیا چاہتا ہے ضوفی!" تاباں نے یہ سوال خود سے ہزار بار کیا تھا۔ آج ضوفی سے بھی کر لیا۔

"تمہیں یقین ہے وہ۔ وہی ہے۔"

"میں نے اسے دیکھا ہے تاباں!" ضوفی نے سر پیٹا تھا۔

"اور۔" تاباں کے لب کھلے ضوفی اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ تاباں کا اور واضح تھا لیکن آگے کا جملہ خود کلامی میں ڈھل گیا۔ وہ جیسے کھو گئی تھی۔

"اور میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا ضوفی!"

"کیا؟ ضوفی کا رنگ فق ہو گیا۔ سادہ جملے کے اندر چھپا تجسس، قلق، بے چینی آمیز اشتیاق۔

ضوفی کو اپنے قدموں کے نیچے سے زمین سرکنے کا احساس ہوا تھا۔

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

سائرہ رضا

تاباں کا تعلق ایک کھاتے پیتے گھرانے سے ہے جہاں تین بھائی شاہد تاج' مجاہد تاج اور ساجد تاج مشترکہ خاندانی نظام کے تحت مل کر رہتے ہیں۔

مشاہد تاج کی دو بیٹیاں ماجدہ اور مائدہ ہیں اور دو بیٹے ہیں راشد اور ارشد جو مدرسے میں پڑھتے ہیں۔

مجاہد تاج کی چار بیٹیاں نازاں' افشاں' تاباں اور ضوفشاں ہیں اور ایک بیٹا کاشان ہے۔ جس سے سب بہنیں خصوصاً" تاباں بہت محبت کرتی ہے۔

ساجد تاج کی بیوی کا تعلق ایک دیہاتی ان پڑھ گھرانے سے ہے۔ ان کے تین بیٹے جمیل' شکیل اور عقیل ہیں اور دو بیٹیاں رانیہ اور سونیا ہیں۔

جمیل پڑھے لکھے ہیں' اچھی ملازمت ہے جبکہ عقیل اور شکیل اجڈ' گنوار اور وحشی ہیں اور تاباں ان سے بہت نفرت کرتی ہے۔

جمیل کی منگنی ماجدہ سے ہو چکی ہے' خاندانی روایتوں کی بنا پر برادری سے باہر لڑکی نہیں دی جا سکتی' اس لیے مائدہ کا رشتہ کرنے میں دشواری ہو رہی ہے۔

نازاں اور افشاں خوب صورت' پڑھی لکھی سلیقہ شعار لڑکیاں ہیں لیکن اسی بے ہودہ روایت کی بھینٹ چڑھی ہیں۔ ان کی شادی خالہ کے بیٹوں رضوان اور عمران سے ہوئی ہے۔ رضوان عمران نہ صرف کم صورت اور جاہل ہیں بلکہ کماتے بھی نہیں۔ جس کا تاباں کو بہت دکھ بھی ہے۔

ضوفشاں ڈاکٹر بننا چاہتی ہے۔ وہ بے حد ذہین ہے۔ ہر کلاس میں ٹاپ کرتی ہے۔ لیکن اسے آگے پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک موقع پر وہ اپنی ذہانت سے باپ سے منوا لیتی ہے اور وہ اسے ڈاکٹر بننے کی اجازت دے دیتے ہیں۔

مائدہ کے رشتے کے لیے برادری کی ایک رشتہ کرانے والی خاتون کی خدمات لی جاتی ہیں۔ وہ مائدہ کی تصویریں لے جاتی ہیں' ان تصویروں میں غلطی سے تاباں کی تصویر بھی چلی جاتی ہے۔

سلطان حیدر اور جاذبہ کے ہاں شادی کے کافی عرصہ بعد ایک بیٹا پیدا ہوا ہے۔ دونوں اس سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ جاذب سلطان بے حد خوب صورت ہے۔ پڑھا لکھا ہے' جائیداد کا اکلوتا وارث ہے۔ جاذبہ چاہتی ہیں کہ وہ جاذب کی شادی کر دیں۔ اس سلسلے میں وہ رشتہ کرانے والی خاتون سے مدد لیتی ہیں۔ خاتون ان کے پاس تصویریں لے کر آتی ہیں۔ ان

مکمل ناول

پاکستان ویب اور ریڈرز کی پیشکش

تصویروں کو دکھاتے وقت تاباں کی تصویر بھی نکل کر گر جاتی ہے جاذب سلطان کی نظر اس پر پڑ جاتی ہے۔

تاباں غیر معمولی خوب صورت ہے۔ اس کی پسند بہت اعلا ہے۔ وہ بہت نازک مزاج ہے 'چھوٹی چاچی جی اس سے حسد کرتی ہیں۔ جاذب سلطان اس تصویر کو دیکھ کر ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے اور ضد پکڑ لیتا ہے کہ اسی لڑکی سے شادی کرے گا ۔سلطان حیدر اور جاذبہ رشتہ لے کر جاتے ہیں۔

تاباں کے گھر والے صاف انکار کر دیتے ہیں۔

تاباں کی بہن ضوفشاں اور ماں زاہدہ جاذب سلطان اور اس کے گھر والوں سے بے حد متاثر ہوتی ہیں لیکن خاندانی روایت کے سامنے منہ کھولنا ممکن نہیں۔ سلطان حیدر کے بار بار اصرار پر گھر کے مرد انہیں ذلیل کر کے آفس سے نکال دیتے ہیں۔

سب طرف سے مایوس ہو کر جاذب تاباں کو خط لکھتا ہے۔ وہ اپنا نام نہیں لکھتا لیکن تاباں جان جاتی ہے کہ یہ جاذب ہے۔ خطوط کی زبان اتنی خوب صورت ہے اور ان میں اتنی سچائی ہے کہ تاباں جاذب کے بارے میں سوچنے لگتی ہے' وہ ضوفشاں کو یہ خط دکھاتی ہے تو وہ خوف زدہ ہو کر انہیں پھاڑ دیتی ہے۔ جاذب سلطان تاباں کے کالج کے باہر کھڑا ہوتا ہے تاباں اس سے ناواقف ہے' اس نے جاذب سلطان کی شکل کبھی نہیں دیکھی' اس لیے وہ اسے پہچانتی بھی نہیں۔ مجاہد تاج ایک دن اسے کالج سے لینے جاتے ہیں تو جاذب کو کھڑا دیکھ کر آگ بگولا ہو جاتے ہیں۔

وہ گھر آ کر بتاتے ہیں تو شکیل 'عقیل جو لڑائی بھڑائی کے شوقین تھے فوراً" جاذب سلطان کو مارنے کے لیے مستعد ہو گئے۔ جمیل بھی ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے جا کر جاذب سلطان کو اتنا مارا کہ صرف جان لینے کی کسر رہ گئی تھی۔ اس کی ہڈیاں توڑ ڈالیں۔

سلطان حیدر نے ان کی رپٹ درج نہیں کرائی اور اسے بائیک چھیننے کا واقعہ قرار دے کر بات دبا دی۔ مجاہد تاج نے فیصلہ سنا دیا کہ تاباں کے لیے جو بھی رشتہ ملے فوراً" شادی کر دی جائے۔ زاہدہ پریشان ہو گئیں پہلی بار تاباں کی اچھی صورت زہر لگی۔

ضوفی نے تاباں کو بتایا 'جاذب سلطان ان کے گھر کے سامنے آ کر کھڑا ہوتا ہے۔ تاباں کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا ضوفی!"

"کیا؟" ضوفی کا رنگ فق ہو گیا۔ سادہ جملے کے اندر چھپا تجسس 'قلق' بے چینی آمیز اشتیاق۔

ضوفی کو اپنے قدموں کے نیچے سے سرکنے کا احساس ہوا تھا۔

—2—
دوسری اور آخری قسط

"تت... تت تم نے ایسی بات کہی کیسے تاباں"۔ ضوفی بہ دقت بول سکی۔" تمہیں حسرت ہے اسے دیکھنے کی؟"

"تو کیا نہیں ہونی چاہیے؟"

تاباں نے ضوفی کے ٹھہرے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر دور کھڑکی پر نظریں جما دیں جہاں پردہ بہت ہلکے ہلکے ہل رہا تھا۔

"میں بھی تو دیکھوں کہ وہ کیا چیز ہے... جس نے اتنا غدر مچا رکھا ہے۔"

"تمہیں غدر کے بعد کا انجام معلوم ہے۔" ضوفی نے بمشکل آواز کو بلند ہونے سے روکا۔ "فقط تباہی' بربادی' انتقام..."

"تم اتنا اوور ری ایکٹ کیوں کر رہی ہو ضوفی... خواہش ہی تو کی ہے کچھ کیا تو نہیں ہے۔" تاباں کی فطری ہٹ دھرمی عود کر آئی۔" تم جن باتوں کو سوچ کر ہول رہی ہو پتا ہے مجھے ان سب کا... مگر بس یونہی

زندگی کے کسی موڑ پر جب وقت ہر شے پر دھول ڈال دیتا ہے۔ اگر کوئی بھولی بھٹکی یاد دستک دے تو... کوئی شکل تو یاد آئے ناں بس اتنی سی بات ہے اور تم آسمان سر پر اٹھانے پر تلی ہو۔"

ضوفی کے لب باہم پیوست ہو گئے تاباں اپنی کہہ کر جیسے بہت شانت ہو گئی تھی۔ وہ ہلکی پھلکی کمرے سے باہر جانے کو تیار تھی۔

"خواہشیں انسان پر غلبہ پالیں تو انسان سیدھے راستوں کی پہچان کھو دیتا ہے اور غلط راستوں پر چلنے والوں کو فقط رسوائی اور جگ ہنسائی ملتی ہے۔ دوبارہ ایسا خیال آئے ناں تو لاحول پڑھ لینا۔" ضوفی کا لہجہ خوف زدہ تھا تاباں سن کھڑی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

فزیو تھراپسٹ کے ہاتھ مشاقی سے چل رہے تھے۔ نپے تلے ہاتھ... مہارت 'یقین' طمانیت... لیکن اس کے چہرے و انداز سے بڑھ کر طمانیت مریض کے چہرے پر تھی۔ وہ کانوں میں ہینڈ فری ٹھونس لیا کرتا تھا یا کبھی ریموٹ پکڑ کر چینل بدلتا بے فکر' پرسکون' بالکل فارغ...

جبکہ دوسری جانب جاذب سلطان ٹکٹکی باندھ کر ڈاکٹر کے ہاتھوں کو دیکھا کرتیں۔ کہیں ٹانگ میں کوئی نقص رہ تو نہیں جائے گا...؟ وہ پہلے ہی کی طرح صحیح سلامت چلا کرے گا۔ بھاگے دوڑے گا ناں...؟ وہ بار بار سوال کرتیں' ظاہری گھاؤ جلد بھر گئے۔ پٹیاں بھی کھل گئیں۔ مگر شانے کے پاس گردن میں ناقابل

برداشت درد تھا اور دوسرے پلاسٹر کھل جانے کے بعد شاید پنڈلی کی ہڈی میں کوئی کسر رہ گئی تھی۔ چلتا تو ہر قدم پر چہرہ تکلیف کے باعث کھنچی دیوار بن جاتا۔ وہ اسٹک کے سہارے چلنے لگا تھا اور کبھی کبھار باہر بھی نکلنے لگا۔

"کہاں چلے جاتے ہو جاذب؟ آرام کیا کرو۔" جاذبہ کی نگاہیں اس کے قدموں سے بندھی رہتیں۔

"ڈاکٹر کہتے ہیں میرے لیے چلنا سب سے بہترین ایکسر سائز ہے۔"

"اگر جو ہڈی میں کوئی ٹیڑھ رہ گئی تو؟" وہ بمشکل خدشہ زبان پر لائی تھیں۔

"ماں! میری ماں..." وہ ایک ہاتھ کو اسٹک پر جما کر سارا وزن اس پر ڈالتا اور دوسرا ان کے شانے پر۔

"ہڈی کی ٹیڑھ ختم ہو گئی تو میرے پاس رہے گا ہی کیا... آپ دعا کریں یہ ٹیڑھ سلامت رہے۔" وہ دل نوازی سے مسکراتا جیسے کہیں کھو جاتا۔

"تم جاتے کہاں ہو؟"

"بس وہیں تک... جہاں تک کا راستہ یاد ہے۔"

☼ ☼ ☼

تاباں مجاہد کسی بھی شے کو سر پر سوار کرنے والی فطرت لے کر پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔ بڑی سے بڑی بات کو چٹکیوں میں اڑا دیتا۔ ٹھٹھک کر سننا' چند پل ٹھہرنا اور پھر شانے اچکا کر لاپروائی سے گزر جانا بچپن کی عادت تھی جو اب فطرت بن کر لہو میں گردش کرتی تھی۔ لیکن اس بار کچھ الگ ہو گیا تھا۔ ذہن و دل منجمد ہو گئے تھے۔ روشنی چونکاتی تھی۔ تاریکی بجھا دیتی تھی

سانحہ ارتحال

کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ زبیر احمد کے خسر سید محمد نذر صاحب طویل علالت کے بعد راہیٔ ملک عدم ہوئے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلا مقام عطا فرمائے۔ ان کے اہلِ خانہ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

پردے کی ذرا سی جنبش جیسے گاؤں کو تھپتھپا جاتی۔ ہوا پیغام محسوس ہوتی ایک بے یقینی اور ہراس آنکھوں کا مستقل مہمان بن بیٹھا تھا۔

ہاں اب معلوم نہیں جانتے بوجھتے یا غیر ارادی طور ضوفشاں یونہی آتے جاتے کھڑکی کے پاس ٹھہر جاتی۔ پٹ بند کرنے کے لیے یا پردہ برابر کرنے کے واسطے اور بظاہر لاتعلق بنی تاباں عجب سے امید و بیم کے عالم میں چور نظروں سے اسے دیکھ لیتی۔ ضوفی کے چہرے پر طمانیت پھیل جاتی تو سکھ کا ایک سانس اس کے ہونٹوں سے بھی خارج ہو جاتا۔ دونوں بہنوں کی نگاہیں اس پل اگر ایک دوسرے سے ٹکراتیں تو آسودگی کا ایک پیام نشر ہو جاتا۔ سب اچھا ہے کی رپورٹ۔۔۔۔ (باہر کوئی نہیں ہے)۔

دونوں اپنے اپنے کاموں میں مگن ہو جاتیں۔ مگر پتا نہیں کیوں اس آسودہ پل کے گزر جانے کے کچھ دیر بعد تاباں مجاہد پر ایک جھنجلاہٹ طاری ہو جاتی ایک بے نام سی کیفیت جسے سمجھنے سے وہ قاصر تھی۔ ناقابل فہم ناقابل بیاں۔۔۔۔

اسے لگتا اس کا دل بجھ گیا ہے۔ یا پھر جل اٹھا ایک سلگتا احساس تن من پھونکنے لگتا۔ اپنے گرد و پیش پر نگاہ دوڑاتی۔ تو سب مگن نظر آتے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔۔۔۔ (اور اگر کچھ ہونے والا تھا تو اسے روک دیا گیا بزور شمشیر۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔۔)

☼ ☼ ☼

بڑے دنوں بعد ایسے تازگی بھرے پل میسر آئے تھے۔ وہ نہائی دھوئی نکھری ستھری چھوٹے سے لان میں نکل آئی۔ گہرے نیلے چوڑی دار پاجامے اور دوپٹے کے درمیان گہرا جامنی کرتا تھا۔ بال ابھی نم تھے مگر سلجھا کر دائیں جانب ڈال رکھے تھے۔ پیروں میں جوتی اتفاق سے نیلے رنگ کی مل گئی تھی تو وہ بھی چڑھا لی (ماجدہ کی جوتی)

اپنی سائیکل کے ساتھ نبرد آزما۔۔۔۔ کاشان نے اسے دیکھ کر پہلے تو خوشی سے چلانا چاہا مگر جب اسے خود میں اتنی بری طرح مگن دیکھا تو برا سا منہ بنا کر دوبارہ نٹ پانے کے ساتھ لگ گیا۔ سائیکل کی چین اتر گئی تھی۔ تاباں کو چین چڑھانا۔۔۔ آتی تھی۔ مگر وہ اتنی زیادہ تیار تھی کہ بس۔۔۔ کاشان نے جھنجلا کر پیچ کس پٹخا۔ تاباں بری طرح چونکی۔

"ہائے!" اس نے شکوہ کناں خفگی آمیز سوجے سوجے منہ والے چہرے کے ساتھ بیٹھے کاشان کو دیکھا۔ "یہ تمہیں کیا ہوا ہے؟" وہ پیروں کے بل بیٹھ گئی۔

"دوستوں کے ساتھ ریس لگائی تھی۔ اس روڈ سے گراؤنڈ گھوم کے آنا تھا۔۔۔ مگر یہ۔۔۔ یہ چین اتر گئی اور چڑھتی ہی نہیں۔"

"میں ہوں ناں۔۔۔ میں چڑھا دیتی ہوں۔"

"اتنا تیار ہو کر آپ نے آج تک کسی کا کام کیا ہے جو میرا کریں گی۔"

"کسی میں۔۔۔ اور تم میں کتنا فرق ہے" "تمہیں آج تک یہی پتا نہ لگا میرے شہزادے!" تاباں نے بسورے منہ کو چومنے سے بمشکل خود کو روکا۔ آستین کو موڑا، دوپٹا سرخ اینٹوں والے فرش پر ذرا دور اڑا دیا۔

"پہلے ایسے۔۔۔ پھر ایسے۔۔۔ اس کے بعد تین تک گنتی یعنی ایک دو تین اور چین اوپر۔۔۔ یہ۔" اس نے پیڈل کو الٹا پھر سیدھا گھما کر دکھایا کاشان کا پورا چہرہ جگمگا اٹھا۔

"اب تم تیار ہو جاؤ ورنہ دیر ہو جائے گی۔" تاباں ہاتھ آگے کی جانب بڑھاتے ہوئے اٹھی۔ اس کے ہاتھوں پر گریس لگی ہوئی تھی۔

"میں تو تیار ہوں ہی۔۔۔" کاشان نے کسی فوجی جوان کی طرح سیلوٹ کے سے انداز میں کھڑے ہو کر دکھایا۔ وہ برمودا کے ساتھ پیلی شرٹ میں بے پناہ جچ رہا تھا۔ "بلکہ میں ہمیشہ تیار ہی رہتا ہوں اچھا لگ رہا ہوں ناں؟"

"میرا گڈا برا لگ ہی نہیں سکتا۔" تاباں کا لہجہ محبت سے چور چور تھا۔ وہ لان کے سرے پر لگے نلکے کے پاس جا کر اپنے ہاتھ مل رہی تھی۔

"دیکھو کاشان! دھیان سے چلانا کہیں چوٹ نہ۔۔۔"

"مجھے ریس جیتنی ہے۔" وہ جاگرز کے لیس بند کر رہا تھا۔

تاباں دوپٹہ شانوں پر جما رہی تھی کرتے کی سلوٹیں ہاتھ سے درست کر رہی تھی۔

"بھلے ہار کے آجانا مگر ذرا سی خراش بھی نہ آئے بلکہ تمہیں پینٹ پہننا چاہیے تھی خدانخواستہ گر گئے تو گھٹنے چھل سکتے ہیں۔"

"آپ نے ہار کا نام ہی کیوں لیا؟" کاشان کرنٹ کھائے انداز میں مڑا تھا۔ "مجھے ہارنا کبھی پسند نہیں ہے آپا۔۔۔!"

"اے کاشان سنو!" تاباں یکدم پیچھے لپکی۔ "یہ تمہاری آنکھ کے پاس کیا ہے؟ شاید گریس لگی ہے ادھر رکو ذرا۔"

کاشان آگے آیا تب تاباں نے ذرا جھک کر دیکھا دائیں آنکھ کے کونے پر لکیر کی صورت گریس کا دھبا تھا۔ اس نے بے حد فکرمندی سے اپنا نیا دوپٹا زبان کی نوک سے نم کیا اور پھر احتیاط سے دھبے کو مٹا دیا۔

"میری مانو اب ایک بار آنکھ دھو بھی لو۔"

"آپ نے صاف کر تو دیا ناں۔"

"نہیں کاشان! ایسے خطرناک ہوتا ہے بلکہ لاؤ میں خود دھلوا دیتی ہوں۔" وہ اسے لیے نلکے کے پاس بڑھی خوب تسلی کے بعد اسے جانے دیا۔

"میں اچھا لگ رہا ہوں ناں آپا! اور میں ہاتھ ہوا میں لہرا کر بھی سائیکل چلا سکتا ہوں۔" گھر سے نکلتے ہی وہ اپنے پر پرزے دکھانے لگا۔

"اللہ!" تاباں نے دہل کر دل پر ہاتھ رکھا۔ "خدا کی قسم کاشان تم۔۔۔ تم یہ سب کرو گے۔۔۔"

"یہ تو صرف آپ کو دکھا رہا ہوں۔ مجھے تو اور بھی بہت سے کرتب آتے ہیں۔" وہ پیڈلز پر کھڑا ہو کر سائیکل چلانے لگا۔

"میں امی کو بلانے لگی ہوں کاشان۔۔۔ بند کرواتی ہوں یہ سائیکل کا ڈراما۔ آٹھ سال کا بچہ اور۔۔۔ اور ہائے۔"

"میں نو کا ہونے والا ہوں۔" وہ اب رخصت کو تیار تھا۔

"نو کے بھی ہو گئے تو ایسی حرکتوں کی اجازت نہیں ملے گی۔" وہ چلائی اور باہر نکل آئی کہ وہ تو تیزی سے بھاگ رہا تھا۔ کافی آگے جا کر گردن گھما کر اسے دیکھا۔ اب وہ ہاتھ چھوڑ کر سائیکل چلا رہا تھا۔

تاباں نے شدید خوف کے عالم میں آنکھیں موند لیں۔ کاشان نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کر اسے دیکھا۔ گھنٹی بجا کر اسے متوجہ کیا اور یہ جا وہ جا۔

تاباں نے شانے والے دوپٹے کو سر پر ٹکایا اور چند قدم اور آگے سرک آئی۔ مگر اب فقط خاموشی تھی۔

تھوڑی دیر بعد کاشان ہی کی عمر کے چند بچے خوب شور مچاتے سائیکلوں پر وہاں سے گزرے تاباں کی بے چینی حد سے سوا تھی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کرے اس نے وہیں کھڑے کھڑے آیت الکرسی پڑھنی شروع کر دی۔ گھر بھر کا چہیتا لاڈلا بچہ اور ان کا اکلوتا بھائی۔۔۔ اسے ایک سے ایک برا خیال تواتر سے آ آ کر تنگ کر رہا تھا۔

اس کی متلاشی نگاہیں کبھی ادھر ہوتی تھیں اور کبھی ادھر۔۔۔ کھوج اور بے چینیاں۔۔۔

"تم۔۔۔!" ایک بے یقین غصیلی۔۔۔ شکوک سے پر آواز اس کے سر پر گونجی وہ بری طرح سٹپٹا کر پلٹی۔

"تم ادھر کھڑی کیا کر رہی ہو؟" دوسری آواز پہلی سے زیادہ مشکوک تھی۔

"وہ۔۔۔ میں ادھر کاشان سائیکل پر۔"

کدھر کاشان؟؟؟ وہ تو ادھر گراؤنڈ میں اپنے دوستوں کے ساتھ ہے ہم ابھی دیکھ کر آرہے ہیں۔ تم کس کے انتظار میں ادھر کھڑی تھیں؟"

"کسی کا انتظار بھی نہیں۔۔۔ میں نے کہا ناں۔ وہ کاشان۔"

"ہمارے گھر کی لڑکیاں کب اس طرح دروازوں پر کھڑی ہوتی ہیں؟"

"اور اتنا سج بن کر۔۔۔" عقیل نے اسے بغور سرتاپا دیکھا اور شکیل کو دکھایا۔

شکیل کے ہونٹ سکڑے پھر آنکھیں.....وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

تاباں اتنی آسانی سے ہراساں ہونے والی نہیں تھی مگر تابڑتوڑ سوالات..... اور انداز۔

اور کوئی وقت ہوتا تو..... تو وہ بری طرح جھڑک کر انہیں سیدھا کردیتی مگر اس وقت اس کے لب جنبش بھی نہ کرسکے۔

"اب یہاں کھڑی کیا کررہی ہو' چلو اندر....." عقیل دھاڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

تاباں نے سوچا' جملے زیادہ سنگین تھے یا چہرے کے تاثرات یا آنکھوں کی بے یقینی یا سب کچھ ہی بہت عجیب وغریب تھا۔ ناقابل یقین اور..... اور..... ناقابل برداشت۔

ہاں اس کے لیے اس صورت حال کا سب سے موزوں نام ناقابل برداشت تھا۔ وہ ڈائننگ چیئر کی پشت پر ہاتھ ٹکائے کھڑی تھی۔

"آپ سب مجھے اس طرح کٹہرے میں کھڑا نہیں کرسکتے ابا!"

"تو پھر کیا خط لکھ کر بھیجیں کہ۔" عقیل نے بہت جارحانہ طنزیہ انداز میں کسی نامعقول جملے کا گلا خود ہی گھونٹا۔ دونوں بھائی اسے پلکیں جھپکائے بنا گھورے ہی جارہے تھے۔

"میں صرف اپنے ابا ہی کو جواب دوں گی۔ سمجھے..... کیوں ابا؟" اس نے انہیں اوقات یاد دلانے کی کوشش کی۔

"لڑ بھڑ کے تو ہم آئے تھے۔ چوٹیں تو ہمیں لگی ہیں۔" شکیل نے اپنا ہاتھ ذرا سا بلند کیا۔

اس دن جاذب سلطان کی ٹھکائی کے وقت وہ ہر لحاظ سے حاوی تھے اور اسے نیم جان چھوڑ آئے تھے مگر نجانے کیسے شکیل کا پیر لڑکھڑایا تھا۔ بھاگتے ہوئے پوری طاقت سے اس کا ہاتھ دیوار سے ٹکرایا۔ کسی ابھری ہوئی کیل نے ہاتھ کی پشت پر لکیر نما زخم بنادیا۔

جو اتنے دنوں بعد بگڑ گیا تھا۔ ہر روز بینڈیج ہورہی تھی۔

"تو تمہیں کس نے کہا تھا کہ جاکر جانور بن جاؤ۔ مارنے کوٹنے کے لیے بیٹ بلے لے کر جاؤ گے تو بے خیالی ہی میں سہی کبھی کبھار وار پلٹ بھی جاتا ہے۔"

"تاباں.....!" زاہدہ سمیت سب کی سانسیں خشک ہوگئیں (کیا اس نے جاذب سلطان کی طرف داری کی تھی؟؟؟)

دوسری جانب سب مردوں کی نظریں ترازو ہوگئیں۔ وہ اسے تول رہے تھے جو کبھی گھٹتی تھی اور کبھی بڑھتی تھی۔

"بس!" مجاہد تاج نے دونوں ہاتھ ٹھہراؤ کے لیے ہوا میں سیدھے کیے۔

"میرا سوال وہیں کا وہیں ہے تاباں..... تم دروازے سے اتنا باہر کیوں نکلیں؟"

"میں پہلی مرتبہ نہیں نکلی ابا.....!" وہ تڑپی تھی اور بھڑک کر بولی تھی۔ "اور آپ جانتے ہیں' میں گھر سے باہر نکلنے سے پہلے یہاں اسی کامن روم سے خود کو عبایا میں ڈھک لیتی ہوں۔ صرف انگلیاں نظر آتی ہیں اور آنکھیں اور پیر..... بلکہ پاؤں میں بھی موزے چڑھالیتی ہوں ورنہ جوتے کے ڈیزائن کے باہر پاؤں کالے ہوجاتے ہیں۔"

وہ اپنی صفائی دیتے دیتے ایک اہم ٹپ بھی دے گئی۔ ضوفشاں' جمیل بھائی' تایا جی سب ایک ساتھ چونکے۔ یہ بے ساختگی اور مگن انداز اس بات کی دلیل تھا کہ وہ حرف بہ حرف سچ کہہ رہی ہے۔

"مگر ابا میں کاشان کو دیکھ رہی تھی اور میرا نہیں خیال کہ مجھے اس کے لیے صفائی دینی ہوگی کہ میں کاشان کو کیوں دیکھ رہی تھی۔ مجھ سے سوال پوچھنے کے بجائے آپ ان دونوں سے کیوں نہیں پوچھتے کہ انہوں نے مجھ سے اس طرح بات کی ہی کیوں؟"

"ایسی دلیلیں دے کر تم ہمیں الو نہیں بناسکتیں۔" عقیل کو اتنی مدلل بات ہضم نہیں ہوئی۔ شکیل نے اثبات میں سر ہلا کر جیسے بھائی کی تائید کی۔

"بنے بنائے پر مزید محنت کرنے کو میں بھی وقت کا

ضیاع سمجھتی ہوں۔۔۔۔ سمجھے!" وہ دھاڑی۔

"بدتمیزی نہیں تاباں۔" تایا جی نے انگلی اٹھا کر اسے ہوش مندی کی تلقین کی۔

"میں بدتمیزی نہیں کر رہی ہوں تایا ابا۔۔۔ لیکن۔"

"چھوٹا زیادہ جھگڑتا ہے۔" عقل نے شکیل سے یونہی برسبیل تذکرہ کیا جیسے۔

"میں تمہارا منہ توڑ دوں گی عقیل۔۔۔!" اس نے کانٹا ۔۔۔ ہاتھ میں بھالے کی طرح لہرایا پھر وہ باقی سب کی جانب گھومی۔ "اگر یہ اسی طرح بلاوجہ بولتا رہا تو ۔۔۔" اس کی اونچی آواز پر سب الرٹ ہو گئے تھے' اسے بھی احساس ہوا۔

"مجھے نہیں پتا ابا۔۔۔! یہ دونوں اتنا ڈراما کیوں کر رہے ہیں۔ ابا! اگر آپ کو یقین کرنا ہے تو کر لیں۔ نہیں کرنا تو بھی بتا دیں۔۔۔ مگر ان کا منہ بند کروا دیں۔ میں کاشان کے پیچھے۔"

"کاشان کا اچھا بہانہ ہے اتنا تیار شیار ہو کر۔۔۔۔ نیا جوڑا' خوشبو میں لگا کر سائیکل کی چین لگانے بیٹھ گئیں ۔۔۔۔ ہونہہ!" یہ جملہ چاچی کے علاوہ کسی اور کا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

تاباں نے صرف اک بے حد گہری نگاہ ان کے چہرے پر جمائی تھی جبکہ وہاں موجود تمام خواتین و لڑکیاں فقط کچھ بھی کہنے کی خواہش میں لب کھول سکی تھیں۔

"چاچی جی! آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔" وہ سینے پر ہاتھ لپیٹ کر بڑی تسلی سے ان کی جانب گھومی۔ "میں بچپن ہی سے ایسے رہتی ہوں۔ میں نے یہ سارے کپڑے الماری میں سجانے کے لیے نہیں بنائے ہیں۔ میں انہیں پہنوں گی۔ ختم کروں گی اور پھر نئے سلوالوں گی۔ میں آپ کی طرح نہیں کر سکتی کہ اچھے کپڑے الماریوں میں غائب کر دوں۔ اور خود کسی سوٹ کی قمیص کسی کی شلوار اور کوئی دوپٹا چڑھا کر سارے گھر میں لہسن' ادرک اور پسینے کی بو کا اسپرے بن کر چکراتی پھروں۔۔۔۔ ہونہہ!"

کئی لبوں پر مسکان لپکی اور چاچی جی آگ بگولہ ہو گئیں۔ یہ ساری تو ان کے حلیے کی تفصیل بتا دی گئی تھی۔ ساجد چاچا کے چہرے پر قائل ہونے کے بعد جتا تا تاثر ۔۔۔۔ تو دونوں صاحب زادوں کو احساس ہوا کہ بی تاباں نے ان کی ماں کی بے عزتی کی ہے۔

"جب میرے ابا مجھے یہ سب لے کر دے سکتے ہیں تو میں کیوں نہ شکر کر کے سب چیزوں کو استعمال کروں۔ کفران نعمت کیوں کروں۔۔۔۔ کیوں ابا؟"

"تم موضوع بدل رہی ہو۔" شکیل بھنایا "تم دروازے پر گئی ہی کیوں تھیں؟"

"تم دروازے کی بات کرتے ہو اگر دو منٹ اور گزرتے تو میں ۔۔۔ پیچھے گراؤنڈ میں چلی جاتی۔ آپ اگر دیکھ لیتیں ناں امی کہ وہ کیسے تماشے کر رہا تھا۔ مجھے تو لگا' وہ موت کے کنوئیں میں سائیکل چلانے جا رہا ہو۔" اس کے چہرے پر سنسنی پھیلی جس کے رنگ زاہدہ کے چہرے پر بھی پھیل گئے۔

"وہ تو میرے ہاتھ نہیں آیا ورنہ ایسے کھیل سے بہتر میں اسے کمرے میں ہی بند کر دیتی۔"

"اس سے اچھا کر ہی دیتیں۔ میں کون سا جیت کر آ گیا۔ دو راؤنڈ جیت لیے تھے' تیسرے میں وہ چین دوبارہ اتر گئی۔ لگائی ہی اتنی غلط تھی۔ سب بھاگ گئے۔ میں اسے جوڑنے میں لگ گیا۔ جڑتی بھلا کیسے ۔۔۔۔ تھی ہی بے کار' ہار کے آ گیا۔ پتا ہے جاتے ہوئے ٹوکتے نہیں۔ مگر یہ وہاں دروازے پر کھڑی ہو کر مجھے پھونکیں مار رہی تھیں۔"

پھولے ہوئے منہ کے ساتھ آتے کاشان نے اپنی پچابیان کی۔

وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ رہا تھا۔ تندرست چہرہ سوج کر اور کپا لگ رہا تھا۔

"سب نے میری سائیکل کا اتنا مذاق اڑایا اور کوئی مجھے ایسا ویسا کچھ کہے' یہ تو میں برداشت کر ہی نہیں سکتا۔ ایک بڑا بلاک اٹھا کر پہلے اگلے وہیل پر مارا۔ پھر ایک بلاک پچھلے پر ۔۔۔۔ پچکا کر رکھ دی میں نے سائیکل۔"

وہ ڈونگوں کے ڈھکن اٹھا اٹھا کر دیکھ رہا تھا کہ کھانے کے لیے کیا کیا ہے؟؟؟

"میں نے باہر سے منگوا کر دی تھی سائیکل!" ساجد چاچا کی آواز میں بے یقینی آمیز صدمہ تھا۔

"تو سب کی سائیکل باہر ہی سے منگوا کر دی جاتی ہیں۔ کسی کی امی کچن میں جا کر تو بنا کر دیتی نہیں ہیں۔" کاشان نے نکتہ رسی کی حد کر دی۔

"اور اب وہ سائیکل کہاں ہے۔" سرسراتی آواز چاچی جی کی تھی۔

کہاں ہونی تھی' وہیں پھینک کر آ گیا۔" اسے قطعاً" پروا نہ تھی۔

"میں نئی لے دوں گا اچھی والی۔" مجاہد تاج نے اعلان کیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اچھا ہوا خود ہی جان چھوٹ گئی۔" تاباں نے کسی قدر بے چینی سے کہا "تم صرف ان ڈور گیمز کھیلو گے کاشان!"

"میں سب گیم کھیلوں گا۔ مگر آپ میرے پیچھے دروازے تک نہیں آئیں گی۔"

"وہ تو میں آؤں گی ہی۔ بلکہ اگر تم ایسے تماشے کرنے کے لیے نکلتے ہو تو میں تمہارے پیچھے گراؤنڈ میں آ کر بیٹھ جایا کروں گی۔" تاباں نے بیچ بیچ کہا۔

"امی!" کاشان نے غصے سے چیخ پڑا۔

"امی کو آواز مت دو۔۔۔۔ میں اس معاملے میں اپنی مرضی ہی کروں گی اور لازما" کروں گی۔"

تاباں کے برجستہ لہجے نے کاشان کے ذخیرہ الفاظ میں آگ لگا دی سو اس نے ترپ کر بیوں کو دیکھا۔ اس کے آنے پر سب اصل معاملے کو پل بھر کے لیے ہی سہی فراموش کر چکے تھے۔ دیکھنے پر یوں لگتا کہ جیسے اس ساری مجلس کو کاشان اور تاباں کے مسائل حل کرنے کے لیے تکلیف دی گئی ہو۔ کاشان بے چین کھڑا تھا۔ جبکہ تاباں سر اٹھا کر لاپروائی سے کھڑی تھی۔ وہ اپنا فیصلہ سنا چکی ہے۔

"تاباں!" ابا کی آواز پر وہ گھومی۔

"یہ کاشان اور اپنا معاملہ تم بعد میں حل کرتی رہنا۔"

وہ اپنی نشست سے کھڑے ہو چکے تھے۔ "لیکن تمہیں ۔۔۔ دوبارہ دروازہ پر نہ دیکھا جائے۔" (ابا ۔۔۔ کا ۔۔۔ لہجہ ۔۔۔؟؟؟)

"ابا!" تاباں کو اپنی آواز گھٹنے کا احساس ہوا۔ "میں دروازے پر نہیں جاتی ہوں اور جاؤں بھی کیوں؟"

"اچھی بات ہے ۔۔۔ جانا بھی مت۔" ابا سمیت سب اسے دیکھ رہے تھے۔

تاباں کو اس پل پہلی بار احساس ہوا۔ اسے کیا کہا جا رہا تھا اور کیوں کہا جا رہا تھا۔

"آپ سب مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟ اور ابا ۔۔۔۔ ہمارے درمیان دروازہ کیوں ڈسکس ہو رہا ہے۔ کیا پہلے کبھی میں دروازوں' چوراہوں پر کھڑی ہوتی ہوں جو۔" اس کے جملے میں جیسے جیسے لفظ بھرتے گئے آواز بھی لہرانے لگی۔

"پہلے کی بات اور تھی۔" مشاہد تایا نے کہا۔

"کیا بات تھی پہلے تایا جی!"

تاباں نے بری طرح چونک کر سب کو دیکھا۔ گھر کے ماحول میں لڑکیوں کو دوبدو بولنے کی تربیت نہیں تھی نہ فطرت مگر تاباں غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح کہنا جانتی تھی۔ ابا کے واضح جملے واحکامات اس کی سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ سب سمجھ رہے تھے وہ حیران رہ گئی۔

مجلس برخاست ہو چکی تھی۔ سب ادھر ادھر ہو گئے۔ وہی جہاں کی تہاں تھی۔ ایک غیر یقینی کے احساس میں گھری جملے اور لہجے اور چہروں کے تاثرات باری باری آ کر اسے کچھ سمجھا رہے تھے۔

اس سے کیا کہا جا رہا تھا۔

کیا اس پر شک کیا جا رہا تھا؟

لیکن کیوں؟

ضوفی نے شانہ چھو کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا تو وہ چونک کر مڑی۔ سارے سوال چہرے پر تحریر ہو گئے۔ لب فقط نیم وا ہو کر رہ گئے ضوفی نے شانہ تھپتھپایا تھا اور سر ہلا کر ہی تسلی کروائی تھی۔

"یہ سب لوگ۔" اس کے منہ سے نکلا۔

☼ ☼ ☼

حیدر سلطان اتنے بڑے واقعے کو خاموشی سے پی گئے تھے۔ منہ سے بھاپ تک نہ نکالی کہ بیٹے کی زندگی مطلوب تھی۔ جو نیم جان چھوڑ گئے تھے۔ وہ اگلی بار ..... خدانخواستہ دل پر ہاتھ رکھ کر تحمل و بردباری سے سوچتے تو ___ سب کو یہی بتایا کہ بائیک چھیننے کی کوشش تھی۔ جاذب بائیک چھوڑنے پر راضی نہ تھا۔ تو سامنے والے بھڑک گئے اور نتیجے میں حشر نشر کرگئے۔

اور اگر وہ کسی کے سامنے لب کھول بھی لیتے تو کہتے کیا ___ کہ ان کا بیٹا لڑکی کا پیچھا کرتا گھر تک پہنچ گیا اور کالج کے گیٹ پر کھڑا رہا اور ___ اور .....

اگر مضروب نے لب سی لیے تھے۔ تو ضرب لگانے والے بھی لاکھ چاہنے کے باوجود) کسی کو بہادری کا کارنامہ سنانے نہیں بیٹھے تھے۔ ورنہ دل تو یہی کرتا تھا۔ مار کی مکمل وڈیو چینل پر چلادیں اور ساتھ تنبیہی بیان بھی کہ ..... "ہم ایسا حشر کردیا کرتے ہیں۔"

لیکن مین روڈ پر شکیل، عقیل اور جمیل کے ہاتھوں کیا جانا والا تماشا بہت سوں نے دیکھا بھی تھا۔ ان کے منہ پر ہیلمٹ تھے۔ مگر پہچاننے والے پہچان گئے تھے۔ نازاں و افشاں کے شوہروں نے تینوں بھائیوں کو پکڑ لیا۔

"تم لوگوں نے بڑی اندھی مچائی ہوئی ہے شہر میں ..... ایسی بھی کیا کٹ لگاتا۔"

تینوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔ انہیں ٹالنا ہی تھا یا ایک شان دار من گھڑت قصہ فوری طور پر تیار کرنا پڑے گا۔ جمیل بھائی نے سوچا۔ مگر اس سے پہلے عقیل نے سب اگل دیا۔ کھول کھول کر بیان کیا بلکہ بہت سے پھول بوٹے بھی ٹانکے۔ شکیل بھی شامل ہو گیا اور جہاں عقیل سے کچھ بھول ہوتی، وہ زیادہ وضاحت سے بیان دینا شروع کردیتا۔ جمیل بھائی لب بھینچ کر رہ گئے۔

یہ قصہ جیت جانے کے باوجود بتانے کا نہیں تھا کہ کہیں نہ کہیں اس میں گھر کی لڑکیاں بدنام ہوتی تھیں اور خاص طور پر دامادوں کو ___ اور داماد بھی رضوان، عمران جیسے، جو ہمہ وقت کھاتے پیتے، خود سے بلند مرتبہ سسرال کے عیبوں کی تلاش میں رہتے ہوں۔

اگلے دن خالہ جان حاضر تھیں۔ بیٹوں نے کمرہ بند کر کے سارا قصہ بڑے پراسرار لہجے میں کسی قدر رعونت سے ماں کو سنایا تھا اور ہر واقعہ کو ضرب دے کر بڑھا چڑھا کر بیان کیا تھا۔ پھیلی آنکھوں اور کھلے منہ سے سنتی خالہ جان کو مزہ نہ آیا۔ وہ کرید کرید کر پوچھتی رہیں۔ یہ سچ جھوٹ ملا کر سناتے رہے۔

صبح سویرے ہی وہ تفصیلی معلومات و تبصرہ کے لیے موجود تھیں۔

ان کے مسلسل سوالوں نے گھر کی سب خواتین کو حق دق اور لاجواب کردیا۔ انہیں کس نے ___ یہ سب بتایا (سارا سچ بھی ___ اور چسکہ بنتا جھوٹ بھی)

"ایسے معاملات ہی میں تو بھائی بھائی کے کندھے سے کندھا جوڑتا ہے۔ ایک آواز لگا دینی تھی۔ رضوان عمران کو ___"

"نہیں بس وہ ___" امی آئیں بائیں شائیں کرنے لگیں۔

"اس کی ضرورت نہیں تھی بس ایک دھمکی ہی تو دینی تھی۔" تائی جی نے شعوری لاپروائی سے کہا۔

"دھمکی کی خوب کہی۔" خالہ جان نے ہاتھ نچایا۔ "دھمکی سے سدھرنے والے ہوتے تو تب ہی نامان جاتے، جب تم تینوں عورتیں سمجھانے گئی تھیں۔ بلکہ جب بھائی صاحب نے اس کے باپ کو شرافت کی زبان میں سمجھایا تھا۔ بلکہ تم نے زاہدہ ..... مجھے یعنی سگی بہن کو بالکل ہی فراموش کردیا۔ کوئی مشورہ، عقل تو میں بھی دیتی بلکہ تم لوگ مجھے ساتھ ہی لے کر جاتیں میں بتاتی انہیں کہ ....."

"وہ بس ہم نے کہا کہ ..... گھر کی بات گھر ہی۔"

"اچھا آ آ آ ___ تو اب سگی بہن باہر والی ہو گئی ہے؟" خالہ اچھل پڑیں۔

"ناں، ناں ___ میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ بس ___ وہ ہم نے اتنی اہمیت دی ہی نہیں ورنہ ___ اور بچیوں کے لیے باہر اندر سے رشتے تو آتے ہی رہتے ہیں۔"

زاہدہ تیزی سے صفائی دینے لگیں۔

خالہ نے گال چڑھا کر تاثر دیا کہ یہ صفائی بے سود رہی۔

"یہ بتاؤ ___" وہ آواز مدھم کرکے صوفے پر آگے کو کھسکیں۔ "تاباں تو صحیح رہ رہی ہے ناں!"

سب خواتین اچھل پڑیں اور انہیں گنجائش سے زیادہ پھیل گئیں۔ چائے کی ٹرالی لاتی لڑکیاں بھی بری طرح ٹھٹکیں۔

"تاباں کا یہاں کیا ذکر ___؟" تائی جی کا لہجہ کڑک تھا۔

"میرا مطلب ہے ___" خالہ کو گڑبڑانا پڑا۔

"کوئی مطلب نہیں ساجدہ ___!" تائی جی نے خود کو شانت رکھا۔ "لڑکے کی ماں نے تصویر دیکھ کر پسند لیا۔ رشتے لے آئیں۔ شریفوں کا یہی چلن ہوتا ہے۔ ہم نے عزت سے چائے ناشتہ پوچھ کر ___ اپنی مجبوری بتا دی کہ ہم ذات برادری سے باہر کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ بس ___ آگے جاکر انہیں اگا کہ شاید سمجھانے بجھانے سے چپ نہ آئے تو وہ آدمی مجاہد وغیرہ سے آفس میں مل لیا۔"

"تو یہاں تک تو ٹھیک ہے۔ مگر بیٹوں کی کارروائی کے بعد لڑکے نے اسکول کالج کے چکر کیوں کاٹنے شروع کر دیے۔" خالہ جان نے بہت واضح آواز میں کہا اور یہاں سب لاجواب ہو گئے۔

"اب اس کا جواب تو لڑکا ہی دے سکتا ہے ناں؟" ضوفی آگے بڑھی۔ "آپ یہ چائے لیں اور خاص طور پر یہ بڑا ___" خالہ جان کا دھیان فوراً پلٹا وہ سگی بہن کے ہاں آکر سمدھن والا پروٹوکول چاہتی تھیں۔ پہلی نظر ہی میں سب چیزوں کو دیکھ لیا اور پسندیدگی چہرے پر پھیل گئی۔

چائے تمام حاضرین محفل کے لیے تھی سو وہ چاروں بھی وہیں تک گئیں۔

"تو پھر تم نے تو لڑکے کو دیکھا ہوگا ناں ___ کیسا ہے؟" بہت کچھ کھا لینے کے بعد وہ تاباں کی سمت گھومیں۔

تاباں کا خون پہلے ہی ابل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر تمتماہٹ تھی۔ یہ سب شکیل، عقیل کا کیا دھرا تھا۔ جنہوں نے کسی ایک بات کا بھی پردہ نہ رہنے دیا تھا۔

اس کی زبان سے کوئی انگارہ نما جملہ نکلنے والا تھا۔ مگر تب ہی نگاہ زاہدہ کے ملتجی چہرے پر پڑی۔ ساتھ ہی باقی سب کے تنبیہی چہرے۔

اس نے لب بھینچ کر نفی میں گردن ہلا دی۔ جبکہ خالہ جان کے چہرے پر بے یقینی تھی۔

"ویسے لڑکا تھا کیسا؟" انہوں نے سوال دہرایا۔

"لڑکوں جیسا لڑکا خالہ جان ___ جیسے کہ سب لڑکے ہوتے ہیں۔" ضوفی نے رسان سے کہا۔

"میں آپ کو گھر بتا دیتی ہوں آپ جا کر دیکھ لیں۔ لیکن ہمیں اتنی تحقیق کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جس راہ جانا نہیں اس کے کوس گننے کا کیا فائدہ۔"

"ویسے گھر ہے کہاں؟"

ضوفی نے ٹھنڈا سانس بھر کے علاقے کا نام لیا۔

"اوئی، وہاں تو سب کے سب بڑے بڑے بنگلے کوٹھیاں ہیں۔"

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

زاہدہ اور ساجدہ ___ دو سگی بہنوں کے نصیب ایک دوسرے کا الٹ تھے۔ زاہدہ کو شادی کے بعد خوشحالی و بے فکری میسر آئی۔ رزق کی فراخی ___ جبکہ

ساجدہ نے زندگی بھر تنگی کا رونا رویا۔ سر ڈھکے ___ پیر ننگے والی مثال رہی۔ بچتیں، ضرورتیں، کمیٹیاں ..... تمام زندگی وہ چھوٹی بہن زاہدہ سے تقابل کرتی رہیں۔ اس کی آسانیاں، خوشحالی بلکہ تاج ہاؤس ان کے لیے ایک جنت کی طرح تھا۔ جہاں کوئی مسئلہ مسئلہ نہیں تھا۔ فقط چین کی بنسی زاہدہ کی بیٹیوں کو بہو میں بنا کر وہ خود کو اب اس گھر کی تینوں خواتین سے بلند رتبے پر پاتی تھیں۔

بہوؤں کو ملنے والے بے پناہ جہیز نے پورے علاقے میں ان کا ٹھیکہ بنا دیا تھا۔ مگر جگہ کی تنگی کے باعث سب کچھ ڈبوں کارٹنز میں بند چھتوں تک چڑھا ہوا تھا۔

"میری مانو تو جتنی جلدی ہو سکے لڑکی کو گھر کا کر دو۔" جاتے جاتے وہ بولیں "ایسی باتیں لڑکیوں کا دماغ خراب کر دیتی ہیں۔"

"ایسی یا ویسی کوئی بات نہیں ہے۔ مناسب وقت آئے گا تو کریں گے۔ مناسب رشتہ۔۔۔ ابھی تو ساجدہ مائدہ ہی کی تیاری ہے۔"

"ہاں۔۔۔ مناسب رشتہ۔۔۔ میرا ہی ایک اور بیٹا ہوتا تو میں ہی لے لیتی۔۔۔ دراصل لڑکیوں پر نام سا لگ جاتا ہے ناں۔ مگر خیر اللہ بہتر کرے گا۔" ان کے ہمدردانہ جملے نمک مرچ جیسے تھے۔

وہ مزید ایسے مشورے دے کر اور ہمدردی جتا کر چلی گئیں۔ مگر یہ سب جہاں کی تہاں رہ گئیں۔

"امی!" ماجدہ نے بہت گہری سوچ سے ابھر کر پکارا۔ "یہ عقیل و شکیل کی بے وقوفی ہے یا کوئی۔۔۔ جانتے بوجھتے ہوئے میرا مطلب ہے۔" "دانستگی بہرحال بازپرس بہت ضروری ہے اور ابا وغیرہ کو بتانا بھی۔۔۔ کہ اب مزید وہ اپنے منہ بند رکھیں حالانکہ۔۔۔" اس نے یخ بستہ سانس لی۔ "اب وہ منہ بند رکھیں یا گھر گھر بتانا شروع کر دیں۔ فرق کوئی نہیں ہے۔"

"ماجدہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔" ضوفی نے کہا۔ مائدہ نے بھی تائیداً سر ہلایا۔ زاہدہ کے چہرے پر بے چارگی سی تھی۔ جیسے انہیں کوئی غرض نہ ہو یا وہ بولنا سمجھنا سوچنا بھول چکی ہوں۔

تاباں اس وقت سے صوفے پر ایک ہی پوزیشن میں ٹکی تھی۔ اس کا چہرہ تاثرات کا مجموعہ تھا۔ غصہ شدید ترین غصہ۔۔۔ نفرت۔۔۔ انتقام۔ فیصلہ کن جارحیت بے بسی دکھ اور آنسو سے بھری آنکھیں۔

☼ ☼ ☼

"تمہاری موجودگی میں جمیل۔۔۔ یہ سب ہو گیا۔ تم نے روکا کیوں نہیں؟"

جمیل کے چہرے پر شرمندگی تھی۔ ایک بہت برا کام جو ان کے چھوٹے بھائیوں سے سرزد ہوا اور وہ بھی ان کی موجودگی میں۔

بلائے جانے پر پہلے تو عقیل اور شکیل کچھ سمجھے ہی نہیں۔ انہوں نے تو اپنے تئیں اپنا کارنامہ بہت بڑھا چڑھا کر بتایا تھا کہ دیکھو جو کوئی بھی ہمارے گھر کی طرف ہماری عزت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے گا اس کی آنکھیں نکال دیں گے اور اس کا وہ حشر کریں گے کہ رہتی دنیا تک نام رہے مگر یہ کیا؟ یہاں انہیں سراہنے کے بجائے ذلیل کیا جا رہا تھا۔ وہ کیوں؟؟؟

مجاہد تاج کو معاملے کی سنگینی کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ بالکل خاموش تھے۔ سب نے پہلی بار ان کے چہرے پر تھکن سی دیکھی۔ وہ بس سوال و جواب کرتے مشاہد تاج کو دیکھتے رہے اور سخت شرمندہ و پریشان ساجد تاج کو چاچی جی کا انداز لاپروائی لیے ہوئے تھا۔ وہ منہ سے کچھ نہ کہہ رہی تھیں مگر ان کے چہرے کا ہر عضو کہہ رہا تھا۔

"بچے ہیں انہیں کیا خبر ایسی نزاکتوں کی۔۔۔ اور چلو یہ نہ بتاتے تو کہیں اور سے پتا لگ جاتا اور سب سے بڑھ کر ایسی باتوں کا نتیجہ تو پھر جھیلنا پڑتا ہی ہے۔"

مشاہد تاج نے دونوں طرف کے بیان سننے کے بعد بہت تحمل بھری آواز میں ناصحانہ بیان جاری کیا۔

"تم لوگوں کی بہادری میں کوئی شک نہیں۔۔۔ اور یہ سچ ہے کہ کوئی بھی کسی بھی حوالے سے اس گھر و خاندان کو نقصان پہنچانے کا سوچے تو اس کا یہی حشر ہو گا جو تم کر کے آئے مگر ایسی باتوں کا چرچا نہیں کرتے۔ اس فخر کو دل میں پالتے ہیں اور سینہ تان کر چلتے ہیں مگر منہ سے کچھ نہیں کہتے۔ زندگی بھر اس بات کو یاد رکھنا۔"

"اب یہ قصہ خاندان کے ہر فرد کے منہ پر ہو گا۔ کون یقین کرے گا کہ میری بچی۔" زاہدہ نے پہلی بار منہ کھول کر بھی ادھورا جملہ کہا۔ وہ منہ پر دوپٹا رکھ کر رونے لگی تھیں۔

"تو کوئی بات نہیں، جو چسکے لے کر قصہ سنے گا۔ وہ یہ بھی تو سنے گا ناں کہ ہم نے حشر کیا کیا؟" شکیل نے کہا۔ عقیل کے انداز میں بے زاری تھی۔ اس نے زور زور سے سر ہلا کر تائید کی۔

"بدنامی ہو گئی۔ اب آگے کون پوچھے گا۔" زاہدہ کی ایک اور چنتا تھی۔

"تو آگے پیچھے کا ذکر ہی کیا۔" چاچی جی نے لب کھولے۔ "اپنے گھر ہی میں سب کچھ سیٹ کر لیں گے۔" تمام لوگوں کو ان کی بات سمجھنے میں چند پل لگے تھے۔

تاباں نے خونخوار نگاہوں سے چاچی جی کو اور پھر ان کے قابل فخر سپوتوں کو دیکھا۔ عقیل اور شکیل اب بور ہو چکے تھے۔

"بہرحال! دوبارہ اس قصے کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔ کہیں ذکر بھی ہو تو دامن چھڑا لینا۔" مشاہد تاج نے فیصلہ سنایا۔ یہ برخاستگی کا اشارہ بھی تھا۔

"بس اتنی سی سزا؟" تاباں کی آواز بلند تھی۔

"تو کیا قتل کر دیتے؟" عقیل کا جملہ چڑانے والا تھا۔ اس پر شکیل کا ہلتا سر۔

"قتل نہ سہی۔" تاباں کی برداشت ختم ہو گئی۔ چٹاخ۔۔۔ اس نے ڈھیلے ہاتھ کا ایک تھپڑ اس کے گال پر جڑ دیا۔

سب کے اوپر جیسے کمرے کی چھت گر گئی۔

"تاباں!" مائدہ نے اسے پوری طاقت سے اپنی طرف کھینچا۔ مگر وہ بپھری شیرنی بنی کھڑی تھی۔ وہ اس کا منہ نوچ لینا چاہتی تھی اور گریبان تار تار کر دینا اور۔۔۔ اور۔

سب بڑے سکتے کا شکار تھے۔ یہ انتہائی ناقابل یقین صورت حال تھی۔ ساجد چاچا اور شکیل ایک قدم آگے بڑھے تھے۔ لیکن پھر اسے لڑکی جان کر یا بیٹی سمجھ کر چند فٹ پیچھے رک گئے مگر ایک تھپڑ ہاتھوں سے پڑتا ہے اور ایک آنکھوں سے۔۔۔

چاچی جی جارحانہ عزائم لیے آگے بڑھی تھیں۔ وہ اسے دن میں تارے دکھا دینا چاہتی تھیں۔ لیکن اس سے پہلے۔۔۔

تاباں کا جو ہاتھ مائدہ نے دبوچ رکھا تھا۔ وہ مجاہد تاج نے پکڑ کر اپنی جانب گھسیٹا۔ وہ لڑکھڑا کر سیدھی ہوئی یہ کس نے اس بے دردی سے۔۔۔ اسے ضوفی کا اپنے اور ابا کے درمیان آنا محسوس ہوا مگر تب تک۔

چٹاخ۔۔۔ ہاہ۔۔۔ اور کس نے کہا۔ تھپڑ کی تکلیف گال پر ہوتی ہے تھپڑ پہلے مرحلے میں تکلیف دوسرے میں ذلت اور اگر آپ باضمیر ہیں تو موت بن جاتا ہے۔

چاچی جی کا انتقام ابا نے لے لیا تھا۔ حالانکہ ان کا دل پوری طرح ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔ مگر۔۔۔ وہ ماریں تو پے در پے ماریں۔

"ابا۔۔۔!" ضوفی نے تیزی سے اپنے ابا کو جپھا مار لیا۔ وہ انہیں پیچھے دھکیل رہی تھی۔ امی کے رونے میں تیزی آگئی۔ آنکھوں میں آنسو بھر کے تائی جی بھی کھڑی ہو گئی تھیں۔۔۔ یہ منظر اس گھر کی دیواروں نے بھی پہلی بار دیکھا تھا۔ لڑکیاں کپکپا رہی تھیں۔

"ایک تو ان کی عزتوں کی حفاظت کے لیے جان ہتھیلی پر رکھ کر جاؤ۔۔۔ مکے ڈنڈے کھاؤ اور گھر میں بھی کتے والی۔۔۔" چاچی جی نے شکیل کے ہاتھ کے زخم پر دیکھا جہاں اب بھی بینڈیج تھی۔

"یہ عزتوں کی حفاظت کی ہے یا مجھے چوک پر ننگا کر دیا ہے اور ساتھ ہی ٹکٹ لگا دیا کہ آکر تماشا دیکھو۔"

تاباں نے بپھری شیرنی کی طرح کہا۔ وہ مائدہ سے خود کو چھڑا رہی تھی۔ وہ اسے چبا ڈالنا چاہتی تھی۔ اسے ----

"ابا۔۔۔ تاباں ٹھیک کہہ رہی ہے۔" ضوفی نے لب کشائی کی۔ "ان کے پاس سو بہانے تھے، یہ کچھ بھی کہہ سکتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر وہ سب پورے قصے کے عینی شاہد بھی ہوتے تب بھی یہ مکر کے۔۔۔ انہی کہتے۔۔۔ کون چیلنج کرتا۔ یہ تو وہی بات ہو گئی ناں گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔۔۔ اور جمیل بھائی! آپ نے ایک بار بھی انہیں ٹوکا نہیں۔۔۔ آپ چاہتے تو دن کے بارہ کو رات کے بارہ بتا کر قائل کر لیتے مگر آپ نے شاید اہمیت ہی نہ دی۔"

"کیوں دیتے اہمیت۔۔۔!" تاباں کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ ہاتھ گال پر دھرا تھا۔ "یہ کوئی رانیہ۔۔۔ سونیا کا معاملہ تھوڑی تھا۔"

"اے! میری بہنوں کا نام مت لینا۔ وہ تمہاری طرح نہیں ہیں۔" شکیل کو جیسے بچھو نے ڈنک مارا۔

"اچھا...!" تاباں نے سختی سے آنسوؤں کو رگڑا۔ "سن لیں ابا... ہم ان کی بہنیں نہیں ہیں 'سو عزت' بے عزتی کا معیار الگ ہے اور اگر آپ ان سب سے اس حوالے سے کوئی امید باندھے بیٹھے تھے تو آج اس سے پیچھا چھڑالیں اور ہاں ٹھیک ہے شکیل! جب ہم تمہاری کچھ بھی نہیں ہیں تو جو جی میں آئے وہ تم کرو۔ ٹی وی والوں کو فون کرکے بتاؤ کہ تم عزت 'بے عزتی کے نام پر کیا کرکے آئے ہو اور کیا کرنے والے ہو۔" وہ سب کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

ساجد چاچا بیٹے کے بے ساختہ جملے پر گڑبڑا گئے تھے۔ مشاہد تایا بھی اس جملے پر کچھ چونکے ہوئے تھے۔ جبکہ مجاہد تایا کو اپنے ہاتھ میں چیونٹیاں چلنے کا گمان ہو رہا تھا۔ ان کی ہتھیلی پر ہلکے درد کا احساس تھا۔ فقط تھپڑ مارنے سے اتنا درد... تو کھانے والے کو کیا لگا ہو گا۔ بیٹی کے بے داغ چہرے پر ان کی انگلیاں ثبت تھیں۔

"ایک تو کارنامے... اوپر سے تڑتڑ چلتی زبان..." چاچی جی کا لہجہ آگ تھا۔

"کون سے کارنامے... میں نے کیا ہی کیا ہے؟ اپنے گھر کے اندر' اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ صبح و شام کرتی ہوں۔ مجھے کیا خبر باہر کیا ہو رہا ہے۔" وہ حلق کے بل چلائی۔ سب کو یکدم اس کے جملے کی سچائی و گہرائی کا اندازہ ہوا۔

"میرے ساتھ تو یہ ہوا کہ رات کو گھر کے اندر والے کمرے میں پردے گرا کر دروازے کنڈیاں چیک کرکے سوئی اور... اور... صبح اٹھ کر دیکھا تو نہ دیواریں تھیں نہ چھت... کسی نے چارپائی اٹھا کر چوک پر رکھ دی نہ چادر رہی نہ چاردیواری۔"

اس کا لہجہ دھیما' آواز دھیرے دھیرے مدھم ہو گئی۔ شکست خوردگی' بے بسی' بس اتنی ہی اہمیت تھی۔ کیا ہار کیا جیت...

وہ صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی۔

"مجھے اب اور کچھ نہیں کہنا... تم دونوں کو اللہ ہی پوچھے۔" وہ صوفے سے کھڑی ہو کر جانے لگی۔

"اچھا نہ ہوتا ابا!" وہ یکدم مڑی اور بڑی آہستہ سے دھیرے سے اپنے گال پر انگلیاں پھیری تھیں۔ "میں کچھ کر ہی لیتی۔"

اس کا سادہ جملہ سمجھنے میں چند پل لگے تھے۔ اس کے لہجے میں بین تھا ماتم جیسے کوئی ویران کھنڈر میں بال کھولے شام غریباں منا رہا ہو۔

زاہدہ بے آواز رو رہی تھیں۔ وہ یکدم با آواز رونے لگیں تاباں پیچھے دیکھے بغیر اندر بھاگ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼
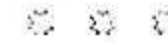
مائدہ کی ساس بہت ہلا گلا کرنے والی زندہ دل عورت تھیں۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی بات پر بڑے سے بڑا قہقہہ لگا تیں۔ جب بھی آتیں نئی کہانی... اپنے ہاتھ کے بنے ہوئے کھانے لاتیں اور مائدہ کو چکھاتیں۔ مائدہ کا چہرہ جانچتیں۔ مائدہ تعریف کے لیے لب کھولتی۔ بہترین جملے۔ وہ مائدہ کا چہرہ پڑھ رہی ہوتی تھیں۔

"اونہوں" وہ نفی میں گردن دائیں بائیں کرتیں۔ "میں جانتی ہوں میں کیسا کھانا بناتی ہوں۔ تمہیں اس لیے چکھانے کے لیے لاتی ہوں کہ تم نے میرے گھر آ کر ایسے کھانے' بالکل نہیں بنانے ہیں۔"

مائدہ اور باقی سب حق دق رہ جاتے۔

"ہم سب نئے ذائقوں کے لیے ترس رہے ہیں۔ تمہیں ہمارے گھر آ کر نت نئی چیزیں بنانی ہیں۔ سمجھ گئیں۔"

مائدہ کے حلق سے پھنسی پھنسی "جی" نکل آتی کبھی لان کے جوڑے دینے آتیں اور ساری داستان سناتیں کہاں سے لیا کتنے اور رنگ تھے۔ یہی والا کیوں لیا؟؟؟ ان کی یہ بھی خواہش ہوتی کہ جب وہ آئیں تو سب ہی ان کے اردگرد بیٹھ جائیں اور سچی بات یہ تھی کہ سب کو ان کے ساتھ بیٹھنا اور ان کی باتیں سننا اچھا لگتا تھا۔

اس روز وہ چار پانچ خواتین کا ایک گروپ لے کر آ گئیں۔

"بھئی میں نے آپ سب کی اتنی تعریفیں کیں کہ سب کو ملنے کا اشتیاق ہونے لگا اور دوسرے سب کو مائدہ سے ملنے کا بھی شوق تھا۔ کہنے لگیں۔ اب شادی تک انتظار نہیں ہوتا۔ ہمیں تو تم ملا دو۔"

انہوں نے اپنی سب سہیلیوں کا فردا" فردا" تعارف کرواتے ہوئے توجیہہ پیش کی۔

"چلیں بھئی' بلائیں سب کو... چھوٹے بڑے سب۔" ان کی آواز سارے گھر میں گونج رہی تھی۔

"بات یہ ہے کہ بیٹیاں میں بیاہ چکی ہوں۔ ایک بیٹا یعنی آپ کا داماد صبح دفتر جاتا ہے تو سورج ڈھلنے کے بعد آتا ہے۔ دوسرا کالج میں ہے' ہے تو مارننگ شفٹ میں مگر... مجھے تو لگتا ہے' نائٹ کلاسز بھی بھگتا کر آتا ہے کہ علم حاصل کرنے میں کوئی کسر رہ نہ جائے۔"

لڑکیاں دل کھول کر ہنسی تھیں۔

"ہاں تو سچ کہہ رہی ہوں ناں!" وہ خفا ہوئیں اور ایک نیا قصہ شروع کر دیا۔

تاباں بہت اشتیاق و محبت سے کپڑے درست کرتی ڈرائنگ روم کی طرف تیزی سے جا رہی تھی۔

"تم نہ جاؤ تاباں...!" امی نے اسے روک دیا۔

"میں وہاں اندر... آنٹی آئی ہیں ناں!"

"ہاں وہیں اندر... تمہارے ابا نے منع کیا ہے۔" زاہدہ نے نظریں چرائیں۔

"اور میں بھی کہہ چکی ہوں کہ تم گھر میں نہیں ہو۔" یہ تائی جی تھیں۔

"مگر... کیوں؟" اس نے دونوں کا چہرہ باری باری دیکھا۔

"ہر کیوں پر "یوں" نہیں لگتی۔" یہ چاچی جی تھیں۔ "خوامخواہ میں نیا تماشا ہوں گی وہ ان کی سہیلیاں... مگر ہمارے لیے تو انجان ہیں ناں۔ آگا پیچھا کچھ پتا نہیں۔ نجانے کون کون سی ذات برادری' خاندان سے تعلق ہو۔ پھر کوئی نیا فتنہ... ہونہہ..."

تاباں کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ ایک شدید ناگواری کی لہر تائی جی کے چہرے پر بھی آن رکی۔ مگر اس کا سبب کچھ اور تھا۔

"عصمت بہن کسی ایسے ویسے کو گھر کی دہلیز تک کیوں لائیں گی۔ جن کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی ہیں' وہ بھی ان جیسی ہی ہوں گی ناں... اور ہمارے گھر کی عزت (مائدہ) اب ان کے گھر کی عزت ہے۔ جتنی محبت سے' مان سے وہ انہیں یہاں تک لائی ہیں ہمیں بدل میں مہمانوں کو اتنی ہی عزت دینی چاہیے۔"

"ہاں تو میں کب منع کرتی ہوں عزت دینے سے... میں بھی اندر ہی جا رہی ہوں۔ مگر اسے آپ رہنے ہی دیں۔ ایسے ہی لوگوں کی نظروں میں آ کر مصیبتیں پھر ہمارے لیے کھڑی ہوتی ہیں۔ ہاں نہیں تو۔"

تاباں پر ایک زہریلی نگاہ ڈال کر وہ آگے بڑھ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"تم میرے لیے فکر مند نہ ہو میں نے شادی میں بھی شرکت نہیں کرنی۔"

"یہ کیسی بات کر دی؟" مائدہ' ماجدہ' ضوفی جو کپڑوں کے ڈھیر کو سمیٹنے بکھیرنے میں مصروف تھیں' بری طرح چونکیں۔

"کیسی بات کا کیا مطلب مجھے شرکت کرنے ہی نہیں دی جائے گی۔ تو مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں بلاوجہ مغز ماری کروں۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے تاباں..." ماجدہ اس کے نزدیک آ گئی۔ "تمہیں کون روکے گا؟"

"کون روکے گا۔ اب بھی اس سوال کا جواب درکار ہے تم کو؟ ثبوت یہ سامنے ہے۔" اس نے جہیز کے کپڑوں' جوتوں' چوڑیوں اور دیگر اس طرح کے سامان کی طرف اشارہ کیا۔ تینوں ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئیں۔ وہ سچ کہہ رہی تھی۔

مائدہ کی سسرال کی طرف سے شادی کا پیام آیا تو ساتھ ہی ماجدہ کی تیاریاں بھی شروع کر دی گئیں۔ اتنے دنوں کی تناؤ والی کیفیت سے سب ابھر آئے۔

شاپنگ پر جانے کے لیے تو وہ موت کے فرشتے سے مہلت مانگ لیتی۔

مگر جب شاپنگ کا وقت آیا۔ تو تاباں کے لیے واضح احکامات تھے۔ وہ بازار نہیں جائے گی قطعاً" کسی بھی صورت نہیں۔ اس کے لیے بھی خریداری بہنیں کر لیں گی۔

"مگر میرا قصور..... میں ہی کیوں؟" وہ سراپا احتجاج تھی بے بسی' تڑپ زاہدہ کی بے بس نگاہ کے بعد مجاہد تاج کی جتاتی..... چاچی جی کی چڑاتی نظریں۔ وہ سن رہ گئی اس کا کیا قصور..... کس جرم کی سزا.....؟؟ مگر کوئی بھی اسے جواب دہ نہیں تھا۔

سب کے رویے نے اس کی فطری بے فکری اور خود اعتمادی کو شدید زک پہنچائی تھی۔ وہ جب سب کے درمیان ہوتی تو ہونٹ کچلنے لگتی۔ ادھر ادھر یونہی دیکھتی' ناخن کترنے لگ جاتی۔ ایک عضو معطل..... بنا کسی قصور۔

وہ اتنی نازک مزاج تھی۔ چھوٹی موٹی چیز اس کی ناک پر کبھی چڑھی نہ تھی۔ سب ایک ہی دکان سے ایک میٹریل اور قیمت کی چیزیں لیا کرتیں۔ مگر گھر آکر تاباں کی لی جانے والی چیز سب سے جدا لگتی۔ یہ اس کا ذوق تھا شاید.....

سب اس کے آگے اپنی خریداری کا ڈھیر لگا دیتیں اور اس کی رائے جاننا چاہتی تھیں مگر اس کے چہرے پر تعریف آتی نا تنقید..... نظریں اگر ٹک بھی جاتیں تو ارتکاز نہ ہوتا۔

مفت کی بدنامی..... ذلت..... اور زندگی کی تنگی۔

"میں نے تمہیں کہا تھا ناں تاباں....." ضوفی نے کہا۔ "تم پر شک نہیں کیا جا رہا۔ نہ تم مجرم ہو۔ مگر یاد رکھو کچھ دیر بعد ہونے والی صبح تمہاری آزمائش ہے سو کوئی ایسا عمل نہ کرنا کہ پکڑ میں آجاؤ ورنہ بلاوجہ ماری جاؤ گی۔"

تاباں نے جواب نہ دیا' اس کے رونے میں تیزی آ گئی۔

"یہی تو ہمارا المیہ ہے۔ پانی ہمیشہ نشیب کی طرف جاتا ہے۔" ماجدہ نے کہا۔ "اللہ کرے مر جائے جاذب سلطان....." مائدہ کو اور کوئی رد عمل نہ سوجھا۔

"وہ کیوں مرے مائدہ....." ضوفی بولی۔ "راستوں میں چلتے وقت اکثر کتے بلے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ پھر انہیں مارا جائے گا یا جس کے پیچھے لگے ہیں' اسے کونے بیٹھ جائیں گے۔"

"اسے کتا کیوں کہہ رہی ہو اور وہ کیوں مرے سیدھے سبھاؤ سے آیا تھا وہ..... ایک بے حد شریفانہ عزت دار طریقہ..... مگر بس یہاں اس کے لیے جگہ نہیں تھی۔" تاباں نے تیزی سے کہا تھا۔

تینوں ساکت و صامت رہ گئیں۔

"اور بعد میں پیچھا کرنے کو تم کیا نام دو گی؟" ماجدہ نے چمک کر کہا۔

"ہو سکتا ہے' وہ بدلہ لینا چاہتا ہو اسے ہتک کا احساس ہوا ہو۔ اسے۔" تاباں نے ایک ساتھ دو تین جملے کہے جو سب کی سماعتوں کے لیے حیران کن تھے۔

ضوفی کو بہن کی نکتہ دانی نے ششدر کر دیا تھا۔

لیکن..... اسے یکدم کچھ کھٹک ہوا۔

ہتک پالنے والے..... انتقام بننے والوں کی آنکھوں سے اتنے جذبے تو نہیں امنڈتے۔ اتنی شکست خوردگی اور حسرت تو نہیں ہوتی۔

وہ تھتے ہو کر پٹتے نہیں۔ وہ پلاسٹر چڑھی کلائی اور لنگڑاتی ٹانگ کے سہارے یوں در جاناں کی خاک تو نہیں چھانتے۔

یہ کون سا جذبہ تھا۔ وہ شخص کیا چاہتا تھا۔

اپنی جان کی بازی لگا دینے والا..... منتقم مزاج ہو..... سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مائدہ اور ماجدہ کی آنکھوں نے ایک دوسرے کو پیام دیا۔

اور جس حال میں وہ ایک بار پھر آ کر کھڑا ہوا تھا۔ حسرت و یاس سے بس نگاہ ٹکائے ہوئے۔ اس کی آنکھوں کا رنگ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر ضوفی نے سوچا ان میں یقیناً "بے رنگی" ہی ہو گی۔

"مجھے تم سے کوئی گلا نہیں جاذب سلطان' نہ

ناراضی نہ شکوہ' زندگی بھر..... کبھی نہیں۔" ایسے میں جب وہ سب باجماعت جاذب کو کوس رہی تھیں۔ تاباں اپنے دل کی اس سرگوشی پر بری طرح چونکی تھی۔

✲ ✲ ✲

"میں اتنی آسانی سے ہار نہیں مانوں گی۔ کبھی نہیں....." تاباں نے صاف واضح آواز و الفاظ میں ضوفی سے کہا تھا۔

"تو کیا کرو گی تم؟"

"تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ میں کیا کروں گی..... صاف انکار۔"

"اور جیسے کہ سب مان لیں گے ناں۔"

"کوئی مانے نہ مانے' میں اپنی بات سے پیچھے ہٹنے والی نہیں۔" تاباں کا لہجہ پرعزم تھا "تم ڈاکٹر بن کر اپنا مستقبل محفوظ کرو گی۔ ماجدہ کے لیے جمیل بھائی جیسے شاندار آدمی..... مائدہ کا نصیبا لشکارے مار رہا ہے۔ آنٹی نے فون پر کل ہی خوش خبری سنائی۔ آنے والی بہو کے قدم بے حد مبارک ہیں۔ دو سال سے رکی پروموشن کے آرڈر آگئے۔ گاڑی بھی مل گئی۔ افسر بن گئے وہ اور میرے لیے چاچا' چاچی..... شکیل کا رشتہ لے کر آئے ہیں اور ابا نے مسکرا کر سوچنے کے لیے وقت مانگا۔ میں....."

"شکیل میں کیا برائی ہے تاباں؟" ضوفی کی آواز بہت مدہم تھی۔

"وہ سونے کا بھی بن کر آجائے ناں تو تب بھی میں اس کی جانب نہ دیکھوں جس نے چوک پر میری عزت کا تماشا بنایا۔ وہ اب نگہبان بننے آ رہا ہے۔ میں کالے چور سے بیاہ رچالوں گی مگر اس سے..... کبھی نہیں بلکہ کالے چور سے بھی کیوں؟ میں اسی شخص سے شادی کروں گی جو مجھے ہر لحاظ سے اپنے قابل لگے گا اور تاباں مجاہد کسی ہلکی شے کو کبھی پسند کر ہی نہیں سکتی۔"

ضوفی کے چہرے پر قائل ہونے کے تاثرات تھے۔ مگر ساتھ ہی ایک فق تاثر بھی جیسے دماغ کہیں اور ہو۔

تاباں کو یکدم محسوس ہوا۔ وہ جتنی بھڑکی ہوئی ہے اور بڑھ چڑھ کر بول رہی ہے اپنے عزائم بیان کر رہی ہے۔ حکمت عملی' قطعی پن۔ فیصلے..... ضوفی اتنا ہی ڈھیلی ہے وہ نہ تو خوف زدہ ہو رہی ہے۔ نہ گھبرا رہی ہے نہ سمجھا رہی ہے۔ وہ کسی اور ہی جہان میں ہے۔

"اے!" اس نے ضوفی کے کندھے کو باقاعدہ جھنجھوڑ دیا "کہاں ہو تم' کن سوچوں میں گھری ہو؟"

ضوفی نے اپنی نگاہیں تاباں کے چہرے پر گاڑ دیں۔ وہ اسے جانچ رہی تھی۔ تول رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کشمکش تھی۔ کچھ کہنے نہ کہنے کی کشمکش۔

"بہت دن گزرے تاباں۔" ضوفی کے لب کھلے۔

"یہاں شادی کا اتنا ہنگامہ ہے ناں..... میں الرٹ تو تھی ہی..... اور شروع میں گنتی بھی یاد رکھی۔ ایک دو تین اور پانچ اور شاید سات بار....."

"میں کیا پوچھ رہی ہوں اور تم کیا کہہ رہی ہو؟ کس چیز کی گنتی ہے یہ؟" تاباں نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"لیکن گنتی سے فرق بھی کیا پڑتا ہے۔" ضوفی نے جیسے سنا ہی نہیں..... "اصل بات یہ ہے کہ وہ ایک بار پھر اسی معتوب و مخدوش حالت میں سامنے زیر تعمیر عمارت میں آکر کھڑا ہونے لگا ہے۔"

تاباں کے اوپر سے ایک ٹرین چنگھاڑتی ہوئی گزر گئی۔

"کہاں؟ کب؟ تم نے..... بتایا نہیں۔" ضوفی خاموش رہی۔

"اگر کسی نے اس بار اسے دیکھ لیا تو۔" تاباں نے جھرجھری لی۔

"تو وہ اپنی جان سے جائے گا۔" ضوفی نے جملہ مکمل کیا۔

"لیکن ضوفی..... میں سوچتی ہوں کیا اسے اپنی جان پیاری نہیں؟ وہ کیوں اپنی زندگی داؤ پر لگائے کھڑا ہے۔" تاباں نے کھڑکی کے ہلتے پردے کو دیکھا۔ کیا..... وہ..... اس وقت بھی ہے۔"

"وہ تھوڑی دیر پہلے تھا۔" ضوفی بولی۔ ساتھ ہی وہ بے آواز اٹھی اور بہت غیر محسوس طریقے سے پردے

کو سرکا کر اس نے نگاہیں نکائیں۔ تاباں کی نگاہیں ضوفی کے چہرے پر تھیں۔ جس پر جب "پالینے" کا تاثر آن رکا تو تاباں نے اپنے روئیں روئیں کو کھڑا ہوتا محسوس کیا۔

"وہ۔ چاہتا کیا ہے ضوفی؟" تاباں کا چہرہ سوال بن گیا۔

"اب تک نہیں سمجھی ہو... وہ تمہیں چاہتا ہے تاباں!" ضوفی کی آنکھیں جواب دے رہی تھیں۔

"اس چاہت کا انجام؟"

"فقط... ذلت 'رسوائی اور... اور موت۔" ضوفی کے چہرے پر جواب بہت واضح تھا۔

☼ ☼ ☼

موت طاری ہو جائے تو زندگی کی طرف پلٹا نہیں جا سکتا۔

پر موت کا خدشہ ہو جائے تو زندگی کو حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کی جا سکتی ہے۔ چھینا جھپٹی بھی جائز اور ناجائز بھی... سردھڑ کی بازی لگائی جا سکتی ہے۔

جسم کی موت سکون ہے۔ اطمینان 'بے فکری۔

اور روح کی موت...؟؟؟

اور تاباں مجاہد کی روح کو چھلنی کیا گیا تھا۔ چرکے لگائے گئے۔ اسے بے موت مارا گیا یا پھر مارنے کا ارادہ کیا گیا۔ کم از کم تاباں کو تو یہی لگا۔

چاچی جی نے تاباں سے ہمیشہ ایک رشک آمیز حسد کا رشتہ اپنائے رکھا جو بعد میں فقط حسد رہ گیا۔ جب وہ بچی تھی۔ تو سب سے ممتاز لگتی جب وہ بڑی ہوئی اور پھر اب جوانی کا جوبن... اس کی خود اعتمادی 'خوش لباسی' بے نیازی 'نا چاہتے ہوئے بھی وہ ان کی نظروں کے حصار میں رہتی۔ مقابلے بازی کا کوئی رشتہ نہیں تھا مگر وہ ایک تقابلی جائزہ لیتی رہتیں۔ حالانکہ یہ سراسر بے وقوفی تھی۔ وہ غیر شعوری ہی سہی کوئی ایسا موقع ڈھونڈتی رہتیں جب وہ تاباں کی کسی کمزوری کی پکڑ کر سکیں یا اسے کچھ جتا سکیں یا اسے کچھ سنا سکیں۔

اور جاذب سلطان والے معاملے میں تاباں کہیں سے بھی قصوروار نہیں تھی۔ مگر یونہی برسبیل تذکرہ جاذب سلطان کو لتاڑتے ہوئے اذیت تاباں مجاہد کو دی جا سکتی تھی کہ اس کا خود اعتماد چہرہ دھندلا جاتا تھا۔ وہ ہونٹ کچلنے لگتی تھی۔ لاجواب ہو جاتی تھی اور ایسے میں چاچی جی کو بے حد مزہ آتا۔ ہمدردی کی آڑ میں... جتانے کے سو طریقے۔

ایسی لڑکی جسے ہمیشہ کینہ توز نگاہوں سے دیکھا ہو۔ اسے بہو بنانے کے لیے وہ بڑے کروفر سے مجاہد تاج اور زاہدہ کے سامنے جھولی پھیلا کر پہنچی تھیں۔ ہرماں کی طرح چندے آفتاب و چندے مہتاب بہو ان کا بھی ارمان تھی۔ مگر وہ بہو تاباں ہوگی 'یہ انہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ مگر کچھ عرصے سے وہ سوچتی تھیں۔ تاباں کو بہو بنا کر وہ اپنی انا کی تسکین کر سکتی ہیں۔ بس یونہی خوامخواہ... ایسے ہی... مائیں کب بیٹوں کے عیب جانتی ہیں یا مانتی ہیں۔ مگر تاباں جیسی کاملیت پسند پسندیدگی کا اعلا ذوق رکھنے لڑکی کا شوہر شکیل ساجد بھی ہو سکتا ہے اور جاذب سلطان والے واقعے کے بعد تو تاباں کے حوالے سے چوٹ پہنچانے کا خیال اور زور پکڑ گیا۔

"ان کے بیٹے یونہی فالتو کے نہیں ہیں۔" پہلا خیال...

"تاباں پر ساری زندگی ایک برتری رہے گا 'وہ جو جی چاہے گا اسے سنا سکیں گی۔ اس کی ازلی بے نیازی اور ایک فطری مغرور تاثر کو وہ اپنے تلوے تلے رکھ سکیں گی۔"

بعض اوقات ہم جانتے ہی نہیں کوئی خاص وجہ... اور کچھ لوگوں سے یونہی چڑنے لگتے ہیں۔ نفرت کرنے لگتے ہیں۔ عناد پال لیتے ہیں اس کی پرورش کر کے اسے تناور درخت بنا دیتے ہیں اور پھر اس تلخ پھل سے زندگیوں کو زہریلا کر دیتے ہیں۔

پھر شکیل کا بھی رجحان نکلا۔ اس نے دل میں خود سے ہی طے کر رکھا تھا کہ اسے تاباں ہی سے شادی کرنا ہے اور یہ ارادہ کوئی اتنا حیران کن ہی نہ تھا۔

تاباں وہ چہرہ تھی جو ارادے بنا دیتی تھی۔ ارادے توڑ دیتی تھی۔

تمام تر مردانہ زعم کے باوجود اس کے دماغ کے کسی گوشے میں یہ تھا کہ تاباں مانے گی نہیں لیکن وہی کہ اب ایک سنہری موقع ہاتھ آگیا تھا تو کیا گنوا دیا جاتا؟؟؟

اور پھر یہ کہ زندگی بھر تاباں پر 'تایا پر اور سارے خاندان پر ایک احسان رہتا۔ وہ دب کر رہتی۔

دوسری جانب چاچی اور شکیل اپنے دل کو قیاس آرائی اور بدگمانی کی آخری حد پر بھی لے کر جاتے تب بھی دل کو اطمینان تھا۔ جاذب سلطان کی تمام تر کارروائی یک طرفہ ہے۔ تاباں سچ مچ لاعلم و بے قصور ہے۔ مگر اس حتمی خیال کو دل کے نہاں خانوں میں چھپا لینے کے بعد وہ اپنا پیر بھی اوپر رکھ رہے تھے۔

شومئی قسمت ماں بیٹے کی بے حد نپی تلی گفتگو تاباں نے اپنے کانوں سے سنی۔ وہ آستینیں چڑھا کر اس کے سر پر پہنچی۔

"اگر تم دنیا کے آخری مرد بھی ہو تو تب بھی میں تم سے شادی کروں؟؟؟ کبھی نہیں۔" وہ اس کے سر پر کھڑے ہو کر چلائی تھی۔ وہ جواباً" کچھ نہ بولا بہت گہری نگاہ سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے لطف اٹھاتا رہا۔

تاباں کے اندر بے چینی پھیلی۔ اس نے اس طرح سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

وہ یکدم اٹھ کر اس کے عین روبرو آگیا۔

"دنیا کا پتا نہیں... مگر تمہارا پہلا بھی اور آخری بھی..." وہ اتنا نزدیک آکھڑا ہوا تھا کہ دراز قامت تاباں کا سر اس کے چہرے کے عین نیچے ہو گیا تھا۔ اس نے ایک لمبا سانس لے کر اس کی سیدھی مانگ سے اٹھتی مہک کو اپنے اندر اتارا تھا۔ وہ بدک کر دو قدم پیچھے ہوئی۔

"میں... مم... میں ابا کو یہ ساری باتیں بتاؤں گی۔" اسے اپنا آپ ہارا ہوا لگنے لگا۔

"بے وقوف!" شکیل کا لہجہ بہت دھیما اور بوجھل ہو گیا۔ "ایسی باتیں اباؤں کو نہیں بتائی جاتیں۔"

تاباں کے پورے وجود میں چیونٹیاں سرکنے لگیں۔ وہ تابڑ توڑ جواب بھی دے سکتی تھی اور منہ توڑ دینا تو بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ مگر... مگر یہاں مسئلہ یہ ہوا کہ وہ کزن سمجھ کر جھگڑنے آئی تھی 'دھمکانے اور تادیب کرنے... مگر سامنے والا تو بات ہی کسی اور رنگ میں کر رہا تھا۔

اپنی تمام تر خود اعتمادی کے باوجود اس نے کبھی ایسی نگاہ نہیں جھیلی تھی۔ نہ ایسے جملے سنے تھے۔ وہ الٹے قدموں اپنے گھر کی جانب بھاگی تھی۔ پیچھے ایک بھرپور قہقہہ تھا۔

آج سے پہلے اس طرح کا قہقہہ بھی سماعتوں سے نہ ٹکرایا تھا۔

☼ ☼ ☼

جب وہ ضوفی کے سامنے حلق کے بل چلاتے ہوئے چاچی جی اور شکیل کی گفتگو سنا رہی تھی اور پھر اپنی اور شکیل کی بھی تب اس کا لہجہ بھی بہت تیز تھا۔ آنکھ سے شعلے۔ پسینہ اور پھولا سانس۔

اس وقت کامن روم عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ راشدہ آئی ہوئی تھیں۔ افشاں اور نازاں بھی موجود تھیں۔ بچوں نے بھی وہیں دھما چوکڑی مچا رکھی تھی۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا کہ سزا اتنی کڑی سنائی جائے... وہ جمیل بھائی نہیں ہے۔ وہ چاچی کا پرتو ہے اور سب سے بڑھ کر ان کا فرماں بردار... مدرز بے بی ویسے ہی بیویوں کے لیے عذاب ناک شوہر ثابت ہوتے ہیں اور اس پر اگر مدر زہر پروڈیوس کرتی ہو تو پھر...؟"

"بیٹا! سا سیں تو ایسی ہی ہوا کرتی ہیں۔" تائی جی کا چہرہ دکھ کا مظہر تھا اور آنکھیں کہتی تھیں "مجھے تمہیں تاباں کے حرف حرف پر یقین ہے۔

"مگر شکیل میں اتنی بھی برائیاں نہیں۔ ہوتے ہیں اس عمر میں لڑکے اتنے شوخے "اکڑے لاپروا... کون سا تمہیں جنگل میں بھیج دیں گے۔ اس کے ہمراہ یہیں اسی گھر میں سب کی نگاہوں کے سامنے رہو گی۔ کسی کی

کیا مجال کہ تمہیں کچھ سنا بتا سکے۔ میں اس کا حشر نہ کر دوں گی اور شکیل ــــ اسے تو میں اب بھی گھٹنے کے نیچے دبا کر کوٹ سکتی ہوں۔"

تائی جی نے اپنے گمبھیر لہجے اور جملوں کو انت میں ڈھیلا کر دیا۔ سب کے لبوں پر مسکان آگئی۔ بہت بچپن سے وہ لڑکوں کو غلطیوں پر اسی طرح فرش پر اوندھا گر کے مکوں سے مارا کرتی تھیں۔

تاباں کی چڑھی تیوری اور شعلے برساتی آنکھ میں ذرا لچک نہ آئی۔

"بتا دیں آپ سب کو ــــ ابا کو' میں مر جاؤں گی مگر ــــ یہ جو تماشا ہونے جا رہا ہے ناں اسے ہونے نہیں دوں گی اور تم ــــ"

وہ ساکت سامت بیٹھی ضوفی کی جانب مڑی۔ جو بند مٹھی، ہونٹوں پر جمائے فقط سامع کا کردار نبھا رہی تھی۔ نظریں فرش پر جمی ہوئی تھیں۔

"جو بڑے دلائل دیتی ہو۔ ایک ایک لفظ ناپ تلا ــــ اب کہاں گئی وہ صلاحیت؟؟ یا پھر وہ سب اپنے لیے کرتی ہو؟ میدان جنگ میں اس وقت آگے بڑھ کر وار کرتی ہو جب تمہاری اپنی جان پر بن جائے ورنہ ہتھیار سنبھالے سب کو لڑتے مرتے دیکھتی رہتی ہو۔" تاباں نے طنز کے تیروں سے بیچ بیچ ضوفی کا سینہ چھلنی کر دیا۔ اس نے فقط نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

"کہہ دو' جا کر ابا سے ــــ میں۔"

"کسی کو پیام لانے کی ضرورت نہیں۔ میں سب کچھ سن چکا ہوں۔" مجاہد تاج کی آواز پر سب اچھل پڑیں۔ سب کے چہرے فق ہو گئے مگر تاباں کے چہرے پر رونق آگئی۔ وہ کسی چھوٹی بچی کی طرح چند قدم آگے سرک آئی اور بہت تیز تیز بولنا شروع ہو گئی۔

اس کا انداز یوں تھا جیسے بچوں کے ہجوم میں تنہا کھڑی چھوٹی بچی جو لڑ لڑ کر ہانپ رہی ہو۔ سچی بھی ہو مگر کسی کو قائل نہ کر پاتی ہو۔ اچانک اپنے ابا اماں کو دیکھ کر بہادر ہو جائے کہ "دیکھا' اب آگئے میرے ابا ــــ ابھی تم سب کو مزہ چکھائیں گے۔ دیکھنا۔ ذرا ٹھہو' ایک منٹ ــــ تمہاری تو ایسی کی تیسی ــــ ہاں نہیں تو ــــ"

لیکن اگر! وہی ابا۔

"خدا کا شکر ادا کروں گا کہ عزت سے اپنے گھر کی ہو رہی ہو۔ سگا بھتیجا ہے وہ میرا۔"

"ابا! میری عزت میں کمی ہی کب ہے۔ جو میں عزت کے لیے ہاتھ پیر ماروں۔" وہ کرلائی۔

"ہر شخص کی زبان پر ہے یہ قصہ ــــ تم چھت پر کھڑے ہو کر لاؤڈ اسپیکر پر بھی سچ کہنا شروع کر دو تو تب بھی کوئی یقین نہ کرے گا۔"

"مجھے کسی کا یقین درکار نہیں ابا ــــ! بس آپ ــــ یقین کر لیجیے۔"

"میرا یقین کوئی معنی نہیں رکھتا۔"

"میرے لیے رکھتا ہے ابا!"

"مگر مجھے دنیا کو یقین دلانا ہے۔"

"ابا! دنیا کچھ نہیں ہے۔" اس کا لہجہ کرچی کرچی ہو گیا اور سب کے دلوں میں کرچیاں چبھ گئیں۔

"دنیا ہی سب کچھ ہے۔ میں نہ دیکھوں دوبارہ ایسا شور شرابا۔ فیصلہ وہ ہے جو ہو چکا۔ مجھے اپنی اور اپنے خاندان کی عزت کو سنبھالنا ہے اور یہ تو شکیل ہے جو فوری دستیاب ہے۔ لوگوں کی باتوں سے اور تمہارے اس جارحانہ انداز پر ــــ زبان درازی پر مجھے کوئی بھی مل جائے تو میں کل کا بیاہتا آج بیاہ دوں۔ یہ بھی بہرحال ایک موقع بن رہا ہے۔ ماجدہ کے ولیمہ کے روز نکاح کا ارادہ ہے جو کچھ لینا دینا ہے لسٹ بنا لو۔ تمہاری ماں بہنیں لا دیں گی۔"

"میں زبان درازی نہیں کر رہی ابا!" وہ ان کے نکل جانے تک جہاں کی تہاں کھڑی رہی پھر زیر لب بولتے ہوئے ڈھے سی گئی۔

قسم سے میں زبان درازی کب کر رہی ہوں۔

کیا میں نے زبان درازی کی؟؟؟

وہ زور و شور سے رونے لگی تھی۔ اس نے ماں کو شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا تھا جو یوں تھیں جیسے بولنا نہ جانتی ہوں۔ تائی جان کا چہرہ دکھی تھا مگر ایک پرسکون لہر تھی جو وضاحت دیتی تھی۔ ٹھیک ہی ہے جو کیا جا رہا ہے۔ بڑی بہنیں ساکت چہروں کے ساتھ اپنے بچوں پر چیخ چلا رہی تھیں۔

اور ضوفی جو بہت چپ تھی۔

☆ ☆ ☆

با اعتماد' بے نیاز ــــ وہ کاسمیٹک کی سب سے بڑی اور بہترین دکان میں کھڑی تھی۔ شدید سردی میں جب کاروبار کسی قدر مندا جا رہا تھا۔ وہ امپورٹڈ گرم لباس جوتوں میں بہت ہلکی پھلکی سی کھڑی تھی۔ سیلز مین اور دکان کے مالک کے جسم میں ویسے ہی گرمی دوڑ گئی تھی۔ آنے والی گاہک رخصت ہوتے وقت جیبوں کو نوٹوں سے بھر کر جانے والی تھی۔ وہ دونوں خندہ پیشانی سے اس کی ہر فرمائش پر آگے بڑھتے تھے۔ کاؤنٹر پر خوشبودار بوتلوں کا ڈھیر جمع ہو چکا تھا۔

اس کا روئی سا جما ہاتھ کاؤنٹر پر دھرا تھا۔ ملائم' چمک دار' گداز اور وہ بہت نزاکت سے اس پر نیل پالش کے رنگ سجا سجا کر دیکھ رہی تھی۔

سیلز مین اس کا مسترد کیا جانے والا سامان دوبارہ ریکس میں لگا رہا تھا۔ جبکہ مالک اندرونی خانے کھول کھول کر مزید بہترین کی جستجو میں تھا۔

وہ بے حد پرسکون و بے فکر تھی۔ جب اسے اپنی پشت پر نظروں کے شدید ارتکاز کی چبھن محسوس ہوئی۔ اس نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا تھا۔ وہاں کوئی ایسا نہ تھا جو اسے گھور رہا ہوتا۔ وہ اپنا وہم جان کر دوبارہ نیل پالش کی جانب متوجہ ہوئی۔ گلابی رنگ نے ہاتھ اور ناخن کی جلد کو ایک کر دیا تھا۔ اس کے لبوں پر پسندیدگی کی مسکان ابھر آئی مگر تب ہی چبھن کا احساس دوبارہ حاوی ہوا۔ اس کا چہرہ تپنے لگا۔ دکان کے اندر موجود دونوں اشخاص قطعاً" متوجہ نہ تھے اور تیسرا کوئی تھا نہیں۔ اس نے ایک بار پھر مڑ کر عمیق نگاہی سے دیکھا تھا کوئی ــــ نہیں مگر سامنے والے ریک کی دیوار شیشے کی تھی۔ ترتیب سے لگی خوش شکل بوتلیں۔ اور ان کے پیچھے سے جھانکتی دو آنکھیں جو اس کے چہرے پر پلکوں کی جنبش کے بنا ٹکی تھیں۔

اس کے پورے وجود میں پھریری سی دوڑ گئی۔ خوف کی اک لہر نے ریڑھ کی ہڈی کو سرد کر دیا تھا۔ نگاہیں ملنے پر وہ آنکھیں کترائی نہیں تھیں۔ گھبرائی بھی نہیں تھیں۔ بلکہ ان کے اندر ایک جتاتا سا تاثر آگیا تھا۔ اسے لگا وہ آنکھیں اسی مڈبھیڑ کی منتظر تھیں۔ وہی سیاہ جیکٹ اور چھجے والی گرم ٹوپی کان ڈھکے تھے اور جیکٹ کا کالر کھڑا تھا۔ آج ٹھوڑی چھپی ہوئی تھی مگر آنکھیں ــــ کیسی تھیں وہ آنکھیں؟! اس کے اندر برق دوڑی۔ وہ سب سامان چھوڑ کر پیچھے لپکی تھی مگر سیلز مین کی آواز وہ پلٹی تھی۔ شیشے میں اب کوئی نہ تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہ بے فکری سے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اتنے بہت سارے لوگوں کی موجودگی اور خوشگوار ہلچل بھرے ماحول پر اچانک جیسے سناٹا چھا گیا۔ سب

کام دھندے ہو رہے تھے مگر سوچوں میں گم اترے ہوئے چہرے۔

چاچی جی دو بیٹوں کو بیاہنے والی تھیں۔ ابھی مہینہ بھر سے زیادہ وقت تھا۔ مگر وہ سر شام ہی الٹی پرات کے نیچے تولیہ ٹھونس کر بڑی مشاقی سے بجانے لگتیں اور لہک لہک کر گاتیں۔

لڑکے والوں کی طرف سے گائے جانے والے گانے یوں بھی ایک استحقاقی کیفیت کے حامل ہوتے ہیں۔ رعونت بھرے 'خود کو اعلیٰ و ارفع جتاتے ہوئے' حق جتاتے ہوئے مگر تاباں کو وہ استہزاء لگتے' دھمکی لگتے۔ اسے اپنا وجود حقیر لگتا۔

وہ سب کو خود سے نظریں کتراتے ہوئے دیکھتی۔ ظاہر ہے کسی کے پاس اس کے لیے تسلی و تشفی نہیں تھی۔ شکیل کے جناتی قہقہے پہلے ہی ناگوار لگتے تھے۔ اب جیسے سماعتوں پر عذاب بن کر برستے تھے۔ اور تاباں کو لگتا جیسے نماز کے لیے قبلہ رخ کرلیا جاتا ہے' وہ ہنستے ہوئے اس کی ذات کو مرکز بناتا ہے۔ وہ اس پر ہنستا تھا۔

"تاباں کا مستقل انکار و ناپسندیدگی اور اس پر بے بس جانتے ہوئے بھی رشتہ ہو جانا شکیل کی مردانہ انا کو تسکین دے رہا ہے۔" مائدہ نے کہا تھا۔

"وہ تضحیک کے معنوں میں کیوں نہیں لیتا؟" نازاں نے پوچھا۔

"اس لیے کہ وہ جیت رہا ہے۔ فاتح ۔۔۔ عام حالات میں اسے شاید تاباں مجاہد نہ ملتی جو اب مل رہی ہے اور جیت لینے کے بعد بھی وہ چوکے لگا کے جیت کے اس جام کو ہر بار لبریز کرکے منہ سے لگائے گا۔ ہاری عورت مرد کی انا کو جتنی تسکین دیتی ہے۔ وہ کسی اور میں کہاں ۔۔۔" افشاں کے جملے نے سب کو چونکایا تھا۔ مستقبل کی دھندلی تصویر واضح ہو گئی جیسے۔

پورے دن میں ایک دو بار چند جملوں میں اسی طرح کے تبصرے کیے جاتے یا امی کی ترحم آمیز' بے بس نگاہیں' بہنوں کے ہوکے' ابا کی بے نیازی یا پھر اسے دیکھتے تو چہرے پر اک تنی ہوئی غصیلی کیفیت چھا جاتی۔

تایا ابا نگاہیں چرا لیتے یا پھر انہیں جیسے کسی بھی شے سے کوئی غرض نہیں تھی لیکن نہیں۔ انہیں صرف تاباں کے حوالے سے بے غرضی تھی۔

تائی امی جن کی وہ لاڈلی رہی تھی۔ انہیں بھی اپنی دو دو بیٹیوں کے بیاہ کی خوب فکر تھی۔ سو تاباں مجاہد کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے' وہ درست ہے اور بس خاموشی سے ہونے دیا جائے۔

تاباں نے ضوفی کی خاموشی کو بری طرح محسوس کیا تھا۔ جب سب مگن و مطمئن ہیں تو وہ کس سناٹے کی کیفیت میں ہے۔ اس کے حق میں بھی نہ بولی بلکہ اس سے بھی نہ بولی۔ ایسا لگتا جیسے کسی ادھیڑبن میں ہو۔

"تم نے کیوں چپ شاہ کا روپ دھار لیا۔" تاباں نے ضوفی کو جالیا۔ "کچھ نہ سہی پرسہ ہی دے دو۔"

ضوفی نے اپنی نگاہیں تاباں کے چہرے پر ٹکادیں۔ تاباں کی آنکھیں چغلی کرتی تھیں۔ وہ ذرا سا اشارہ ملنے پر دھاڑیں مار مار کے رونا چاہتی ہے۔ کالے دھویں کو چمنی درکار تھی۔

ایک امی تھیں جو اسے سن کر رو پڑتی تھیں۔ تاباں کو چپ ہونا پڑتا۔

دوسری ضوفشاں تھی۔ جو اسے سن سکتی تھی مگر وہ نجانے کہاں گم تھی۔

"پرسہ۔" ضوفی نے زیر لب دہرایا۔ دونوں کے درمیان خاموشی کا اتنا طویل پل آن رکا کہ دونوں جیسے ایک دوسرے کی موجودگی کو فراموش کر گئیں۔

"پرسہ دوں یا پرزہ ۔۔۔؟" ضوفی کی آواز کنوئیں سے برآمد ہوئی تھی۔

تاباں چونکی۔ "پرزہ ۔۔۔ کیسا پرزہ ۔۔۔؟"

"کاغذ کا پرزہ ۔۔۔ کبھی ایسے امتحان میں پڑی نہیں ۔۔۔ میں اچھی رازدار ہوں کہ نہیں۔ میں نے کبھی اس پہلو پر سوچا نہیں۔ لیکن ۔۔۔ میں پیٹ کی ہلکی بھی نہیں ہوں۔" وہ ناقابل فہم سے جملے کہتی کھڑی ہو گئی۔ وہ اپنی کتابوں کے ریک میں سے بہت موٹی کتابوں کی نچلی تہہ میں سے بصد احتیاط کچھ نکال رہی تھی۔

اس نے اپنی بند مٹھی تاباں کے سامنے کردی۔ تاباں نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا پھر بند مٹھی کو ۔۔۔ اس کے چہرے پر حیرانگی بھر گئی تھی۔ اس نے اپنی ہتھیلی پھیلائی تو ضوفی نے اپنی مٹھی اس پر خالی کردی۔

تعویذ کی طرح تہہ شدہ کاغذ ۔۔۔ جو دو روپے کے سکے جتنی جسامت رکھتا تھا۔ دراصل بازار جاتے وقت ضوفشاں مجاہد بنا کہے سنے گروپ لیڈر ہو جایا کرتی تھی۔ وہ سب بڑھ چڑھ کر حجت کرتیں۔ مگر فیصلے پر مہر وہ ثبت کرتی۔ والٹ اس کے حوالے ہوتا۔ پیسوں کے معاملے وہ سب کی سب نکمیاں تھیں اور اس دن تھک ہار کے وہ سب سموسے کھانے بیٹھیں اور خوب پیٹ پوجا کرکے جب نئے عزم سے بازار میں دوبارہ گھسنے کے لیے بھاگیں۔ تب کاؤنٹر پے منٹ کرتی ضوفی ان سب کو گھور کر رہ گئی۔ ہزار کے نوٹ کا بقایا دس دس روپے کے میلے کچیلے ڈھیروں نوٹ تھے۔ اور نوٹوں کی تہیں کھول کھول کر جماتے ہوئے یہ تعویذ نما پرچی ۔۔۔ اسے حیران کر گئی۔

"او بی بی! آپ یقین کرلیں جی۔ میں نے پورے ہی پیسے دیے ہیں۔ ہر ایک تو ہزار کا نوٹ لاتا ہے۔ بھلے چئیں ایک کوک کی بوتل ہو۔" ویٹر اسے دیکھ کے بولا تھا۔

"اب میں کہاں سے لاؤں اتنے کھلے' اب شکران صاحب کا جنہوں نے مجھے پانچ ہزار کے دس بیس اور سو کے نوٹ دے دیے۔ ورنہ شٹر گرا کے بیٹھ جاتے۔ بڑے نوٹ اچھے لگتے ہیں مگر جناب کاروبار کرنے کے لیے چھوٹے بڑے سب ضروری ہوتے ہیں۔" اس نے گہری بات کی۔

ہونٹ بھینچ کر صبر و ضبط سے سخی ضوفی کے لبوں پر مسکان آگئی۔ وہ اس کے چپ ہونے کی منتظر تھی۔

اور وہ تعویذ نما پرچی ۔۔۔ تب ہی غیر ارادی طور اس نے ویٹر کی نگاہوں کے تعاقب میں ہوٹل کے اوپر بنے کیبن پر سرسری نگاہ ڈالی تھی اور پھر ہفت آسمان اس کی نظروں کے سامنے گھوم گئے۔ زمین اس کی ہتھیلی پر دھری تھی اس نے جیسے ہتھیلی پلٹائی' آسمان نیچے' زمین اوپر ۔۔۔ سب تہس نہس برباد خاتمہ ۔۔۔

وہاں جاذب سلطان تھا۔ اپنی کافی کے مگ میں چمچ گھماتا۔ کافی سے اٹھتا دھواں اس کے خوبرو چہرے پر مرغولے بنا رہا تھا۔ ضوفی پر انکشاف کے در وا ہوئے اس نے میلے نوٹوں کے ڈھیر کو دیکھا تھا اور اس تعویذ کو۔ ایسا تعویذ جو کالے جادو کے کڑے وار کی طرح زندگیوں کو برباد کردینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

ضوفی نے اس تعویذ کو دیکھا اور پھر جاذب سلطان کو جس کے چہرے پر طمانیت سی تھی۔ ضوفی کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو چکی تھی ورنہ وہ اس تعویذ کے پرزے پرزے کردیتی۔ مگر۔

"اب آبھی جاؤ ضوفی ۔۔۔!" باقی سب یک آواز ہو کر چلائی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"معذرت نہیں کروں گا کہ وہ سب محبت تھی۔ غلطی نہیں کہ میں شرمندہ ہو جاؤں ہاں مگر ۔۔۔ اس تکلیف کے لیے جو تم جھیل رہی ہو ۔۔۔ وہ سزا جو تمہیں دی جارہی ہے۔ اس کے لیے میں خود کو خطاوار پاتا ہوں۔

اور ہر سزا کے لیے تیار ہوں۔ جو تم دو ۔۔۔ جو تم چنو۔

لیکن نہیں۔ ہمیں کب ہے اختیار سزا کا ۔۔۔ چننے کا

۔۔۔

دے رہے ہیں دینے والے۔

مغلظات کا طوفان برساتا وہ شخص ۔۔۔ جب ہنستا تھا تو داڑھ تک دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے دانتوں کا خلا اسے کتنا بدہیئت بنا رہا تھا ۔۔۔ میں اسے بتا سکتا تو ۔۔۔

وہ تمہارے لیے جان لینے آیا تھا۔

اور میں تمہارے لیے جان دینے ۔۔۔ پتا نہیں کس کا درجہ بلند تھا۔

عزت و محبت کے اس کھیل میں تمہاری جان پر بن گئی۔ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی مجھے ایسا رخ دکھائے گی کہ پہلی نگاہ گھائل کرے گی اور حسرت ذلیل

وخوار۔۔۔ عقل و شعور سب موجود ہے۔ مگر قوت فیصلہ اتنی کمزور ہو چکی ہے کہ تمہیں نہ دیکھنے' نہ سوچنے اور تمہارے در پر دوبارہ نہ جانے کا ارادہ ابھی جزئیات و تفصیل سے دہرا بھی نہیں پاتا کہ دل پلٹ جاتا ہے۔ زبان لڑکھڑا جاتی ہے۔ ارادے بھاپ بن کر اڑ جاتے ہیں۔۔۔ دل و دماغ کی اس جنگ میں۔۔۔ میں دماغ کی شکست کو ہر پل جھیلتا ہوں۔

محبت کی داستانوں میں وہی داستان امر ہوتی ہے۔ جس میں جدائی ہو اور مجھے امر ہونے کا شوق بھی نہیں رہا۔

تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتی ہو تاباں مجاہد اور بالکل حق پر ہو اگر یہ سمجھو کہ میں کوئی سڑک چھاپ ہوں اور لڑکیوں کا پیچھا کرتا ہوں تو تم مجھے کوس سکتی ہو' بددعائیں دے سکتی ہو (تو پھر دو۔۔۔ کہ میں تمہیں بھول جاؤں۔ لیکن نہیں یہ قائمی ہوش و حواس تو تمہیں بھولنا ناممکن ہے۔ تم کہو کہ میں ہوش و خرد کھودوں تو۔۔۔ بات ہے)

میں ایسا ویسا کبھی نہیں تھا نہ ہوں۔۔۔ یقین کرو مگر میں نے تمہیں کہا تھا ناں۔ تم با اختیار ہو اگر مجھے سزا دینا چاہتی ہو تو میں ہر سزا کے لیے تیار ہوں مگر انصاف پر آؤ۔۔۔ میں تو سیدھے راستے سے تمہارے گھر تک آیا تھا اور کئی بار آیا تھا۔ میری پسندیدگی محبت میں ڈھل گئی۔ اور محبت ہوس نہ کہلائی جائے تو میں نے ایک شریفانہ' عزت دارانہ طریقہ اپنایا۔ سچ کہو کیا میں نے غلط کیا؟؟؟

پتا نہیں یہ پیام بھی تم تک پہنچا سکوں گا یا نہیں۔

اور پتا ہے میں تمہیں ہر روز ایک نامہ لکھتا ہوں اور دکھ کی شدید ترین بات یہ ہے کہ محبت نامہ اب فقط معذرت نامہ رہ گیا ہے۔

مگر پھر بھی یاد رکھنا۔ معذرت محبت کے لیے نہیں ہے۔

معذرت اس تکلیف کے لیے جو تم جھیل رہی ہو۔

میں اپنی محبت کو غلطی تسلیم کر ہی نہیں سکتا۔"

"تم نے مجھے یہ کیوں دیا ہے ضوفی۔۔۔ بلکہ تم نے اسے لیا ہی کیوں۔" تاباں کی آواز اس کی اپنی آواز لگتی ہی نہ تھی۔

"پتا نہیں۔۔۔" ضوفی اپنی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔" وہ پچھلے سارے رقعے جو تم نے مجھے دیے تھے تاباں۔۔۔ وہ میں نے پڑھے تو تھے مگر پھر شدید ترین گھبراہٹ اور اشتعال کے عالم میں انہیں پرزہ پرزہ کر دیا تھا۔ مگر اسے میں نے صبر سے پڑھا ہے۔۔۔ یہ تو اس دنیا کے الفاظ لگتے ہی نہیں اور تمہیں کیوں دیا ہے پتا نہیں۔۔۔ مگر شاید میں نے غلط کیا۔" ضوفی کا کھویا کھویا لہجہ ہشیار سا ہو گیا۔

"لاؤ۔۔۔" اس نے اپنا ہاتھ تیزی سے تاباں کی سمت بڑھایا "لاؤ اسے پھاڑ دوں۔"

ضوفی کا ہاتھ جتنی تیزی سے آگے ہوا تھا۔ تاباں نے اس سے زیادہ تیزی سے اپنا ہاتھ پیچھے کیا۔

اس کی آنکھوں میں ناقابل فہم سی کیفیت آن رکی تھی۔ مگر نہیں۔ اس میں ایک جارحیت اور قطعیت کا ہلکا عکس موجود تھا۔

اور اس سے پہلے کہ ضوفی آنکھ کے بدلے رنگ پر چونکتی۔ جملے نے آسمان اس کے سر پر گرا دیا۔

"نہیں میں تمہیں اسے نہیں دے سکتی۔۔۔ کبھی نہیں۔" وہ مٹھی بھینچ کر سرعت سے اٹھی تھی اور اگلے پل نظروں سے اوجھل تھی۔

☼ ☼ ☼

پچھلے سارے مکتوب ایک وہم تھے۔ بے یقینی' خیال و گمان کیوں؟ کب؟ اور کیسے؟ جیسے لاتعداد سوالوں نے ان کے اندر کی خوب صورتی کو دل میں اترنے نہیں دیا تھا سو وہ بس نگاہ کو متاثر کرتے تھے۔ ایک حیرانگی کی صورت' ایک خوف کی شکل مگر تاباں کی ہتھیلی پر پڑا وہ تعویذ اب کسی اجنبی کی ہرزہ سرائی نہیں تھا۔

تعویذوں کے اندر لکھے لفظ اور نقش عموماً" عام آدمیوں کی سمجھ میں نہیں آتے۔ وہ تو بس عقیدت

مندی سے چوم چاٹ کر سنبھال لیتے ہیں۔ اس یقین سے کہ ان میں لکھے لفظ زندگی کو بدل دیں گے۔

مگر اس تعویذ کے اندر لکھے حروف و جملے زندگی کو..... زندگی کے اس بھیانک روپ کو بدل دینے کے صلاحیت رکھتے تھے۔ ان کا نقطہ نقطہ سمجھ میں آرہا تھا۔ اس تعویذ میں بربادی تھی۔ (اس میں آبادی بھی تھی)

اس میں ایک جانب محبت کا تاج عزت کے ساتھ سر پر رکھا جا رہا تھا۔ تو دوسری طرف ذلت کی دلدل تھی۔ جو نسلوں تک کو اپنے اندر کھینچ لینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

کوئی اس سے ایسی محبت کر رہا تھا۔ جو محبت کم عزت زیادہ لگتی تھی۔

اور اسے اس کے اپنے گھر والے ایسی عزت دے رہے تھے۔ جس میں محبت کا نام و نشان تک نہ تھا۔ جو عزت کے لفافے میں لپٹی ذلت تھی۔

اس نے شکیل کو نہ تو قبولا تھا۔ نہ ہی اس کا ارادہ تھا۔ مگر جب ایک ان دیکھے شخص سے اس کا موازنہ کیا تو ان دیکھا شخص ہر لحاظ سے برتر لگا۔

کتنی عجیب ترین بات تھی کہ اس سارے فساد کو پھیلانے والے اسے اپنی زندگی کے حوالے سے اتنا بے بس کر دینے والے شخص سے اسے کوئی گلہ نہ ہوا تھا۔ ایک بار بھی۔

کھڑکی سے باہر کھڑا ایک شخص۔۔۔

جو اسے بے حد و بے حساب چاہنے کا دعوے دار تھا۔

سائنس و ٹیکنالوجی کے اس دور میں جو مہکتے جملوں سے کانوں میں رس گھول رہا تھا۔ زمین پر رہتے ہوئے انجان فضاؤں کی باتیں کرتا تھا۔

اس کے دل میں شدید ترین خواہش ابھری کہ کاش وہ پچھلے سارے پیغام جو ضوفی نے پھاڑ دیے تھے۔ اسے مل جائیں تو وہ انہیں نئے سرے سے پڑھے کہ اب وہ کسی اجنبی کے جملے نہ ہوں گے۔ وہ شکل سے بھلے انجان تھی مگر اس کو پہچان گئی تھی۔

اس کے لکھے پیام حرف بہ حرف یاد نہیں تھے۔ مگر اس نے ایک بار لکھا تھا۔

"میں چھپا ہوا نہیں ہوں۔۔۔ تم کہو تو ابھی سامنے آجاؤں۔۔۔ مگر میں چاہتا ہوں تم میرے وجود، قد کاٹھ..... عمر آواز شکل و صورت کے تناظر میں میرے حق فیصلہ کرنے کے بجائے میرے دل کو دیکھو۔۔۔ جو تمہاری محبت سے سرشار ہے۔"

اس کے دل میں کھدبد لگی تھی۔ جاذب سلطان کو دیکھنے کی۔ مگر دیکھنے سے پہلے وہ اسے جان گئی تھی۔ اسے خواہش ہوئی تھی۔ مگر وہ اپنی بپتا میں ایسا الجھی کہ فراموش کر گئی۔

تاباں مجاہد کو اپنی پڑی تھی۔

وہ بے قصور تھی۔ مگر قصوروار ٹھہرائی گئی اور پھر سزا بھی سنادی گئی۔

سب اپنی زندگیوں میں مگن تھے اور اسے دیوار سے لگا دیا گیا تھا۔ وہ ایک پریشر سہہ رہی تھی۔

اندرونی پریشر۔۔۔ جو چاچی جی کے جملوں، آنکھ کے اشاروں میں پنہاں تھا۔ جو گھر والوں کی بے نیازی میں تھا۔

جو زاہدہ بیگم کی آنکھوں میں نمی کی صورت تھا۔

مجاہد تاج کی درشتی اور خشونت آمیز نگاہوں میں تھا۔ اسے دیکھتے ہی ان کی تیوری چڑھ جاتی تھی۔

مشاہد تاج اسے دیکھتے ہی نگاہیں پھیر لیتے تھے۔ یا اٹھ کر چلے جاتے۔

تائی جی نے اس سے ہمیشہ لاڈ کیا تھا۔ اس نے اسی التفات کے سہارے سب کے رویوں کی شکایت لگانے کی کوشش کی تھی بارہا..... مگر ان کے پاس اب جواب نہیں تھے۔ لہٰذا اس کی شکوہ کناں نگاہوں سے بچنے کے لیے وہ اس سے بچنے لگی تھیں۔ خود کو بے پناہ مصروف ظاہر کرتیں۔

وہ کس کے آگے دل ہلکا کرتی۔ بڑی بہنیں کنی کترا جاتیں۔ موضوع بدل دیتیں۔

(اتنی جلدی سب نے سب کچھ قبول کر لیا تھا۔ اس نے ایسا کیا کر دیا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا

اسے مورد الزام ٹھہرایا جاتا اور سزائے موت سے بھی کڑی سزا شکیل کی صورت۔)

اور شکیل۔۔۔ ؟۔۔۔ ؟؟اس کا دیا جانے والا پریشر۔ اس کی نگاہوں کا استحقاق جس میں نرمی نہیں تھی۔ محبت نہیں تھی اور احترام تو بالکل نہیں تھا ایک ایسا حق تھا۔ جو اس کے چہرے کو فق کر دیتا تھا۔

آنکھوں میں اترا حق اب اس کے ہاتھوں میں اتر آیا تھا (جملوں میں تو موجود تھا ہی)

وہ اس کی کلائی۔۔۔

اور ریشمی بالوں کی موٹی لٹ.....

اور۔۔۔

اور.....

اس پکڑ میں ملائمت گرم جوشی کا فقدان تھا۔ اس میں جارحیت تھی۔ ہتک سی۔۔۔ تذلیل اور شکیل نے اس روز محسوس کیا تھا۔

"بعض باتیں ابا کو نہیں بتائی جا سکتیں اور بعض حرکتیں۔۔۔ ؟؟؟"

وہ منہ توڑ کر ہاتھ میں رکھ دینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اسے ترت جواب دینے بھی آتے تھے۔ مگر کوئی اسے سنتا نہیں۔۔۔ اور یقین بھی نہ کرے گا اس احساس نے اسے اتنا کمزور کر دیا تھا کہ اب جیسے جنبش بھی محال تھی۔

اور آخری دباؤ وہ تھا جو اسے ضوفشاں کے چہرے کے بدلے رنگ سے پڑتا تھا۔ جب وہ غیر محسوس طریقے سے کھڑکی سے باہر جھانکتی اور پھر اس کا چہرہ لٹھے کی طرح سفید ہو جاتا۔

تاباں نے اپنے دل پر ایک نئی کیفیت کو وارد ہوتے محسوس کیا۔

"اگر جو کسی نے اسے دیکھ لیا۔" آگے اس کا دماغ مفلوج ہو جاتا۔

"میرے ساتھ تو جو برا ہونا تھا اور ہونا ہے مزید۔۔۔ وہ تو ہو گیا۔ طے کر لیا گیا لیکن مجھے تمہاری فکر نے ہولا کر رکھ دیا ہے۔ تم مستقل مزاج نہیں ہو۔ تم نے کہا تھا۔ میں تمہیں پہچانوں اور تمہارے دل کو..... اور میں نے جان لیا۔ تم محبت کے نام پر خوار ہو رہے ہو اور ختم ہو جانا تمہارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اس انکشاف نے میرے دل کو دہلا دیا ہے کہ اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو.....

وہ سارے گھر سے کٹ چکی تھی۔ تنہا۔ سوچوں میں گم۔۔۔ بیزار، خفا، بے سکون اس کی سوچیں دو رویوں کے بیچ گھومتی تھیں مثبت و منفی۔

گھر کے اندر۔۔۔ اور گھر کے باہر۔۔۔

کھڑکی کے باہر کھڑا شخص محبت کا دعوے دار تھا۔ محبت عزت کے ساتھ۔۔۔

اپنی جان کی پرواہ نہ کرنے والا۔۔۔

وہ اس کے لیے مرنے آتا تھا ہر روز..... زندگی تب تک تھی ناں جب تک وہ "کسی" کی نظروں میں نہ آتا۔ اگر جو اسے دیکھ لیا جاتا تو۔۔۔ وہ گھڑی زندگی کی آخری گھڑی بن جاتی اور یہ بات وہ جانتا تھا..... پھر بھی۔

اس لفظ "پھر بھی" نے تاباں کا دل پلٹ دیا۔

یہ سچ تھا کہ اس نے ایک بار بھی کھڑکی سے باہر نہیں دیکھا تھا۔ وہ فقط ضوفی کے چہرے سے اندازہ لگا لیتی کہ باہر کی کیا صورت حال تھی۔

جاذب سلطان کے آخری نامے میں تکلیف و معذرت کی گردان سے اس نے جانا کہ وہ یقیناً "جان گیا ہے کہ تاباں مجاہد کے لیے کیا فیصلہ کیا گیا ہے اور اس کا سورس آف انفارمیشن یقیناً" آپا تسنیم تھیں۔ وہ مائدہ کی ساس کے ساتھ ایک بار آئی تھیں۔ تب ہی انہیں خبر ملی کہ تاباں کا نکاح کیا جا رہا ہے شکیل کے ساتھ.....

یہ خبر چاچی جی نے انہیں بہت جتا کر، بنا سنوار کر سنائی تھی۔ آپا تسنیم نے بے ساختہ زاہدہ بیگم کے چہرے کو دیکھا تھا۔ ستا چہرہ۔۔۔ بجھی آنکھیں۔۔۔ انہوں نے دیورانی کی بات کی تصدیق نہیں کی تھی۔ مگر ان کا پورا وجود ہی تصدیق کرتا تھا۔ فقط زبان نہ بولی تو کیا ہوا۔

موقع دیکھ کر آپا تسنیم نے معذرت کے لیے جب جملے موزوں کیے تب زاہدہ بیگم نے ٹھنڈی سانس

بھری تھی۔

"آپ کیوں معذرت کریں گی۔ وہ سب تو ایک بہانہ بن گیا ورنہ ہمارے ہاں یونہی ہوتا ہے۔ بنا کسی سبب کے ایسے ہی جوڑ جوڑ دیے جاتے ہیں۔ بس خون کا رشتہ ہونا ضروری ہے اور پھر چچا تایا کے بیٹے موجود ہوں تو سگی پھوپھی کو بھی بیٹی نہیں دی جاتی۔ یہاں تو اب احسان بھی چڑھائیں گے' زندگی بھر دبا کر رکھیں گے۔

بس میری تاباں پر نہ نام کا اثر ہوا نہ شکل کا کچھ کام آیا۔ ٹھنڈا نصیبا لے کر پیدا ہوئی میری بیٹی۔"

"پہلے بھی کبھار آتا تھا۔ مگر جس دن سے میں نے وہ رقعہ لے لیا۔ اس نے تو ناغہ ڈالنا ہی چھوڑ دیا۔" ضوفی عجب پچھتاوے میں گھر کر بولی تھی۔

"کس گمان میں آجاتا اب ۔۔۔ کیا خوش فہمی ہے اسے۔"

"خوش امیدی بھی تو کہہ سکتی ہو۔" تاباں کا لہجہ کھویا کھویا تھا۔ "بعض لوگ آخری پل تک ہار نہیں مانتے۔"

"یہ پاگل پن ہے صرف ۔۔۔ جو بربادی کے دروازے پر کھڑا ہے۔"

"بربادی اور آبادی میں اب کوئی فرق نہیں رہا۔"

"وہ برباد ہو یا آباد' میری طرف سے جہنم میں جائے۔" ضوفی بھڑکی تھی۔

"بد دعا مت دو۔"

"اسے دے رہی ہوں۔ تمہیں نہیں ۔۔۔"

"کیا پتا مجھے ہی لگ رہی ہو۔" وہ اتنا دھیمے بولی تھی کہ ضوفی باوجود کوشش کے سن نہ سکی۔ وہ بہت ہلکے قدموں سے کھڑکی کی جانب بڑھ رہی تھی۔

"نوڈی پوائنٹ بات کرتی ہو ضوفی! مدلل ۔۔۔ واضح ۔۔۔ کیا تم ابا کو بتا نہیں سکتیں کہ میں بے قصور ہوں ۔۔۔ اور یہ کہ مجھے اتنی سخت سزا نہ سنائیں۔" وہ کھڑکی کے ساتھ کھڑی تھی اور پردے کے پھولوں پر ہاتھ دھرا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے میں نے بتایا نہیں ہوگا۔ مگر مجھے لگتا ہے بعض باتیں قسمت سے ہمارے ساتھ ہاتھ پیر کی طرح جوڑ کر اتاری جاتی ہیں۔"

"تم ہی نے ایک بار کہا تھا ضوفی ۔۔۔ قسمت اگر مجسم صورت میں سامنے آجائے تو دیکھنے والے دیکھیں گے' وہ دونوں پیروں سے معذور ہو گی۔ اس کے ہوا میں اٹھے بے حس ہاتھوں کو ایک جانب سے اللہ نے تھام رکھا ہوتا اور دوسری جانب سے اگر بندہ تھام لے تو جدھر جی چاہے لے کر جا سکتا ہے۔ تو کوشش کر لینے کے بعد اگر صبر کیا جائے تو اچھا ہوتا ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہتی ہو تاباں ۔۔۔؟" ضوفی کو اپنے جملے یاد تھے۔ اپنی ڈاکٹری کے حوالے سے اس نے یہ جملے کہے تھے کہ وہ سر دھڑ کی بازی لگائے گی' محنت کرے گی اور گھر والوں کو قائل کہ اسے اجازت دے دی جائے۔ ان دو کاموں کے کرنے کے بعد جو ہو گا وہ قسمت ہو گی۔

"یہی کہ ۔۔۔" تاباں نے پردہ سرکایا "قسمت کو بدلا جا سکتا ہے۔"

"تت ۔۔۔ کھڑکی کیوں کھولی تاباں ۔۔۔ پیچھے ہٹو۔" ضوفی کے چونکنے چلانے اور آگے بڑھنے تک پٹ وا ہو چکے تھے۔ تیزی سے اندر آتی ہوا نے اس کے بالوں کو بہت بے ترتیبی سے اڑایا تھا۔ تاباں نے لمبا سانس کھینچ کر ساری زندگی سے اپنا اندر بھر لیا۔ وہ دونوں ہاتھ چہرے کے گرد پھیر کر بالوں کو سنوار رہی تھی۔

"ہٹو تاباں!" ضوفی نے اس کے بازو کو کھینچا تھا۔ تاباں نے ضوفی کو جھٹکا سا دیا وہ بمشکل گرنے سے بچی تھی۔

"تم کیا مجھے اسٹیل مین سمجھتی ہو ۔۔۔ کھڑکی سے باہر کھڑا ایک شخص جو ہار ماننے کو تیار نہیں جو زندگی موت کی پروا کیے بنا یہاں آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جو سنہری لفظ لکھتا ہے مہکتے جملے ۔۔۔ جیسے میں باغ عدن میں کھڑی ہوں ۔۔۔ اور تم ۔۔۔ تم تو مجھ سے زیادہ عقل مند ہو۔ زمانہ شناس ہو' چہرہ شناس ہو۔ تمہیں پتا نہیں چلا کہ یہ محبت ہے جو اسے موسموں کی پروا کیے بنا ادھر لا کر بخ دیتی ہے۔ ایسی محبت جو عشق کی حد میں داخل ہو چکی ہے۔

اور عشق ایسا جو زندگی اور موت کے خوف کی حد سے بہت پرے جا چکا ہے اور تم ۔۔۔"

"بکواس بند کرو ۔۔۔ تاباں!" ضوفی آواز دبا کر چیخا تھا "اور ہٹو پیچھے کوئی دیکھ لے گا تمہیں ۔۔۔ بل ۔۔۔ بلکہ وہ' وہ تمہیں دیکھ لے گا۔ اس کی خوش امیدی کو سہارا مت دو۔ اسے مایوس ہو جانے دو یہی بہتر ہے سب کے لیے کب تک کھڑا رہے گا اور ۔۔۔ اور ویسے ہی چند دن بعد تو تم نئی زندگی۔"

"کوئی نہیں دیکھے گا۔ میرا ڈر ختم ہو چکا ضوفی!" تاباں نے خود کو جھٹکا دیا تو ضوفی کے ہاتھ جو اس کے شانوں پر ٹکے تھے۔ پہلوؤں میں جا گرے۔

"عزت کا ڈر ۔۔۔ جو میرے گھر والوں ہی نے خراب کر دی۔ موت کا ڈر ۔۔۔ اگر ہوتا ۔۔۔ تو جاذب سلطان یہاں پر روز آکر کھڑا نہ ہوتا۔" اس نے ضوفی کو لاجواب کر دیا۔ "تم سب نے مل کر ہمیں بے خوف کر دیا۔"

"تم کیا کرنے والی ہو تاباں؟" ضوفی نے آواز کی کپکپاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کی۔ وہ ضوفی کی سمت گھومی۔ سینے پر دونوں ہاتھ لپیٹ لیے۔

"وہی ۔۔۔ جو میں نے اب تک نہیں کیا تھا اور جو مجھے کر لینا چاہیے تھا۔"

اور ضوفی کا چہرہ اتنا بے رنگ جیسے سرد خانے میں رکھی لاش۔

☼ ☼ ☼

"ایک سے ایک حسین صورت' حوروں کو شرماتی شکلیں پڑی ہیں۔ کسی کی آنکھیں' کسی کا رنگ' کوئی بولتی ہے تو لگتا ہے جھرنے کا پانی گرتا ہو۔ خدا کی خدائی یاد آتی ہے۔ جو اتنی موہنی صورتیں گھڑتا ہے۔ وہ خود کیسا ہو گا اور تم ایک تصویر کے پیچھے خود کو برباد کرنے پر تلے ہو۔" جاذبہ کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا وہ اپنے اشتعال پر قابو پانے میں ناکام ہو رہی تھیں۔

"صرف تصویر مت کہیں ماں ۔۔۔ وہ مجسم ہے ۔۔۔ اسی شہر میں۔" اس نے ماں کو بہت اطمینان سے مطلع کیا تھا۔

"اسی شہر میں ۔۔۔ اسی ملک میں ۔۔۔ بلکہ اسی دنیا میں اتنی لڑکیاں ہیں کہ مردوں کی تعداد سے زیادہ ہو گئی ہیں۔ ایک وقت میں چار ملیں گی۔" جاذبہ نے تیز لہجے میں اس کے انداز میں کہا۔

"ڈھونڈتے وقت تو آپ کو ایک بھی نہیں مل رہی تھی۔" وہ ماں کو چھیڑ رہا تھا۔ جاذبہ نے اس کی صورت دیکھی' وہ معاملے کو جتنی گمبھیرتا سے لیتی تھیں۔ جاذب اتنا ہی بات کو ہوا میں اڑاتا تھا۔ جو وہ طے کر چکا تھا اس نے وہی کرنا تھا۔

"میرے لال!" جاذبہ نے سرعت سے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھر لیا۔ "کیوں پریشان ہوتے ہو۔ کون کرتا ہے آج کل کے زمانے میں ایسی باتیں اور ایسے اندھے عشق ۔۔۔ تم نے تصویر دیکھ کر اسے پسند کیا۔ پھر سیدھا رستہ اپنایا۔ ٹھیک کیا۔ انہوں نے انکار کیا۔ ہم نے اصرار ۔۔۔ پھر کوشش دوبارہ سہ بارہ ۔۔۔ لیکن وہ چیز تمہارے لیے ہے ہی نہیں۔ لڑکی انوالو ہوتی تو بھی سر دھڑ کی بازی لگانا سمجھ میں آتا ہے۔ اس کے فرشتے بھی بے خبر ہیں اور تم ۔۔۔"

"وہ جان چکی ہے۔ کوئی بے خبری نہیں۔"

"تمہیں کیسے پتا؟؟"

"اس سوال کو رہنے دیں۔"

"کیوں اپنی جان کے دشمن بنے ہو۔ تمہیں ہم پر ترس نہیں آتا۔"

"اماں! ایسے سوال نہ کریں ناں جن کے میں جواب نہ دے سکوں۔"

"تو جس سوال کا جواب ہی تمہارے پاس نہیں' وہ تمہیں امتحان میں پاس کیسے کروائے گا۔ وہ اگلی بار زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ مجھے تو کچھ خاص نہ لگا تھا اس تصویر میں۔ تم کس چیز پر لٹو ہو گئے جاذب؟" جاذبہ نے سر پکڑ لیا۔

"اور بعض لوگ تصویر میں بہت اچھے لگتے ہیں۔ سامنے سے دیکھو تو کچھ بھی نہیں ہوتے۔ تم سے ایسی

بے عقلی کی امید نہیں تھی۔"

"تو آپ سے کس نے کہہ دیا۔ عشق کرنے والے عقل رکھتے ہیں۔ عقل کا عین جب عشق کے عین میں ڈھل جاتا ہے ناں تو بڑے بڑے بینا ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں۔ میں تو عام آدمی ہوں پھر۔"

"تو یہی تو کہہ رہی ہوں۔ رہو ناں عام آدمی بن کر سیدھے سیدھے گھر بساؤ۔ تم سے کس نے کہہ دیا کہ عشق کی دلدل میں پیر گھساؤ۔"

"اب تو گھسا دیے ماں ___!" وہ بہت دیر سے ماں کے جملوں کو ہلکا لے رہا تھا۔ لاپروائی ظاہر کر رہا تھا۔ پہلی بار بے بسی 'ملال' شکست لہجے میں گھل گئی۔ چہرے پر مایوسی کی ایسی چادر تن گئی کہ جاذبہ لرز لرز گئیں۔

"مجھے تمہاری زندگی عزیز ہے جاذب!"

"اور میری زندگی کو کوئی اور عزیز ہو گیا۔" وہ بڑبڑایا۔ "میں صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں' میری محبت کتنی سچی ہے۔ طلب کتنی جان دار ___ میں آخری پل تک اپنے عشق کو آزماؤں گا۔ اسے کھڑکی کے پٹ کھولنے ہی ہوں گے۔"

"کون سی کھڑکی؟" جاذبہ نے بھونچکی ہو کر اس کی صورت دیکھی تھی مجال ہے کہ ایک لفظ بھی پلے پڑا ہو۔

"وہ سب جانور تھے جاذب ___ میری کوئی نیکی ہو گی جو تمہیں زندہ چھوڑ گئے۔" جاذبہ نے ہار مان لی تھی۔ ان کی آنکھوں کی نمی بے بسی کو بتاتی تھی۔

"امی! وہ" ماں کی جانب گھوما۔ ان کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ وہ ہاتھ کو بہت ہولے سے تھپکتا ہوا انہیں بتا رہا تھا یا شاید خود کو ___

"مجھے مجھ سے زیادہ آپ جانتی ہیں۔ میں کب تھا ایسا ___ نہ میں ایسا نہ میرا باپ ایسا کہ لڑکیوں کا پیچھا کرتے ہوئے گھروں تک پہنچ جائیں۔ آپ کو یاد نہیں میں نے ایک بار آپ سے کہا تھا کہ لڑکیوں کی عزت ہوتی ہے تو کیا لڑکوں کی نہیں ہوتی۔ اپنے اخلاق و کردار کے حوالے سے بہت واضح ذہن تھا میرا اور عمل بھی

___ شاید میں بشری تقاضوں سے ناواقف تھا۔ ایک انسان کب کب کس کس طرح ڈگمگا جاتا ہے۔ میں نے کوئی بڑا بول بول دیا ہو گا ___ یاد نہیں پر جو بھی ہوا' اچھا یا برا۔ میں تو بس یہ دیکھنا چاہتا ہوں' یہ راہ مجھے کس منزل پر لے کر جائے گی۔

ایک بے جان جھلک نے میرا اندر باہر تہس نہس کر دیا۔ مجھے تو اب یہ کھوج بھی لگ گئی کہ میں ایک بار اسے بس روبرو دیکھ لوں۔ بھلے اگلے پل اپنا سارا جنوں ایک پاگل پن دکھائی دینے لگے اور میں خود سے ایسا شرمندہ ہو جاؤں کہ منہ چھپانے کو کوئی جگہ نہ ملے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دل کو قرار مل جائے۔ مجھے بس دیکھ لینے دیں کہ اس آغاز کا انجام کیا ہوتا ہے۔ بس ___ ابھی ہوش مندی اور بے خودی کے بیچ ڈول رہا ہوں ___ مجھے ایک جانب ہو جانے دیجیے۔"

وہ بہت طویل پیرا بول کر ہانپ گیا تھا۔

"مجھے نہیں سمجھ میں آتیں ایسی باتیں ___ میں بس تمہاری زندگی صحت اور خوشی چاہتی ہوں ___ باقی دنیا ___"

"امی ___!" اس نے ان کا جملہ کاٹ دیا "مجھے خود کو آزمانے تو دیجیے۔"

اس کے لہجے کی التجا نے جاذبہ کا دل کاٹ کر رکھ دیا' وہ اس کی صورت دیکھتی رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

ہمت و جرات کا مظاہرہ اس نے گھر سے نکل کر نہیں دیا تھا۔ ہمت اس کھڑکی کے پٹ کھولنا تھے جب ایک بار اس نے پٹ وا کر دیے تو باقی کے سارے راستے خود بخود آسان ہو گئے۔ کھلتے چلے گئے۔

ساری احتیاط 'خوف' زبان بندی کھڑکی کے بند پٹوں کے پیچھے تھی۔ جب ایک بار وہ کھل گئے تو آنکھیں بھی کھل گئیں۔ گھر کے سامنے کا وہی منظر تھا جو وہ بچپن سے دیکھتی آ رہی تھی۔ مگر اس میں نیا پن سامنے کھڑا شخص تھا۔

Khawateen Digest February 2014

جو ششدر سا اسے دیکھ رہا تھا۔ اتنے کھڑاک کے بعد اتنی ذلت و رسوائی کے بعد ___ مار کٹائی کے بعد جب وہ مایوس ہو کر پلٹنے ہی والا تھا۔ تب سامنے کھڑی وہ حقیقت' اس نے آنکھیں ملی تھیں اور وہ چند قدم آگے بڑھ آیا تھا وہ وہی تھی تصویر والی ___ اور حیران کن بات یہ ہوئی کہ وہ تصویر سے کتنی مختلف تھی۔ اس کے دل کے کونے میں یہ بات اول روز سے تھی اگر وہ تصویر کا الٹ نکلی تو ___

سچی بات تو یہی تھی ناں کہ تصویری حسن دیکھ کر ہی مبہوت رہ گیا تھا۔ گھنٹوں اس تصویر کو تکتا تھا (جسے اس نے آپا تسنیم کی نگاہوں سے بچ کر موبائل میں اتار لیا تھا) اور تصویر ہر بار اپنی خوب صورتی کے نئے پہلوؤں سے روشناس کرواتی تھی۔ یہ ضرور سوچتا تھا کہ وہ فقط ظاہری حسن کی جھلک دیکھ کر دنیا کو فراموش کر گیا ہے۔ اگر حقیقت ایسی نہ نکلی تو ___؟

اور وہ خود سے یہ سوال بھی کرتا تھا کہ وہ ظاہری جلوے پر اس طرح فریفتہ ہو گیا؟؟؟ وہ اتنی سطحیت رکھتا تھا۔

نہ کبھی روبرو ملاقات ہوئی۔ نہ آواز سنی نہ لہجہ ___ بہت عرصے تک تو نام سے بھی نا آشنائی تھی۔ کردار و اخلاق 'مزاج' اچھائی' برائی تو بہت بعد کا مرحلہ تھا۔

اور جب اسے روبرو دیکھا۔ تو بہت بااعتماد سی سامنے کھڑی تھی۔ جس کی آنکھوں میں فیصلہ کن کیفیت تھی۔ جھجک نہیں تھی دو ٹوک انداز ___ نہ گھبراہٹ تھی نہ شرمانا اور خوف تو قطعاً "نہیں تھا ___ وہ فقط جواب کی منتظر تھی۔

"تم مجھے کبھی عملی انسان نہیں لگے۔ ایک ایسا شخص لگے جو خوابوں کی باتیں کرتا ہے' خیالوں کی دنیا میں رہتا ہے اور جسے لفظ سجانے آتے ہیں۔ ایسے لفظ جو دلوں کو پھیر دیتے ہیں۔ ہاں مگر تم مجھے ثابت قدم لگے ہو۔

زمین سے نیچے کی باتیں کرتے ہو یا آسمان سے اوپر کی ___ یہ بتاؤ زمین پر رہنے کے لیے کیا کر سکتے ہو؟"

وہ بے حد دلنشیں آواز والے جملے سن رہا تھا۔ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ بس یہ دیکھ رہا تھا کہ تصویر کتنا جھوٹ بولتی تھی اور واقعی تصویر دیکھ کر یوں فدا ہو جانا سراسر بے وقوفی تھی۔ پاگل پن ___ وہ تصویر تو فقط جھوٹ تھی۔ غلط فہمی تھی۔

جاذب سلطان دنیا و مافیہا سے بے خبر لبوں کے ہلنے کو دیکھ رہا تھا۔ جو مسلسل ہل رہے تھے اور دھیان کہیں اور تھا۔

اس نے سوچا۔ وہ تصویر دیکھ کر دل ہار گیا تھا۔ اچھا ہوا۔ اس نے پہلے مرحلے پر فقط تصویر دیکھی اگر اسے روبرو دیکھتا تو جان ہار دیتا۔

اس نے خوب صورت 'آراستہ' دل موہ لینے والے جملے لکھے تھے اور لفظ لفظ کو سجایا تھا۔ فقط تصور سے ہمکلام ہو کر ___ اگر وہ پہلی بار ہی میں یوں بولتی آ جاتی تو ___ وہ کیا خاک جملے بناتا ___ وہ زندگی بھر کا لکھا پڑھا بھول جاتا۔

وہ صبح بنارس تھی۔
وہ سرما کی دھوپ تھی۔

ہونٹ کلیوں سے مشابہ تھے۔ مگر کس کلی سے ___؟ کوئی پھول مثال دینے کے قابل نہ لگا۔ وہ مکھن سے بنی لگتی تھی۔ جاذب کو گمان ہوا اگر وہ دھوپ میں کھڑی ہوتی تو اب تک پگھل جاتی۔

اسے یاد تھا۔ نیکو کاروں کو حوریں ملیں گی۔ اس نے حوروں کو پانے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا مگر اسے اچانک شدید خواہش ہوئی کہ وہ حوروں کو

دیکھے کہ کیا وہ تاباں مجاہد سے بھی زیادہ۔۔۔
آگے وہ سوچ نہیں پاتا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہمت کی ضرورت گھر سے نکلنے کے لیے نہیں تھی ہمت کی ضرورت کھڑکی کھولنے کے لیے تھی۔ جب ایک بار۔۔۔
آگے ضوفشاں مجاہد کی سوچ کا سرا ہاتھ سے چھوٹ جاتا تھا۔

"تم اس احساس کی خوب صورتی کو ایک بار محسوس تو کرو۔" تاباں نے چٹخارا لینے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑے تھے۔ اس کی آنکھیں خلا میں مرتکز تھیں۔ "کھڑکی سے باہر ایک شخص زندگی اور موت کو داؤ پر لگائے کھڑا ہے۔ بس اپنے دل کے یقین کے سہارے ۔۔۔"

"جب ذلت، خواری، بے عزتی اور آخر میں موت ہی مقدر ہے تو میری مرضی کی کیوں نہیں۔۔۔ کم از کم دل کو طمانیت تو ہوگی کہ میرے ساتھ جو ہو رہا ہے میں اس کی حق دار ہوں اور سب جائز ہے۔"

تاباں کی سوچ کا دھارا بدلا۔ پھر نظر بدلی۔۔۔ پھر دل ۔۔۔ اس نے اپنا ہر خیال ہر روز ہر پل۔ آنے والی سوچیں ضوفی سے بانٹی تھیں۔ مگر اپنا عمل سب سے چھپا کر رکھا۔ ضوفی سو بار جنم لے کر بھی یہ شائبہ تک نہ لا سکتی تھی۔ وہ چاروں جانب سے پتھروں کی زد میں تھی۔ اپنے زخم ٹٹولتی۔ انہیں شمار کرتی وہ ان سوالوں کے جواب تلاشنے کی کوشش کرتی جو ہر زبان سے نکلتے تھے۔

★ ★ ★

"تم نے کہا تھا ضوفی! آپ کو مجھ پر اعتبار کرنا چاہیے ابا۔۔۔" ابا نے اس کے گال پر تھپڑ رسید کیا۔
"تاباں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی ابا۔۔۔" "تم نے یہ دعوا بھی کیا تھا۔" اس بار ان کی انگلیوں نے دوسرے گال کو داغ دار کیا تھا۔
"ابا! میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔ ابا! وہ اس وقت تک کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ وہ۔۔۔" ضوفی صفائی دینا

چاہتی تھی۔ اپنی بھی اور تاباں کی بھی۔۔۔ مگر تاباں شاید اب صفائی کے عمل سے بہت دور جا چکی تھی۔ اسے نہیں تھی ضرورت کہ اس کی پوزیشن کو صاف کیا جائے۔ وہ اپنی پوزیشن بدل چکی تھی۔ مگر ضوفی اپنی صفائی کسے دیتی۔ ۔ ں صورت میں تھا وہ اپنے آپ کو جب کوئی بھی آپ کو سننے کو تیار نہ ہو۔

"پھر جب وہ جان گئی تب۔۔۔ تم نے کیسے ہضم کیا۔" یہ مشاہد تایا کی آواز تھی۔ "اسے سمجھایا کیوں نہیں، کسی کو بتایا کیوں نہیں کہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔"

"جبکہ تم ایک کمرہ، ایک بستر، ایک رستہ استعمال کرتی تھیں۔" مجاہد تاج نے بھائی کا جملہ مکمل ہوتے ہی اپنا سوال جڑ دیا۔

"میں جھوٹ نہیں بولتی ابا۔" وہ حلق کے بل چلائی تھی۔ "میں کبھی جھوٹ نہیں۔"

اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ ابا کی انگلیوں کے نشان کے اوپر اب ساجد چاچا کی انگلیاں ثبت ہو چکی تھیں۔ دونوں نشان ایک دوسرے پر چڑھ گئے تھے چہرے پر گال تو جیسے رہا نہیں۔ سرخ، نیلا، سوجا۔

"اتنی اونچی آواز۔۔۔" ساجد چاچا کی آنکھیں حد سے زیادہ ابلی ہوئی تھیں۔ وہ بے حد ڈراؤنے دکھائی دیتے تھے۔ انہوں نے دوبارہ ہاتھ اٹھایا۔ جب تائی جی نے درمیان میں آ کر انہیں باز رکھا۔ ضوفی نے اس مہلت کا فائدہ اٹھایا۔ وہ تیزی سے گھومی اور مجرموں کی طرح بیٹھی ایک تار سے آنسو بہاتی زاہدہ بیگم سے لپٹ گئی۔

ضوفی کی خواہش تھی کہ ماں اسے سمیٹ لے گی۔ مگر وہ اسی طرح ٹس سے مس بیٹھی رہیں۔ ان کا چہرہ اس ملزم کا سا تھا۔ جو دشمن ملک کی سرحدوں کی حدود میں پکڑا جاتا ہے۔ اسے چار اطراف سے نگہبان گن تھامے گھیر لیتے ہیں اور یکے بعد دیگرے انجان زبان میں سوالوں کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں اور زمین پر بیٹھا ملزم گھوم گھوم کر سب کی صورتیں تکتا ہے کہ کیا پوچھ رہے ہیں اور وہ کیا جواب دے۔

"امی!" ضوفی یوں تڑپی جیسے کسی نے جسم سے جان کھینچنی شروع کردی ہو۔

"امی!" اس نے ماں کی ٹھوڑی اپنی سمت گھمانے کی سعی کی۔ "آپ جانتی ہیں، میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ کبھی بھی۔۔۔ جو جو سچ تھا، میں نے حرف بہ حرف بتادیا۔ کچھ نہیں چھپایا۔"

اس نے آخری رقعے والی بات چھپالی تھی۔ مگر ایک لوہار والا نتیجہ تو وہ آخری رقعہ ہی بنا جو ضوفی نے نجانے کس سوچ کے تحت تاباں کے آگے رکھ دیا تھا۔ وہ بھی تاباں سے اس انتہائی اقدام کی امید نہ رکھتی تھی۔ کوئی صورت ہی نہیں تھی، کوئی راستہ بھی نہیں۔۔۔ لیکن

"میں جھوٹ نہیں بولتی ابا۔۔۔! آپ جانتے ہیں۔" ماں سے مایوس ہوکر وہ تیزی سے باپ کی سمت گھومی تھی۔

"کچھ نہیں جانتا میں۔۔۔ ماسوائے اس کے کہ میری عزت کا جنازہ تیار کھڑا ہے اور عزت کے اس لاشے کو یوں گھر کی چار دیواری کے اندر رکھ لوں کہ کسی کو کان و کان خبر نہ ہوگی۔ تو بھی خام خیالی ہے۔ عزت لاش کی صورت ہو تو۔۔۔ پلک جھپکتے ہی وہ تعفن اٹھتا ہے کہ میلوں دور سے لوگ سونگھتے ہوئے پہنچ جاتے ہیں۔"

بہت اونچی دھاڑ سے شروع ہونے والے جملے آخر میں مدہم ہوتے چلے گئے۔ ساتھ ہی وہ صوفے پر گر سے گئے۔ سردی کے اس موسم میں بھی ان کے ماتھے پر پسینہ تھا۔

ضوفی اپنی ذلت بھلا بیٹھی اور دہکتے گالوں سے اٹھتی شدید تکلیف بھی۔۔۔ باپ کے کہے جملے آنکھوں میں ڈرامائی سین بن کر تک گئے تھے۔ طعنے مذاق اڑاتے لوگ۔۔۔ قہقہے لگاتی دنیا۔۔۔ ان کی عزتوں کے شملے لوگوں کی ٹھوکروں میں پڑے تھے۔

"اور۔۔۔ اور۔۔۔" مجاہد تاج بپھرے شیر کی طرح اپنی جگہ سے اچھلے تھے۔ وہ بے حد خون خوار تاثرات کے ساتھ ضوفی کے صوفے کی جانب بڑھے تھے۔ ضوفی غیر ارادی طور پیچھے ہوئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔ لیکن اگلے ہی پل وہ یوں چونکی جیسے اس کے جسم سے بجلی کے ننگے تار جوڑ دیے گئے ہوں۔ یہ زاہدہ کی بے حد گھٹی ہوئی آواز تھی۔ تکلیف ایسی پہنچی تھی کہ آواز گلی سے گزرتے راہ گیروں تک جاتی۔ مگر ضبط کی کوشش میں گھٹ جانے کے باوجود وہ سماعتوں کے لیے دل خراش تھی

سیکنڈز پر محیط اس پل میں جہاں ضوفی چونکی تھی کہ باپ نے اسے نہیں اس کی ماں کو مارا ہے۔

وہ ماں سے یوں لپٹی جیسے انہیں آغوش میں بھر کر چھپالینا چاہتی ہو۔ اگلے پل اس کی چیخ نے در و بام ہلا دیے۔ تیار مکا جو زاہدہ کے لیے تھا۔ ضوفی کی پسلی اور پیٹ میں لگا تھا۔

وہ تکلیف کی شدت سے دوہری ہوگئی۔ "اوئی امی جی۔۔۔! ابا۔۔۔ آآآ۔۔۔ ہائے" اس نے دونوں ہاتھوں سے پیٹ تھام لیا۔ چہرہ تکلیف کی شدت سے بگڑ گیا۔ وہ آٹے کی تھیلی کی طرح صوفے سے پھسل کر زمین بوس ہوگئی۔ پتھر کی طرح ساکت گھر کی سب عورتیں اس کے گرد جمع ہوگئی تھیں۔

گھر کے مردوں نے فرد جرم صرف ضوفی پر عائد نہیں کی تھی۔ کنہرے میں گھر کی ہر عورت بھی شامل تھی کہ اتنا بڑا قدم اٹھالیا گیا اور کسی کو بھنک نہ پڑی۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

مجاہد تاج کے چہرے پر ایک پل کے لیے زلزلہ آیا تھا۔ بٹی ان کی وجہ سے مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔ آواز اس نے داب لی تھی۔ مگر کراہیں۔۔۔ اگلے ہی پل وہ بار بار کے کہے جملے کو دہرا رہے تھے۔ اپنی خجالت پر غیض کی چادر تان کر کہہ رہے تھے۔

"ایسی بے خبریاں! اس (گالی) کو دوسرے دن خبر ہوئی۔ ماں تو ایک آنکھ بند کرکے اور دوسری کھول کے سوتی ہے۔ یہ (گالی) بلڈ پریشر کا بہانہ کرکے گولیاں پھانک کے سوتی رہ گئی۔ چٹکی بھر زہر نہیں ملا تھا کہ خود بھی کھاتی اور اس (گالی) کو بھی چٹادیتی۔"

زاہدہ ضوفی کو ٹٹول رہی تھیں جو دونوں لب دانتوں میں دابے پسینہ پسینہ ضبط سے بے حال تھی۔ اسے کہاں لگ گئی تھی کہ پل بھر میں برسوں کی بیمار دکھائی دینے لگی۔

"اسی (گالی) کے ساتھ نکلی ہے۔ تین دن پہلے وہ حرام کا پلا یہیں تھا۔ اب وہ خود ہے نہ اس کے ماں باپ کا پتا ہے۔"

ہانپتا، مغلظات کا طوفان بکتا شکیل اندر داخل ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

مرگ والے گھر کا سا سناٹا تھا۔ لیکن زندہ رہنے کے سب اعمال حسب معمول تھے۔ کھانا پینا نہانا دھونا لیکن یہ سب یوں تھا۔ جیسے بہت سلوموشن میں کوئی فلم چلادی جائے۔۔۔ ایک ٹرانس۔۔۔ ایک دوسرے سے نگاہیں چرائے۔۔۔ زبان بندی۔

گھر کے تینوں کرتا دھرتا مشاہد تاج، مجاہد تاج اور ساجد تاج اپنے تینوں چیلوں کے ہمراہ بیرونی کمرے میں براجمان تھے جمیل، شکیل اور عقیل۔۔۔

بے بسی کی کوکھ سے غیض کا جنم ہوتا تھا۔ ناکامی سے ہاتھ ملتی ہتھیلیاں گردن دبوچ لینے کی خواہشمند تھیں۔

مجاہد تاج کے بال بری طرح سے اجڑے ہوئے تھے جیسے کسی نے نوچ ڈالے ہوں۔ شکیل جو خبر لایا تھا۔ اس کو سن کر انہوں نے اپنا سر دیوار سے پے در پے مارا تھا۔ جب جمیل و دیگر نے انہیں بمشکل سنبھالتے ہوئے صوفے پر بٹھایا تو بے بسی کے شدید ترین احساس میں گھر کر انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے بال جیسے جڑ سے اکھاڑ لینے کی سی شدت سے نوچے تھے۔

"نکاح تو ہوچکا ہے۔ یہ خبر پکی ہے۔ یہیں ہوا ہے اور جس صبح وہ نکلی ہے، اس کے پانچ گھنٹے کے اندر ہوا ہے۔ میں یوسی دفتر سے نکاح کی کاپی دیکھ کر آرہا ہوں۔"

شکیل بہت ٹھہر ٹھہر کر خبر دے رہا تھا۔

"اس کی ماں کا میکہ کراچی میں ہے۔ مگر وہ ادھر نہیں گئے ہیں۔"

"تو کدھر گئے؟" مجاہد تاج حلق کے بل چلائے

"اوئے غضب خدا کا۔۔۔ اوہ میرے ربا۔۔۔" چھت کی طرف دیکھ کر انہوں نے شدید عالم بے بسی میں اللہ کو پکارا۔ "میں ادھر سوتا رہ گیا اور بیٹی اپنا نکاح خود پڑھواتی رہی۔ شرطیں لکھواتی رہی۔"

"اس آدمی اس سلطان کے بارے میں ہلکا سا اندازہ ہوا ہے کہ وہ ملک سے باہر گیا ہے تین دن پہلے۔۔۔ باقی سب کہاں ہیں ابھی تک۔۔۔ اور وہ۔۔۔" ساجد تاج کا لہجہ سانپ کی پھنکار سے مشابہ تھا۔

مشاہد تاج کے دانت بھینچنے سے ہونے والی کڑکڑاہٹ پورے کمرے میں سنی گئی۔ ضبط کی انتہا۔

یہ سب حرام زادیاں کہتی ہیں کہ انہیں کچھ خبر نہیں۔۔۔ شکیل کی آواز گھر کے کونے کونے میں سنی گئی تھی (حرام زادیوں میں گھر کی سب عورتیں چھوٹی بڑی سب شامل تھیں)

سب کی نظریں شکیل پر جم گئیں مگران نگاہوں میں ملامت نہیں تھی۔ وہ متفق تھے اس خطاب سے۔۔۔ بلکہ اگر اس سے بھی بڑھ کر کچھ ہے تو۔۔۔ ٹھیک ہے۔

"اس نکاح کی اور بعد میں جو بھی کچھ ہوا۔۔۔ یعنی وہ کہاں گئے۔ کیا کیا اس سب کی خبر کسی کو نہیں۔ اس دن والی ٹھکائی کو بھی بائیک اسنیچنگ کے خانے میں ڈال دیا تھا۔ پولیس کے ریکارڈ میں بھی یہی ہے۔ وہ کاروبار کے لیے دبئی جاتے رہتے ہیں۔ ماں بیٹا بھی ساتھ جاتے ہیں۔"

"تو کیا وہ دبئی میں ہے؟" مشاہد تاج کی آواز میں کپکپاہٹ سی تھی۔ "اتنا آسان تو نہیں ہوتا ملک سے باہر جانا۔۔۔ سیدھے سیدھے معاملات میں بھی دنوں مہینوں لگ جاتے ہیں۔ تاباں مجاہد اتنی خود غرض نکلے گی۔ اتنی حسابی کتابی، اتنی بڑی منصوبہ ساز۔۔۔ جو تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ پھر قدم اٹھاتے ہیں جھول سے پاک۔"

شکیل ذرا ڈھیلا پڑا تھا۔ چھ دن کی محنت سے یہ معلومات ملی تھیں۔ لیکن سراغ کوئی نہیں" میں نے

بندے لگائے تو ہیں' اب دیکھو کہ۔۔۔" اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔

ایک ہی بار سارے بم پھوڑ دو۔۔۔ مجھے صرف پکا پتا چاہیے۔ میں نے بندے لگائے تو ہیں' اب دیکھو۔" مجاہد تاج نے بات کاٹ کر طنزیہ لہجے میں کہا۔

جمیل ان سارے مکالموں کے بیچ کچھ نہیں بولا تھا۔ اس نے بے حد ناگواری سے مجاہد تاج کو دیکھا پھر شکیل کو۔ پھر زبان شکیل ہی نے کھولی۔

"چھ دن کی بات کر رہے ہیں جس طریقے سے ڈھونڈنے کے لیے کہا گیا ہے۔ چھ سال لگ جائیں گے۔ خود ہی تو کہا ہے' سارا کام' ساری تلاش خاموشی سے کرنی ہے۔ اسی رازداری سے اسے گھر واپس لانا ہے۔ رازداری کی شرط نہ ہو۔۔۔ تو شام سے پہلے دونوں کو ادھر لا کر پٹخ دوں۔"

اس کے لہجے میں انتہا تھی۔ سرد مہری' قطعیت' اٹل ارادہ' دانت چبا چبا کر کہتا وہ بے حد خوفناک دکھائی دے رہا تھا۔

"ہاں!" جمیل نے پہلی بار لب کھولے تھے "راز داری کا دھیان رکھنا۔ ایک بار سراغ مل جائے تو نکاح ختم ہونے میں منٹ سے کم وقت لگے گا۔" چٹکی بجا کر منٹ بتایا۔

"نکاح ختم ہو نہ ہو۔۔۔" شکیل اچھل کر کھڑا ہوا اس نے بلوچی بھاری چپل پہن رکھی تھی۔ اس کی دھمک اعصاب کے لیے کڑا امتحان تھی۔ ارادہ بتاتی تھی۔ موڈ سمجھاتی تھی۔

"منکوحہ ضرور ختم ہو جائے گی اور جس سے نکاح کیا ہے ناں۔۔۔ وہ بھی۔"

☼ ☼ ☼

چونکہ صرف ایک دو بندوں کو اصل حقیقت (وہ بھی جھوٹ سچ کی آمیزش) کر کے بتائی تھی۔ سو تلاش کا کام بے حد سست روی سے آگے بڑھتا تھا۔

مگر کچھ باتیں جو واضح ہو گئیں۔ سلطان حیدر دبئی گئے تھے۔ کراچی نہیں گئے۔ جاذب' جاذب اور تاباں نہ تو کراچی تھے نہ دبئی۔۔۔ مگر کہاں؟؟؟

سلطان حیدر کا کاروبار ان کی حاضری و غیر حاضری کا محتاج نہیں تھا۔ بہترین اسٹاف ہر چیز کو مہارت سے چلا رہا تھا۔ گھر بند تھا۔ شکیل نے ایک بندہ مستقل نگاہ رکھنے کے لیے کھڑا کر رکھا تھا۔ مگر ادھر کوئی آمد و رفت نہیں تھی۔ ہر گزرتا پل گھنٹوں پر محیط ہوتا اور گھنٹے صدیوں پر۔۔۔ دن کیسے گزرتا تھا اور رات کیسے کٹتی تھی۔ پل صراط کے بارے میں سن رکھا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ وہ بس اس مشکل سے کچھ ہی زیادہ ہو گا۔

بہت رازداری سے کرتے کرتے بھی بہت سے راز دار واقف حال ہو ہی گئے تھے کہ تاج ہاؤس کی ایک لڑکی گھر سے بھاگ کر نکاح کر چکی تھی اور ہنوز لاپتا تھی۔

ایک مخبر نے جاذب سلطان کو دیکھا تھا اور اس کا پیچھا کیا تھا۔ مگر آدھے راستے میں ہی جاذب کو اس پیچھے کا اندازہ ہو گیا۔ وہ بہت مہارت سے چکمہ دے گیا۔

اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے تاج ہاؤس کے مردوں کے لیے یہ بے حد طمانیت بھری خبر تھی۔ یعنی وہ اسی شہر میں ہے۔ یعنی تاباں مجاہد اسی شہر میں تھی۔

ایک مہینہ اس عالم میں گزرا تھا جیسے کسی نے گھاس کاٹنے والے ٹوکے میں جسم پھنسا دیے ہوں اور رواں رواں کٹ کٹ کر ڈھیری بن کر گرتا ہو۔

جسم پارہ بن چکے تھے اور نجانے کہاں کہاں بکھر گئے تھے۔ ملنے والی اطلاع بے حد پکی تھی۔ پارے کے ٹکڑے آپس میں مدغم ہو کر دوبارہ ایک جسم میں ڈھل گئے اور اچھلنے لگے گھر سے نکلنے سے لے کر۔۔۔ گھر تک پہنچنے تک۔

☼ ☼ ☼

"یہ جو دھوپ اندر آجاتی ہے نا میں اس کے لیے اس ٹھنڈ کو برداشت کر لیتی ہوں۔"

"ہاں یہ جو دھوپ۔۔۔" مرد نے درختوں کے پتوں سے پرے چمکتے آفتاب کو دیکھا جس کی کرنیں بیڈ روم کے ہر کونے میں دھڑلے سے گھس کر بیٹھی تھیں۔

"جب تمہارے بالوں پر پڑتی ہے تو لگتا ہے ریشم کے لچھے ہوں۔"

"اس دن تم نے انہیں بھٹے کے سنہرے بالوں سے مشابہ کیا تھا۔" اس نے یاد دلایا۔

"اونہوں۔۔۔ ٹوکو مت۔۔۔" اس نے اپنی انگلی اس کے لبوں پر دھیرے سے رکھی۔

"اور جب تمہاری آنکھوں پر پڑتی ہے تو لگتا ہے دو سنہرے نگینے دمک رہے ہوں۔"

"مگر اس دن تو تم دو چراغ کہہ رہے تھے اور اس سے پہلے۔۔۔"

"آں ہاں۔۔۔ بس چپ۔۔۔ مجھے کچھ یاد مت کراؤ۔۔۔ میں کچھ نہیں بھولتا۔"

"اور یہ دھوپ۔۔۔"

"تو کیا یہ ساری کرامت دھوپ کی ہے؟" سامنے ناز اٹھانے والا ہو تو لہجہ خود بخود لچک جاتا ہے' گردن اکڑ جاتی ہے۔ اس نے نروٹھے پن سے کہا تھا۔

"ارے!" وہ دلکش ہنسی ہنس دیا۔ "میں نے تمہیں چاند کی کرامت بھی بتائی تھیں۔"

"زور تو پھر چاند پر ہوا نا۔۔۔ میں تو کہیں بھی نہیں۔" وہ خفا ہی ہو گئی۔

"تمہیں کب یقین آئے گا کہ تم ہی دراصل ہو۔ میں تو بس تمہیں اس چیزوں میں رنگ کے دیکھتا ہوں یار۔" اس نے اسے مناتے ہوئے اپنی مجبوری بتائی۔

اس کے جملوں نے اس کی انا کو تسکین پہنچائی تھی۔ وہ گردن اکڑا کر باہر دیکھنے لگی۔

گھر کے عین سامنے چوڑا بڑا روڈ تھا پھر درختوں کی قطار اور اس کے پیچھے بہت چھوٹے پاٹ کا کھالا (صاف پانی کا نالہ۔ نہر سے چھوٹا)

"تو پھر یہ طے ہوا کہ تم آج بھی مجھے نیچے چھوڑنے نہیں آؤ گی۔" بریف کیس اٹھاتے ہوئے وہ بولا۔

"میں "چھوڑنے" والے کام میں قطعاً" دلچسپی نہیں رکھتی۔ آپ جائیے میں آپ کو اوپر سے دیکھ رہی ہوں نا۔ اس طرح آپ مجھے تب تک نظر آتے ہیں جب تک مین روڈ کراس نہ کر جائیں۔" اس نے سچائی بیان کی اور یہ جواب وہ پہلے سے جانتا تھا۔

وہ ڈرائیو وے میں اسے دیکھتی رہی پھر گیٹ سے نکلتے اس روڈ سے مین روڈ تک جب تک گاڑی نگاہوں میں رہی۔ بلا مبالغہ تین سے چار گھنٹے وہ یہاں کھڑے ہو کر یا پھر بیٹھ کر گزار دیتی تھی۔ سردی ہو یا گرمی۔۔۔ یہ اس کی پسندیدہ جگہ تھی۔

اسے کھلی کھڑکیاں بھاتی تھیں۔

اسے گردوپیش کے تمام مناظر ازبر تھے

تب ہی اس کی نگاہ پتھر کی بینچ کے قریب کھڑے لڑکے پر پڑی۔ وہ اسے پہلے ہی دیکھ چکی تھی۔۔۔ ایک بار۔۔۔ نہیں دو بار۔۔۔ بلکہ ایک بار اس نے اسے مین روڈ کے موڑ پر بھی دیکھا تھا۔ فاصلہ زیادہ تھا۔ وہ اس کی عمر کا اندازہ نہیں لگا سکی مگر پھر بھی وہ اسے بہت کم عمر لڑکا لگا تھا۔ وہ فقیر نہیں لگ رہا تھا۔ چہرے کی پہچان مشکل تھی مگر اس کے کھڑے ہونے یا ٹہلنے کے انداز سے ایک رکھ رکھاؤ دکھائی دیتا تھا۔

وہ گندے مندے حلیے میں بھی نہیں تھا۔ رنگ خوب صاف گندمی تھا اور بالوں کی تراش نمایاں تھی۔

وہ چونکی۔ اسے اس بار یقین ہوا کہ وہ اس کے گھر کی جانب دیکھتا ہے۔ وہ لڑکا عین اس کے گھر کے سامنے کھڑا ہوتا تھا۔ کہیں یہ وہ لڑکا تو نہیں جو بھیدی ہوتے ہیں۔ آمد و رفت کا حساب لکھ کے مخبری کرتے ہیں

اسے یکدم وہم نے گھیرا۔

پھر اس نے دل کی تسلی کے لیے گیٹ پر کھڑے مستعد چوکیدار کو دیکھا جو عادتاً" ہاتھ گن پر رکھتا تھا۔ ہر دم تیار۔۔۔ ٹھا ٹھا۔

اس نے لڑکے کو دیکھا۔ اسے احساس ہوا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ بغور ٹھہر کر جیسے جانچ رہا ہو۔ پہچان رہا ہو کچھ جتا رہا ہو۔ پہلی بار دونوں کی نگاہیں ملی تھیں اس سے پہلے کہ وہ اسے اشارہ کرتی یا کچھ اور۔۔۔ وہ پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر سیدھا چلنے لگا۔

دور۔۔۔ بہت دور۔۔۔ مین روڈ تک۔

☼ ☼ ☼

☼ ☼ ☼

پکی سڑک ختم ہوتے ہی کچا پکا سا پگڈنڈی نما راستہ دیکھ کر یہ یقین ہوتا تھا کہ راستہ کہیں نہیں جاتا اور آگے یہ ویرانہ مزید ہولناک اور بے آب و گیاہ ہوگا۔

مگر در حقیقت ایسا نہیں تھا۔ بہت آگے جا کر چھوٹی پکی چار دیواری کے بیچ و بیچ کھڑی وہ دو منزلہ عمارت اندر سے اتنی پُر رونق اور زندگی سے بھرپور تھی کہ کیا رونق اور ہنسی کسی میلے میں ہو۔

آدم و حوا کو زندگی کا آغاز کرنے کے لیے ساری دنیا دے دی گئی تھی اور ان دونوں کے لیے یہ ویرانہ پوری دنیا بن گیا تھا۔

بڑھاپے کی اولاد کی سیکورٹی کے لیے سلطان حیدر نے بہت کچھ انویسٹ کیا تھا۔ وہ جو سب کے سامنے تھا' نظر آتا تھا۔ گھر' جائیداد' کاروبار اور کچھ چیزیں وہ تھیں جو سب سے پوشیدہ رکھی گئی تھیں کہ اگر وہ کل کو نہ رہیں۔ اور حالات ایسے ویسے ہوں تب بھی ان کا بیٹا تہی دست نہ ہو۔

سو یہ فارم ہاؤس دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ اس وقت تاباں مجاہد اور جاذب سلطان کی پناہ گاہ تھا۔ ایک خوابوں جیسی جگہ۔

تاباں کے لیے جاذب سلطان کا ہر عمل حیرت تھا۔ حیرت۔۔۔ حیرت اور پھر خوشی۔۔۔

اور اس وقت جب وہ تنہا تھی۔ تب بھی دل کے اندر محفل سارنگ جما تھا۔ اس نے ابھی گھنٹہ بھر پہلے تو جاذب سلطان کو رخصت کیا تھا۔ وہ اس ویرانے میں تنہا تھی مگر خوف زدہ نہیں تھی' حالانکہ ایک ڈر سائے کی طرح ساتھ تھا۔ مگر جاذب سلطان کا دیا گیا یقین۔۔۔ محبت اور اعتماد۔۔۔ ہر شے پر حاوی تھا۔

"تم بے فکر ہو کر جاؤ۔۔۔ میری فکر نہ کرنا پھر اماں حمیداں اور دوسرے ملازمین بھی تو ہیں ناں۔۔۔!" وہ تسلی دے رہی تھی۔

"اس طرح کے حالات میں۔۔۔ میں تم کو کبھی اکیلا چھوڑ کر نہ جاتا۔ مگر بابا کا ایکسیڈنٹ اور امی کی پریشانی۔۔۔ میری وہاں اشد ضرورت ہے تاب!"

"مجھے تم پر پورا یقین ہے جاذب! تم بے فکر ہو کر جاؤ۔"

کہتے ہوئے تاباں مجاہد کا چہرہ ایسی روشنی بکھیر رہا تھا کہ جاذب سلطان کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔

وہ تصویر میں کچھ بھی نہیں تھی۔ وہ نجانے کیا تھی ہر روز نیا روپ دکھاتی۔ حیران کرتی۔ یہ آدم و حوا کی جنت تھی اور غلطی کی گنجائش نہیں تھی۔ ہر بار معافی نہیں مل سکتی۔

اس انتہائی نازک وقت میں جب سلطان حیدر کی بیٹے اور بہو کے ساتھ موجودگی ناگزیر تھی۔ انہیں کچھ کاروباری امور کے سلسلے میں دبئی جانا پڑا۔ وہ اپنا کام بس دو چار روز میں نمٹا دینا چاہتے تھے اور انہوں نے کر بھی لیا لیکن دبئی کی مصروف ترین ہائی وے پر ہونے والا ایکسیڈنٹ تمام جلد بازیوں پر پانی پھیر گیا۔ جاذبہ ان دونوں کے ساتھ تھیں۔ بہت مجبوری میں وہ پیچھے روانہ ہوئیں۔

لیکن وہاں حالات اتنے ہلکے پھلکے نہیں تھے۔ جتنے کہ بتائے جا رہے تھے۔ معمولی ایکسیڈنٹ معمولی نہیں تھا۔ جاذبہ نے روتے ہوئے بتایا کہ سر کی چوٹ نے دماغ کے اندر سوجن پیدا کر دی ہے اور ڈاکٹرز نے نا امیدی ظاہر کی ہے۔

"تمہارے ڈاکومنٹس نہیں ہیں ورنہ تمہیں ساتھ لے کر جاتا۔" جاذب کو قرار نہیں تھا۔

"میں جانتی ہوں جاذب! میں کہیں بھاگی نہیں جا رہی تو تم۔۔۔"

"بھاگنے کی بات مت کرو۔۔۔ اتنی محبت پا کر لوگ مرنا بھول جاتے ہیں۔ تم کہاں بھاگو گی۔۔۔ بس۔۔۔ میرا اعتبار رکھنا۔۔۔ میں تم کو کبھی بھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ دنیا جو مرضی کہتی رہے تاب!۔۔۔ بس اپنا یقین مت ٹوٹنے دینا۔ اور اگر پھر بھی وعدہ خلافی ہو جائے تو سمجھ لینا مر گیا۔ کیونکہ جیتے جی تو۔۔۔"

"پلیز۔۔۔" تاباں نے اسے ٹوک دیا۔

اور آج اس بے فکری کے سہارے وہ اس دھوپ کو انجوائے کر رہی تھی۔

پیلے اور سبز پیراہن میں وہ موسم کا سب سے خوشنما پھول دکھائی دیتی تھی۔ جاذب سلطان نہیں تھا۔ وہ صبح ہی چلا گیا تھا۔ مگر اس کی باتیں لبوں پر مسکان بن کر چمک رہی تھیں۔ وہ محو تھی۔ فارم ہاؤس کے ملازمین کے بچے کرکٹ کھیل رہے تھے۔ شور ہاہاکار۔۔۔ جب زیادہ ہو جاتی تھی تو وہ چونک پڑتی اور پھر سنبھل کر اپنے خیالوں میں کھو جاتی۔ اب بھی اپنی چوٹی کے بل کھول رہی تھی۔ جب شور کی زیادتی نے سوچوں کا تسلسل توڑا۔ وہ چونکی۔

بچوں کی گیند شاید احاطے کے اندر آگئی تھی۔ دھڑ دھڑ قدم۔۔۔ ابھی نگران اماں حمیداں چلائیں گی اور بچے انہیں چڑاتے ہوئے بھاگیں گے۔ احاطے سے آتی قدموں کی دھمک اس کے کمرے کے باہر تک آنے لگی۔ گیند اندر تو نہیں آسکتی۔ وہ چونک کر کھڑی ہوئی اور اس سے پہلے کہ دروازہ کھولنے آگے بڑھتی۔ وہ خود بخود دھاڑ کی سی آواز میں کھل گیا۔ اس کی حیران آنکھوں میں خوف اترا اور وہ انتہائی حد تک پھٹ پڑیں۔

سامنے' سامنے۔۔۔ جمیل بھائی تھے اور شکیل اور ساجد چاچا' عقیل اور۔۔۔ ہاہ۔۔۔ اللہ۔۔۔ مجاہد تاج۔

اسے چیخ مارنے تک کی مہلت نہ ملی۔ وہ بس دو قدم پیچھے سرکی تھی۔ اس کی حفاظت پر مامور بندے نہ جانے کہاں تھے۔

جمیل بھائی نے اس کا ہاتھ کھینچا۔

ساجد چاچا کے تھپڑ نے اس کا منہ گھما دیا۔ وہ رکوع کی سی حالت میں جھکی تو چوٹی شکیل کے ہاتھ میں آگئی۔ اس کا دوپٹا پیروں میں رل گیا۔ شکیل نے اپنا گھٹنا اوپر کی جانب اٹھایا تھا تب تک مجاہد تاج اس کے سر پر پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے اس کے بال سر کے عین بیچ میں سے مٹھی میں بھر لیے تھے۔ تکلیف کی شدت سے اس کی گردن پیچھے ڈھلک گئی تھی اور چہرے پر تابڑ توڑ تھپڑ تھے۔

اس دھما چوکڑی اور چیخوں پر پچھلے آنگن میں مرغیوں کو دانہ ڈالتی اماں حمیداں چونکی تھیں۔ ایک ماہ سے زائد عرصے سے جس خدشے میں سب جی رہے تھے۔ وہ یقیناً" عملی روپ دھار چکا تھا۔ وہ اندھا دھند بھاگتی آئی تھیں۔

تب تاباں زمین پر بیٹھی تھی اور شکیل و عقیل اس کے بازو تھامے اسے گھسیٹ رہے تھے۔ اماں حمیداں نے تاباں کی بغلوں میں پشت سے ہاتھ ڈال کر اسے آگے گھسٹنے سے روکنے کی سعی کی تھی (سعی لاحاصل)

مجاہد تاج اور ساجد تاج کی آنکھوں میں خون اتر آیا جمیل بھائی کے ہاتھ میں پستول تھی۔ جس کے وار سے اماں زمین پر اوندھی گر گئی تھیں۔ ماتھے سے خون کی لکیر بہنے لگی۔ تاباں نے مڑ کر انہیں پکارنا چاہا تھا۔ مگر شکیل نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"وہ حرام زادہ نہیں ہے' میں نے سارا گھر دیکھ لیا ہے۔" عقیل نے پھولی سانسوں کے بیچ کہا تھا۔

تاباں بن جل مچھلی کی طرح مچل رہی تھی۔ اماں حمیداں کو پکار رہی تھی اور جاذب کو بھی۔۔۔ مگر منہ سے غوں غاں برآمد ہو رہی تھی۔

کرکٹ کھیلتے بچوں کا میچ ختم ہو گیا تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی' مگر سامنے کا منظر دیکھ کر ایسی ہولناک خاموشی چھا گئی کہ سوئی گرے تو آواز آئے وہ پہلے ساکت رہے اور دم بخود دیکھتے رہے پھر جب گاڑی اتنی دور نکل گئی کہ دھول بھی بیٹھ گئی تو وہ سب کے سب ہولے ہولے چلتے سڑک پر آگئے اور اس راستے کو دیکھنے لگے۔ جہاں وہ گاڑی گئی تھی۔

اوندھے منہ گری اماں حمیداں بمشکل ٹیلی فون تک پہنچی تھیں' انہیں شہر میں منیجر صاحب کو اس واقعے کی اطلاع دینا تھی۔

نگران کے بولنے سے پہلے منیجر صاحب نے بتایا۔

"حیدر سلطان کوما میں چلے گئے ہیں۔"

کسی کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوئی اور وہ اپنی عزت کو واپس گھر لے آئے۔ وہ سب فاتحانہ گھر لوٹے تھے۔ اس رات سب کو بہت سکون کی نیند آئی۔

گھسیٹنے اور دھکم پیل کے دوران اس کا دوپٹا نجانے کب اور کہاں گرا وہ ایک قدم آگے نہیں بڑھتی تھی اسے دھکیل کر آگے کیا جا رہا تھا۔

سارے مرد جتھا بنا کر جاتے تھے۔ ہر بار جوش و خروش ہوتا تھا مگر واپسی پر ناکامی کا سارا نزلہ عورتوں پر گرتا۔

گاڑی کی آواز پر سب ہی چونکی تھیں اور تاباں کو دیکھ کر دانتوں میں انگلیاں داب لی تھیں اس کا چہرہ سوجا ہوا تھا اور اجڑے بال... کپڑوں کی حالت دگرگوں...

فاتحانہ چمک و زعم سے مردوں نے عورتوں کو دیکھا تھا اور لڑکیوں کو جتایا تھا کہ... دیکھی ہماری کرنی...

اسے دھکے دے کر اوپر والے اندرونی کمرے میں بند کردیا گیا تھا جو مچل مچل جاتی تھی۔ سارے مرد فتح کے نشے میں چور تھے۔ صبح اٹھے۔ ایک نئی فکر عود کر آئی اور سارا نشہ ہرن کر گئی۔ منصوبہ پہلے مرحلہ پر کامیاب تھا، مگر دوسرے مرحلے میں ایک فاش غلطی نے سامنے آکر دوبارہ زیرو پر پہنچا دیا۔

"آدھا کام کیا تم لوگوں نے... جاذب کا انتظار کرتا تھا۔ واپس وہیں آ جاتا وہ۔ بندوق کی نال لگاتا کنپٹی پر... پکا کاغذ لکھواتے۔" مشاہد تاج کہہ رہے تھے۔

"تو اب لکھوالیں گے، یہ کون سا مشکل کام ہے۔" شکیل و عقیل کا اعتماد عروج پر تھا۔ اس معاملے کو جلد از جلد نمٹانا چاہیے جتنی جلدی وہ کاغذ لکھ کر دیتا اتنی جلدی دوسری جگہ نکاح کرنے میں آسانی ہوتی۔

"طلاق کے بعد عدت بھی تو کرنا ہوگی نا۔" تائی جی گہری سوچ سے ابھری تھیں۔

سب کے سر پر آسمان گرا۔ چہرے اتنے برے طریقے سے بگڑے۔ تائی ہراساں ہو گئیں۔

"میرا مطلب ہے، وہ خوف زدہ سی ہوئیں۔" سوا مہینہ کی... شادی... شدہ... زندگی گزار کے... آئی ہے نا تو... عدت تو بنتی ہے شرعاً۔" انہوں نے اٹکتے اٹکتے جملے کو تیزی سے پورا کر کے سانسیں بحال کی تھیں۔

"بھابھی جی کا خون تو سیدھی بات کرتے ہوئے خشک ہو رہا ہے۔" چاچی جی کے چہرے پر تلخ استہزائیہ مسکان آن ٹھہری تھی۔ "الٹی بات نہ کسی نے سوچی نہ کسی کے دھیان میں اب تک آئی۔" اتنی گمبھیر صورت حال میں چاچی جی کے چہرے کی مزہ لیتی مسکان اچنبھا تھی سب متوجہ ہوئے تھے تو انہوں نے معذرت خواہانہ انداز اختیار کر لیا۔

"پہلے طلاق دلوانے کا مرحلہ... کہ کل کی ہوتی آج ہو... اور آج کی ہوتی ابھی، تب کہیں عدت کے سوا چار ماہ شروع ہوں گے پھر اگلے نکاح کا مرحلہ... میں تو بس دعا کر رہی ہوں، عدت چار ماہ دس دن کی ہی ہو... اگر جو عدت ہوگئی نو ماہ پر محیط... تو...؟"

جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ کر مراقبے میں چلی گئی تھیں۔ اور اس بار زمین پیروں تلے سے کھسکی تھی۔ چاچی جی کے جملے کا مطلب سمجھ میں آیا تو مجاہد تاج بے ساختہ کھڑے ہو گئے۔

"کیا مطلب؟" بلا ارادہ منہ سے نکلا تھا۔

"مطلب کیا... بات تو وہی بھابھی جی والی... سوا مہینہ کی شادی شدہ زندگی کا نتیجہ۔"

"چپ کرو تم...." ساجد تاج دھچکے سے سنبھلے۔ بیوی کو گھورا۔

"لڑکی اب گھر میں ہے، ہماری دسترس کے اندر.... اس لیے میرے نزدیک کوئی مسئلہ مسئلہ ہے ہی نہیں۔"

ساجد تاج نے بے جد بچے کی بات کہی۔ جملے میں ایسا یقین اور بے فکری تھی کہ سب کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ ساکت و جامد دروازے سے لگی زاہدہ کی آنکھوں سے بے آواز آنسو گر رہے تھے۔

تاباں مجاہد... نام، پہچان سے گئی اب فقط ایک لڑکی رہ گئی تھی۔

"جلد از جلد لڑکے کا پتا کرو، اسے پکڑو۔ طلاق نامے پر سائن کرواؤ پھر آگے کے سارے کام گھر کے ہیں جیسے کرنے ہوں کریں گے۔"

"ایسے... اس طرح سے... میرا مطلب ہے کہ شرعاً" ایسے زبردستی طلاق ہو جاتی ہے کیا؟" تائی جی نے ہچکچا کر سوال کر دیا تھا۔

"بالکل...!" ساجد تاج نے دانت بھینچے تھے۔

"جب ایسے نکاح ہو جاتے ہیں تو طلاقیں بھی ہو جاتی ہیں کرنے کا منہ ہونا چاہیے بس۔"

یہ وہ لوگ کہہ رہے تھے جو خود کو شریعت کا محافظ سمجھتے تھے۔

☼ ☼ ☼

کھیل ایک جانب سے ہاتھ میں تھا، مگر دوسری جانب بھی بپھری تاباں جاذب سلطان... تین دن تو وہ کسی حد تک نیم بے ہوشی کے عالم میں رہی تھی، گالوں پر پڑنے والے تھپڑ... بال گویا جڑ سے اکھڑ گئے تھے۔ اس کی کلائیوں پر سخت شکنجے نے نیل ڈال دیے تھے اور اندر ہڈیاں تک دکھتی تھیں۔ شکیل کا اوپر اٹھایا جانے والا گھٹنا پیٹ میں نجانے کہاں لگا تھا پسلی تک میں درد گھس گیا تھا۔

وہ سب گھر والوں سے دور الگ تھلگ کمرے میں تھی۔ بس ناشتہ پانی رکھنے کے لیے تالا کھلتا تھا جو ویسے کا ویسا واپس آ رہا تھا۔

ضوفی اس کے پاس جانے کو بے قرار تھی۔ زاہدہ تڑپ رہی تھیں۔ نازاں، افشاں واپسی کا سن کر ملنے کو بے چین تھیں مگر عجلت میں اچانک آمد ساس کو ہشیار کر دیتی۔

اسی سانپ سونگھی کیفیت میں اچانک دھڑ دھڑ بجتا دروازہ جو دونوں ہاتھوں سے لگاتار پیٹا جا رہا تھا پھر شاید چیزیں اٹھا اٹھا کر ماری جانے لگیں، ساتھ تاباں کی مسلسل پکاریں "کھولو دروازہ کھولو کھول دو.... مجھے جانے دو... مجھے یہاں نہیں رہنا، نکالو مجھے... میں.... پنکھے سے لٹک کر جان دے دوں گی۔ نکالو مجھے۔ کھولو دروازہ..." دھڑ دھڑ دھڑ....

وہ کسی جنون کی سی کیفیت میں دروازہ بجاتی تھی۔ اس کے جینے مرنے سے کسی کو کوئی سروکار نہیں تھا مگر اس کا شور اگر کسی باہر والے کے کانوں میں پڑ گیا تو سب کیے کرائے پر پانی پھر جاتا۔

"چپ کرواؤ اسے...." مجاہد تاج بہت ضبط سے بولتے بولتے بھی چلائے تھے اور ماجدہ جیسے اشارے کی منتظر تھی۔ وہ سرپٹ دوڑی تو دبے قدموں سے سب اس کے پیچھے تھیں۔

تاباں ماجدہ کے بازوؤں میں مچل رہی تھی اور کسی طور قابو میں نہ آتی تھی۔ آنکھوں سے آنسو، منہ سے جھاگ اور زبان سے مسلسل الفاظ نکل رہے تھے۔ دفعتاً" وہ ٹھٹک کر رک سی گئی۔ اس نے ضوفی کو دیکھا تھا جو بہت کھوجتی مگر سہمی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ دوسری نگاہ زاہدہ بیگم پر پڑی جو بے حد خوف زدگی سے اندر جھانک رہی تھیں۔

شور اتنا ہو گیا تھا کہ چاچی جی بھی "کیا ہوا... کیا ہوا" کی گردان کرتی آ گئیں اور پھر چند لمحوں میں سب کے سب اکٹھے ہو گئے۔

اپنی بات کہنے میں تاباں مجاہد کبھی نہیں گھبرائی تھی، مگر اب تو جیسے اسے کسی کا بھی خوف نہیں رہا تھا۔ وہ مسلسل بولے چلی جا رہی تھی۔

گھر کی سب عورتیں خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ ایک وقت ایسا آیا کہ وہ ساجد تاج سے منہ در منہ ہو گئی۔

"یہ تو تایا جی نے کہہ دیا کہ زندہ سلامت گھر لانا ہے ورنہ وہیں گاڑ دیتا۔" متحمل مزاج جمیل بھائی کے منہ سے انگارہ سا نکلا۔ "لیکن میں اتنی سننے والا نہیں۔ یہ کام اب بھی کر سکتا ہوں۔" انہوں نے اس کی ٹھوڑی اپنی انگلیوں سے جیسے مسل ڈالی۔

"ہاں تو مجھے مار کر خاموش کروایا جا سکتا ہے۔ نفرت ہے مجھے اس گھر کے مردوں سے... سب سے...."

"تو جس (گالی) سے محبت کی ہے، وہ بھگوڑا غائب ہے۔" ساجد چاچا کے منہ سے مغلظات کا طوفان امڈ پڑا۔ "مگر کب تک بھاگے گا۔ یہیں سامنے بٹھا کر

طلاق کے کاغذ پر سائن کر کے دے گا۔"

"نہ تو وہ بھگوڑا ہے اور طلاق کا کاغذ۔۔۔ ہنہ۔۔۔ کسی بھول میں مت رہیے گا۔ وہ کبھی ی ی ی۔۔۔ کبھی ی ی ی۔۔۔ ایسا کوئی کام نہیں کرے گا۔" وہ زور دے کر بولی۔

"مرجائے گا مگر آپ کی خواہش پوری نہیں کرے گا۔ آپ لوگ اسے جانتے ہی نہیں۔" وہ روتے چہرے کے بیچ طنزیہ ہنسی ہنس دی۔

"تو بس پھر اس کی موت کی اطلاع تمہیں عنقریب مل جائے گی۔ تم۔۔۔ ساجد! باہر آؤ۔۔۔" مشاہد تاج کی آواز کی خطرناک سنجیدگی نے سب کو چونکایا ساجد چاچا کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ وہ الٹے قدموں باہر کو نکلے تھے۔

"اس کے منہ مت لگو۔۔۔ لڑکی منہ زور ہو چکی ہے اسے اپنی جان کی پرواہ نہیں رہی۔ تو پھر کسی کی عزت کی کیا خاک فکر کرے گی۔ تمہیں۔۔۔ ہمیں جو کرنا ہے وہ ہم طے کر چکے ہیں پھر بحث کے کیا معنی۔۔۔"

"اس نے محبت کا دعوا نہیں کیا تھا۔ اس نے عزت دی جو یہاں پہ۔۔۔" اندر تاباں مسلسل بول رہی تھی۔ اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا، مگر جمیل بھائی نے سن لیا تھا۔ شدید ترین اشتعال میں انہوں نے اپنا الٹا ہاتھ گھمایا تو وہ بیڈ پر گری اور بیڈ کا کونہ ماتھے کے اندر کھب گیا۔ اس نے تڑپ کر اپنا ہاتھ ماتھے پر ٹکایا تو اگلے پل انگلیوں کی درزوں سے خون رسنے لگا۔

"تاباں۔۔۔" زاہدہ تڑپ کر اس کی جانب بڑھی تھیں۔

تاباں نے خود کو ماں سے چھڑایا تھا۔

"یاد رکھیں۔۔۔ آخری سانس تک یاد رکھیے گا۔ جمیل بھائی۔۔۔! میں بیوہ تو ہو سکتی ہوں مگر مطلقہ کبھی نہیں۔ کسی بھول میں مت رہیے گا۔ آپ اسے جانتے نہیں ہیں، وہ مجھے کبھی نہیں چھوڑے گا۔" (ایک ماہ کے ساتھ نے اتنا پختہ یقین کیسے دلوادیا؟ سب ہی نے ٹھٹک کر سوچا ضرور تھا)

"تاباں۔۔۔!" مجاہد تاج کے لہجے میں کچھ تھا کہ تاباں ٹھٹکی اور یک دم خاموش ہوگئی۔

"اب ایک لفظ اور کہا۔۔۔ تو میں گلا گھونٹ دوں گا۔۔۔ تمہیں مار دوں گا یا خود کو۔۔۔ مجھے ان دونوں میں سے ایک کام فوراً کر لینا چاہیے تھا مگر شاید میں بزدل ہوں۔۔۔ نہ مر سکا۔۔۔ نہ مار سکا۔ میرے ضبط کی حد نہ آزماؤ۔۔۔ مجھے اپنی صدیوں کی کمائی عزت کو بچانا ہے۔"

تاباں نے بے ساختہ سر اٹھایا تھا۔ اس نے بے خوفی سے مجاہد تاج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ آنکھوں میں آنے والے تاثر عجیب سے تھے۔ طنزیہ، استہزائیہ۔ جتاتے ہوئے۔ مضحکہ اڑاتے ہوئے۔ پھر اس نے "اونہہ!" کہہ کر منہ پھیر لیا تھا۔ مجاہد تاج تیزی سے باہر نکلے۔

☼ ☼ ☼

"جب ایک چیز طے کر لی تھی کہ کھڑے ہاتھوں طلاق دلوانی ہے تو چوک کیوں ہوگئی؟" مشاہد تاج نے ہزار بار کا کہا جملہ دہرایا۔

"ہوگئی غلطی۔۔۔ اتنی بار خواری کاٹی۔ جس جگہ چھاپے مارے مگر ناکامی ہوئی۔ جہاں سے یہ نئی، وہاں تو بس یونہی اندازے سے گئے تھے کہ شاید مل جائے۔ کچی پکی اطلاع تھی، مگر جب اسے دیکھا تو اسے جلد از جلد گھر لانے کی کی تھی۔"

سب خاموش ہوگئے۔ سب اپنی سوچوں میں گم ہوگئے تھے۔ اس معاملے کو جلد از جلد نبٹا دینا سب کے لیے بہتر تھا مگر کیسے۔۔۔ کدھر تھا جاذب سلطان۔۔۔

"ایسا نہ کریں خلع لے لیں۔ ایک کاغذ ہی تو سائن کروانا ہوگا اس سے۔ وہ میں ایک منٹ میں کروالوں گی۔"

"بلکہ میں تو کہتا ہوں۔ اغوا کا مقدمہ درج کرواتے ہیں کہ اس نطفہ ناتصدیق نے لڑکی کو اغوا کیا جبراً" نکاح کیا۔ اغوا کا مقدمہ بنے گا۔ زنا بالجبر اور سب سے اہم یہ بھی لکھوائیں گے کہ نکاح پر نکاح کیا گیا ہے۔ ساری شرعی حدیں لگ جائیں گی، زندگی بھر بھگتتا رہے گا سال پہلے کا نکاح نامہ ہمراہ شکیل میں دو دن میں بنوا لاؤں گا۔" گولڈن آئیڈیا جمیل کے دماغ میں آیا تو زبان

سے تڑ تڑ جوہر پھوٹنے لگے۔

ساجد تاج نے افسوس سے سر ہلایا۔ "ہمیں بھی آتے ہیں یہ سارے آئیڈیے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر مگر اس صورت میں گھر کی بات گھر میں رہے گی؟ اخبار ٹی وی والے جھنڈے پر چڑھا کر لہرا دیں گے۔ دنیا تماشا دیکھے گی۔ قبر بھی منہ چھپانے میں ناکام ہو جائے گی اس سارے معاملے کا اہم ترین پہلو ہے رازداری فقط رازداری۔"

جمیل بری طرح چونکا پھر اوہ کہہ کر سر ہاتھ پر گرالیا۔

☼ ☼ ☼

وہ اجڑی بکھری عجیب لٹے پٹے دگرگوں حال میں سر پہ ہاتھ رکھے بیٹھی تھی۔ اس کی سسکیاں ماحول کا ارتعاش تھیں تائی جی، ماجدہ، مائدہ۔۔۔ زاہدہ بیگم اور ضوفشاں اسے پلک جھپکائے بنا دیکھتی تھیں۔ ان کی نگاہیں تاثرات کا مجموعہ تھیں جن میں ترحم سب سے نمایاں تھا کبھی غصیلا پن چھلک جاتا حیرت و افسوس۔۔۔

اس کا پیلا لباس بے حد میلا تھا۔ بال بکھرے، آنکھوں پر سوجن تھی ضوفی نے بڑھ کر ماتھے کا زخم ٹٹولنا چاہا تو اس نے سخت درشتی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔ اس نے خون آلودہ ہاتھ اپنی قمیص سے رگڑ لیا تھا۔

"یہ تم نے کیا کر لیا تاباں۔۔۔ کیا کردیا؟" زاہدہ کی آواز نوحہ تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر آئیں اور اسے خود سے لگالیا وہ ٹس سے مس بیٹھی رہی۔

"اللہ نے تندرست و توانا خوب صورت و خوب سیرت اولاد سے نوازا۔۔۔ مگر تم سب سے الگ تھیں تاباں۔۔۔ بیٹے کی خواہش میں بہت شوق سے پوچھا تھا۔ ڈاکٹر بتائیں! لڑکا ہے کہ لڑکی۔۔۔ اس نے کہا لڑکی۔۔۔ میری آنکھ کا پانی بن گئیں تاباں۔۔۔ آخر کے تین مہینے تک چھلک چھلک جاتی تھیں، مگر جب تمہیں دیکھا تو سارے دکھ بھول گئی۔ اتنی چاند جیسی بیٹی پھر تمہارا حسن آنکھ میں آنسو بن کر ٹھہر گیا۔ شکر کے آنسو۔۔۔

حیرانگی کی نمی۔۔۔ ساری اولاد کے لیے ہر پل دعا مانگی مگر تمہارے لیے کچھ الفاظ ہمیشہ علیحدہ ہی رہے میں نے سن رکھا تھا بہت حسین عورت بہت بد قسمت بھی ہوتی ہے۔ مجھے افسوس ہے۔ تمہارے لیے کی گئی دعائیں پوری نہ ہوئیں۔ دینے والا تمہیں حسن کم دے دیتا۔۔۔ قسمت زیادہ۔۔۔ مگر میں۔۔۔ ہوتی کون ہوں اسے مشورہ دینے والی۔"

وہ اتنا طویل لایعنی سا پیرا بول کر انت میں نڈھال ہو کر رونے لگی تھیں ان کے جملوں نے سب کی آنکھوں کو نم کر دیا تھا اور تاباں کی آنکھوں کو خشک۔۔۔ وہ بہت عجیب سے انداز میں ماں کو دیکھ رہی تھی۔

"کس نے کہہ دیا۔ آپ کی دعائیں بے اثر ہوگئیں۔ نہیں امی! ساری کی ساری مجھے لگ گئی ہیں آپ نے اسے دیکھا نہیں ہے نا۔۔۔ اور میں نے اسے دیکھ بھی لیا اور جان بھی لیا۔ مت کریں شکوہ۔ آپ کو کچھ پتا نہیں کہ وہ کیا ہے۔"

ماں کو ڈپٹ کر دلاسا دیتے ہوئے وہ کسی اور کے تصور میں ڈوبی تو چہرہ اتنا رنگین و شفاف ہوگیا کہ سوا مہینے کا پل پل دکھائی دینے لگا اور یہ منظر سب کے لیے حیران کن تھا ذرا سی تکلیف پر شور مچانے والی ماتھے کے زخم کو ہاتھ سے دبائے بیٹھی تھی ذرا جو پریشان ہو۔ وہ جیسے سانس روکے اسے سن رہی تھیں، دیکھ رہی تھیں، دفعتاً" تائی جی چیل کی طرح اس پر جھپٹیں زاہدہ کو دھکا سا لگا۔ وہ پیچھے گر گئیں۔

"بے شرم! ایک لمحے کو خیال نہ آیا۔ باپ کی عزت پیروں میں رولتے ہوئے اس کے شملے کو راستے پر ڈالتے ہوئے ایک بار بھی کسی کا نہ سوچا۔ ماں، باپ، بہن بھائی، عزیز رشتے دار اس قدم سے۔۔۔" ان کے منہ سے جھاگ نکلنے لگے۔ "گھر سے نکلتے سے ایک بار تیرے قدم نہ کانپے تاباں۔۔۔" انہوں نے اسے دوہتھڑ رسید کیا تھا اور اگلے پل زمین پر بیٹھ کر اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے پیٹنا شروع کر دیا۔

"کیسے کانپتے قدم۔۔۔" وہ حلق کے بل چلائی ساتھ ہی ماتھے سے ٹیس اٹھی تو کراہ کر رہ گئی۔

”میں تو مرنے کے لیے جارہی تھی۔ ہمیشہ کے لیے۔۔۔ میں تو جسم سے پتھر باندھ کر دریا میں کودنے کے لیے نکلی تھی غرق ہونے اور جو اپنی جان پر کھیلنے نکلتے ہیں نہ ان کے قدم کانپتے ہیں نہ دل لرزتے ہیں۔ میرے پاس یہی ایک حل تھا اور میں چاہتی تھی 'مرنے کے بعد مجھے اس گھر کا کوئی شخص ہاتھ بھی نہ لگائے۔ میں ان سب کے کندھوں پر چڑھ کر نہیں جانا چاہتی تھی۔ ڈھونڈتے رہیں یہ سب زندگی بھر۔۔۔ قیاس کے گھوڑے دوڑاتے رہیں زندگی بھر ...... ایک پل کو سکون میسر نہ ہو' پلک سے پلک بھی نہ جڑے۔“

”اتنی نفرت۔۔۔ تاباں۔۔۔ وجہ؟“ مائدہ نے پہلی بار لب کھولے۔

”یہی تو اصل بات ہے مائدہ مشاہد۔۔۔ اک سب وجہ پوچھتے لاعلمی ظاہر کرتے جبکہ سب کے سب وجہ تھے۔ وجہ ہیں۔

مرجانے کا فیصلہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ اپنی جان دینا آسان نہیں ہوتا تائی جی! اور وہ بھی مجھ جیسی لڑکی جو زندگی سے اتنا پیار کرتی ہو' لیکن وہ زندگی جواب میرے پاس بچی تھی۔ وہ فقط ذلت تھی بے یقینی اور بد صورتی۔ عدم اعتماد اور شک۔

میں کیا کرتی ایسی زندگی کا۔۔۔ سو بہت اطمینان سے موت کو گلے لگانے چلی تھی۔ گھر سے بھاگنے والیاں زیور کپڑے پر ہاتھ صاف کرکے جاتی ہیں زادراہ کے طور۔۔۔ میں خالی ہاتھ نکلی تھی۔“

اس نے دونوں ہتھیلیاں سیدھی سامنے کردیں۔

”میں نہیں کہتی کہ کھڑکی سے باہر کھڑے اس انجان شخص نے مجھے متوجہ نہیں کیا تھا۔ کیا تھا بہت بار کیا تھا' میں نے اسے ہزار بار اگنور کیا تھا۔ میں کھڑکی سے ایسے دور رہتی تھی جیسے اس میں کرنٹ دوڑتا ہو' وہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا تھا۔“

خوفشاں کا دل بند ہونے لگا' تاباں کے انکشافات نجانے وہ کیا کیا کہنے والی تھی اور باقی سب خواتین نا سمجھی کے عالم میں ایک دوسرے کو دیکھتی تھیں۔ وہ کھڑکی کے باہر کھڑا ہوتا تھا' مگر کب اور کیسے۔۔۔ اور گھر میں کسی کو خبر نہ ہوئی اور۔۔۔ اور تاباں کو کیسے ہوگئی؟ ان سب کے سر پر بم پھٹا تھا۔

”ایک طرف شکیل ساجد ہو اور دوسری جانب جاذب سلطان تو۔۔۔ لڑکی اندھی بہری گونگی ہو تب بھی۔۔۔ ہوش و حواس سے بے گانہ ہو تب بھی۔ جاذب سلطان ہی کا نام لے۔ مجھے شکیل ساجد نہیں چاہیے تھا تو میں نے جاذب سلطان کی بھی طلب نہیں کی تھی حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اسے وظیفے کرکے' چلے کاٹ کر مانگا جائے یا پھر چھین لیا جائے۔“

وہ ایک بار پھر کھوسی گئی۔ جاذب سلطان کا ذکر اس کی آنکھوں میں چمک پیدا کردیتا تھا اور وہ جیسے کسی اور جہان میں پہنچ جاتی تھی۔

”وہ اتنے خوب صورت لفظ لکھتا تھا کہ وہ الفاظ مجھے کبھی زمین کے لگے ہی نہیں۔

چاچی جی نے کمرے میں قدم رکھنے سے پہلے ”مجھے شکیل ساجد نہیں چاہیے تھا۔“ سنا تھا۔ باقی کے لفظ سننے کے لیے ان کے قدم ساکت ہوگئے تھے۔ تاباں کے اگلے جملے نے سب کے پیروں سے زمین کھینچ لی تھی' تو وہ رقعے بھی لکھتا تھا۔ یعنی تاباں مجاہد کی اس شخص سے رقعے بازی چل رہی تھی تو پھر تو سب ٹھیک ہوا ایسے ہی تو لڑکا دیوانہ نہیں ہوا نا؟ یعنی۔۔۔

گمان' اندیشے' بے یقینی شکوک پل بھر کے اندر یقین میں ڈھل گئے۔ وہ بس اپنی ہی کہے جارہی تھی۔

”پھر بھی میں ثابت قدم رہی۔ مجھے اپنی حدود ہمیشہ یاد رہیں۔ اپنی عزت و وقار۔۔۔ اپنا مقام مجھے جیسا میری ماں نے بتایا تھا یا بنانا چاہا تھا میں ویسی ہی تھی۔ مگر پھر میں ویسی ہوگئی جیسا سب گھر والے مجھے مل کر بنا رہے تھے۔ گھر سے نکلتے وقت آپ سب لوگوں کے لیے نفرت تھی' باہر کھڑے شخص کے لیے اجنبیت۔۔۔ مگر یونہی دھیان پلٹا' خیال آیا۔۔۔ جو سر دھڑ کی بازی لگا کر۔۔۔ دماغ کو بھلا کر فقط دل کی باتیں کرتا ہے جو سب کی نظروں میں ہے مگر خود ایک نظر کا حسرت زدہ۔۔۔ مرنے سے پہلے ایک بار اسے بھی تو آزما کر دیکھ لوں کہ کتنے پانی میں ہے۔

وہ اس برفاب موسم میں ساری رات یہاں گزار کر واپس جارہا تھا۔ ابھی صبح کا اجالا نہیں پھیلا تھا۔ اس کے چہرے پر مایوسی تھی۔ وہ ہار کے جارہا تھا اس کے خوب صورت الفاظ بے کار گئے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا ایک بلاوجہ کی خواری پر شرمسار لگتا تھا سب سے مگر سب سے بڑھ کے خود سے۔ وہ کسی فیصلہ کن کیفیت میں تھا کہ دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کرے گا جب میں اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

میں نے کہا۔ ”تم محبت کے دعوے دار ہو۔۔۔ عشق کرنے کا کہتے ہو محبت میں مرنے کی بات کرتے ہو۔ یہ بتاؤ محبت میں زندہ رہنے کے لیے کیا کروگے؟“

وہ ایسے مجھے دیکھتا تھا جیسے خواب میں گرفتار ہو اس نے گردن موڑ کر تاج ہاؤس کو دیکھا تھا اور بند کھڑکی کو وہاں کوئی نہیں تھا جس کی لگن میں وہ کھڑکی کو دیکھتا تھا جس کی کھوج میں وہ خوار ہو رہا تھا وہ تو اس کے سامنے کھڑی تھی۔

”تم زمین پر کیسے آگئیں؟“

”پیروں سے چل کر۔“

”کہاں جانے لگی ہو؟“

”نکلی تو مرنے کے لیے ہوں۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دی تھیں۔ ”مگر تمہیں اس لیے پکار لیا کہ تم بہت آسانی سے مرجانے کا دعوا کرتے ہو۔ میں نے سوچا' تمہیں معلوم ہو کہ میں مرنے جارہی ہوں۔۔۔ کیا تم بھی چلوگے؟“

پتا ہے وہ کیا بولا۔ ”جب تم سامنے آگئی ہو تو مرنا کیسا۔۔۔ مرنا تمہارے نہ ہونے کی صورت میں تھا جب تم ہو زندگی بھی ہے۔“

اسے یقین نہیں آتا تھا کہ میں سامنے اس کے روبرو کھڑی ہوں اس سے ہمکلام ہوں۔ وہ بار بار مڑ کر کھڑکی کو دیکھتا تھا۔

”میں۔۔۔ میں تمہیں چھولوں۔۔۔ مجھے یقین نہیں آرہا۔“ اس کی فرمائش میں جھجک تھی اور خوف تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس پر شادی مرگ طاری ہوگئی اس کی آنکھیں جھلملا اٹھی تھیں وہ بولا تو آواز بھرائی ہوئی تھی۔

”مجھے یقین تھا تم ضرور آؤگی۔۔۔ میں ایک پل کو بھی بے یقین نہیں ہوا تھا' مگر آج مجھے بس یونہی خیال آیا۔ شاید میں تم پر جبر کی طرح مسلط ہو رہا ہوں۔ مجھے تمہیں فیصلے کے لیے آزاد چھوڑنا چاہیے۔ واپسی کے لیے مڑا ہوں اور تم سامنے ہو۔“

میں بے خوفی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”محبت کتنی خوب صورت ہے' میں نہیں جانتی۔ مگر زندگی کتنی خوب صورت ہے۔ مجھے اچھی طرح علم ہے اور زندگی کی اصل خوب صورتی عزت میں ہے۔ اگر وہ ہے تمہارے پاس۔۔۔ تو پھر چلو۔۔۔ اور یاد رکھو میں مرنے کے لیے نکلی ہوں۔۔۔ زندگی عزت کے ساتھ نہ ملی تو عزت کے لیے موت کو اپنالوں گی۔ مرجاؤں گی۔۔۔ (وہ کھلی بے یقین آنکھوں سے بس مجھے دیکھ رہا تھا۔ مجھے لگا وہ مجھے سن نہیں رہا) یا۔۔۔ ماردوں گی۔“ (مگر وہ مجھے سن رہا تھا بغور حرف بہ حرف)

”مجھے منظور ہے۔“

اور

وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔

اور محض تین گھنٹے بعد میں تاباں مجاہد سے تاباں جاذب سلطان بن چکی تھی۔ میں نے ان سب سے کہا تھا۔ ”واپسی کا راستہ نہیں ہے۔ میں دریا میں کودنے نکلی تھی۔“

”میں تمہیں کبھی ڈوبنے نہ دیتا۔“

”میں نے پہلی بار اسے دیکھا تھا۔ ضوفی۔۔۔ پہلی بار اسے سنا تھا۔ اس نے کہا۔ وہ مجھے گھر واپس لے کر جائے گا اور سب کو سمجھائے گا کہ وہ پوری عزت اور دیانت داری سے اس رشتے کو اپنائے گا اور امی۔۔۔! وہ چھپنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ وہیں اپنے گھر میں رہ کر سب کا سامنا کرنے کو تیار تھا مگر۔۔۔ مگر میں نے اسے مجبور کیا۔ چاچی جی۔۔۔ میں نے اسے بتایا کہ پہلے مجھے موت سے ڈر نہیں لگ رہا تھا اور پھر۔۔۔ جاذب سلطان کی بیوی بن جانے کے بعد مجھے زندگی کے سوا کچھ چاہیے نہیں

تھا۔ میں نے اسے کہا کہ وہاں سب جنگلی ہیں اور مجھے اس کی جان بہت پیاری ہے۔ وہ میرے مجبور کرنے پر اس ویرانے میں جاکر بیٹھا تھا۔ اور وہ اب بھی چپ نہیں بیٹھے گا۔ بھول ہے سب کی آپ سب۔۔۔" وہ ہاتھ نچانچا کر چاچی جی سے براہ راست ہمکلام تھی۔

"ایسی ماؤں ہی کی بیٹیاں چاند چڑھاتی ہیں کیسے مزے سے عشق و محبت کے قصے سن رہی ہیں۔ بولنے والی زبان پر تو فالج نہ گرا۔۔۔ ان سننے والیوں کے جیسے کوئی آکر دیکھے۔ نکلو۔۔۔ نکلو ماجدہ ادھر سے۔ کم از کم میری بہو۔۔۔ تو ایسی بے شرمی کے قصوں سے کانوں کو دور رکھے اور بھابھی جی! آپ کو بھی سکتہ ہو گیا ہے۔ ہیر رانجھے کی داستان سن کر۔۔۔ وہ سسی تھی جو زمین میں جاکر دفن ہو گئی عزت پر حرف نہ آیا۔ نکالیں اس مائدہ کو بھی ادھر سے۔ کنواری لڑکیوں پر ویسے ہی ایسے واقعے جلدی اثر ڈالتے ہیں۔ خاندان سے باہر ہی جانا ہے اسے۔ یہ ضوفی البتہ نے بہن کے تجربات سے سبق سیکھے۔ خیر سے ذہین تو سب سے زیادہ ہے ہی۔"

چاچی کے جملے نمک مرچ کا پانی تھے جو زخموں پر چھڑکا جارہا تھا۔

"پہلے تھا ہمارا خیال۔۔۔ کہ گھر کی عزت گھر ہی میں ڈھک لیں گے "لیکن میری توبہ۔۔۔"

چاچی جی نے تیزی سے دونوں گال پیٹے پھر کان پکڑے اور آخر میں زمین پر جھک کر دونوں ہاتھ سے فرش چھو کر اپنی ناک پر رگڑ لیے توبہ توبہ۔۔۔

"ایسی بے شرمی۔۔۔ نہ شرمساری نہ خوف۔۔۔ اور ظاہر ہے ہو بھی کیسے۔۔۔ جب سننے والے اتنے شوقین ہوں تو محفل سجا کر داستان سنانے کا مزہ ہی الگ ہوتا ہے۔"

چاچی جی کمرے سے باہر نکل گئیں۔ ماجدہ پیچھے تھی۔ زاہدہ کی سسکیاں ایک بار پھر نمایاں تھیں۔

تاباں کے منہ سے سنی اصلیت کو اب چاچی جی نے بیٹوں کے سامنے رکھا اور اس میں اپنی مرضی سے وہ اضافے کیے کہ سن کر دنگ رہا جاتا۔ حیرت منہ کھول دیتی تھی اور غیرت دماغ کو کھولا دیتی تھی۔

"میں تو صاف کہہ آئی 'خود ہی سنبھالیں اس گند کی پوٹ کو۔ مجھے نہیں گھسانی ایسی غلاظت اپنے گھر میں میرے اپنے گھر میں کچے ذہنوں کی چھوٹی بچیاں ہیں جب ان کی اپنی اولاد باپ کی عزت کو نہیں سنبھال سکی تو میری اولاد نے کیا ٹھیکہ لے رکھا ہے اور کوئی تم سے کوئی سوال و جواب کرے تا تو بھی صاف کہہ دینا کہ جی ہمارا کیا تعلق۔ تایا کا الگ گھر اور طریقے۔ اب رشتے داری تو اللہ نے بنا کر بھیج دی ہے۔ اس سے انکار نہیں مگر وہ اپنے عمل کے ذمہ دار اور ہم اپنے۔ اس حوالے سے کوئی رائے نہیں دینا۔ مجھے اور رات ہی نکالتی ہوں ان سب کو اس خوش فہمی سے کہ میری طرف سے اور میرے بیٹے کی طرف سے سات سلام۔۔۔ ہمیں تو معاف ہی رکھیں۔"

"نہیں اماں!" شکیل کی پرسوچ نگاہوں میں بڑی گہری مسکراہٹ آن رکی۔

"تایا کی عزت کو سنبھالنا میرا ہی فرض بنتا ہے۔ نکاح تو میں ضرور کروں گا اتنی آسانی سے معافی۔۔۔ میرا نام ساتھ لیا گیا تھا۔ ذرا "ساتھ" کا مزہ بھی تو لے نا۔"

بیٹے کے مسکراتے جملوں سے زہر کی پھنکاریں نکل رہی تھیں۔ چاچی جی نے آنکھیں چندھی کر کے لخت جگر کو دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

"وہ بخار میں پھنک رہی ہے۔ ڈاک۔۔۔ ڈاکٹر کے پاس لے جاتے۔" زاہدہ نے جتنی دقتوں سے سوچ بچار کے بعد مجاہد تاج سے کہا تھا۔ انہوں نے اتنی ہی تیزی اور بربریت سے جواب دیا تھا۔

"کیوں! میرے ماتھے پر کہاں لکھا نظر آگیا کہ میں پاگل ہوں۔"

"جی!" زاہدہ کے خاک پلے نہ پڑا۔ اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں تاکہ وہ پھر چکمہ دے جائے۔ دے دو گھر ہی سے کوئی بروفن 'پیناڈول۔۔۔"

"دی تھی۔ مگر کوئی فرق نہیں پڑ رہا۔"

"اتر جائے گا اپنی مدت پوری کر کے ہی بخار اترتے ہیں۔"

"وہ تو۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ مگر۔۔۔ وہ آج کل۔۔۔ ڈینگی وغیرہ کی وبا بھی ہے تو۔۔۔ کہیں وہ" زاہدہ نے اٹک اٹک کر بمشکل کہا تھا۔

"وبا تو پھر نہ کہو۔۔۔ اگر وہی ہو جاتا ہے تو خس کم جہان پاک۔۔۔ سارے مسائل پلک جھپکتے حل ہو جائیں گے۔ سب کچھ پہلے کی طرح۔۔۔" مجاہد تاج کے چہرے پر تصور ہی سے سکون پھیل گیا تھا۔ زاہدہ کا دل کسی نے چباڈالا۔ وہ ہونٹ کچلتی باہر آئی تھیں۔

ٹھنڈی پٹیاں رکھتی ضوفی نے ماں کے قدموں کی چاپ ہی سے اندازہ لگالیا کہ کیا جواب لائی ہیں۔ ضوفی نے کچھ نہیں پوچھا مگر وہ روتے ہوئے خود ہی سوال و جواب بتانے لگیں۔ ضوفی ٹھنڈی سانس لے کر دوبارہ پٹی بدلنے لگی۔ سرخ چہرے کے ساتھ بھاپ کا انجن بنی تاباں نے سب سنا تھا اور سمجھا بھی تھا۔ وہ ہوش و بے ہوش میں اب صرف ایک ہی نام لیتی تھی امی۔۔۔ اماں۔۔۔ ہائے اللہ جی۔۔۔ یوں لگتا تھا اسے جاذب سلطان بھول گیا ہے اور باقی سب کچھ بھی۔۔۔ جو کچھ اس عرصے میں اس پر بیتا۔۔۔ اچھا برا سب۔۔۔

اور سب کو بھی یہی لگتا جیسے وہ خالی آنکھوں سے اب خاموش رہتی تھی اور کچھ نہیں بولتی تھی ویسے ہی جس کے بل پر اتنا اچھل رہی تھی وہ بھی اسے بھول چکا ہے وہ ہنوز غائب تھا۔ اس کا غائب ہونا ایک جانب باعث طمانیت تھا تو دوسری طرف غیرت و عزت کے اوپر تازیانہ۔ تاباں کے غبارے سے ہوا نکل گئی تھی جیسے ایک سکون بخش احساس۔

اس کے لیے سخت ترین ہدایت تھی کہ وہ اپنے کمرے کی حدود سے باہر نہ نکلے اور گھر کے مردوں کی نظروں میں تو قطعاً" نہ آئے۔ شروع میں وہ کھانے کے برتن یونہی لوٹا دیتی تھی مگر پاپی پیٹ اپنی طلب کے آگے ساری ضد توڑ دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ زاہدہ یا ضوفی جب اس کے لیے ٹرے سجا کر لے کر جاتیں تو باقی دیکھنے والوں کی زبانیں زہر اگلنے لگتیں۔

"ہاں ہاں لے کر جاؤ۔ بڑی محاذ سے لوٹی ہے۔ ثواب کما کر آئی ہے۔ کرو خدمتیں۔"

مائدہ اور ماجدہ نے اسے دیکھ کر کترانا شروع کر دیا تھا۔ رانیہ سونیا کا تو پکا داخلہ بند ہو چکا تھا۔ مشاہد تایا کے حافظ بیٹوں نے چھٹیوں میں آکر اپنے ہی گھر کے کھانے پینے کو حرام قرار دیا جہاں تاباں ملعونہ رہتی ہے چاچی جی نے سب کچھ تفصیل سے بتایا تھا۔

تاباں ابا اور تایا کی موجودگی میں اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلتی تھی۔ مگر وہ دن کے کسی حصے میں خاموشی سے اپنے لیے چائے بنانے یا روٹی ڈالنے کچن میں آیا کرتی تھی۔ اسے دستر خوان پر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ گھر کا حصہ نہیں رہی تھی جیسے وہ لڑکیوں والے کمرے میں نہیں رہتی تھی۔ اسے گھر کا اندرونی کمرہ دیا گیا تھا جو سب کی نگاہوں کے سامنے تھا اور جس میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔

وہ اپنے لیے روٹی ڈال رہی تھی جب تائی جی اندر داخل ہوئیں وہ راشد کے لیے روٹی بنانے کی جلدی میں تھیں۔

"میں ڈال دیتی ہوں۔" تاباں نے ان کی جانب دیکھے بغیر کہا۔

"آں۔۔۔ تم۔۔۔ اچھا ڈال دو۔ میں تب تک سلاد بنا دیتی ہوں۔ دوستوں کے ساتھ کہیں جانے کا کہہ رہا ہے۔ سارا سال تو مدرسے میں رہتے ہیں مگر یہاں آکر محلے کی دوستیاں تازہ دم ہو جاتی ہیں۔"

وہ خود کلامی کرتے ہوئے تیزی سے سلاد کا سامان نکال رہی تھیں۔

"امی جی! جلدی کریں پہلے ہی دیر۔۔۔" وہ بولتا ہوا اندر آیا تھا۔

اس نے تاباں کو روٹیاں دستر خوان میں لپیٹتے دیکھا وہ تیزی سے سالن نکال رہی تھی۔ اس نے دونوں چیزیں ٹیبل پر رکھیں۔ پانی کی بوتل۔

"بس بیٹا شروع کر دے۔ یہ سلاد بھی بس تیار ہے تاباں! دو گھونٹ چائے بھی رکھ دے بیٹا!"

تائی جی نے عجلت سے کہا تھا۔ تاباں کچھ کہے بنا

سالن چین میں پانی ڈالنے لگی۔ راشد نے منٹ کے اندر صورت حال کا جائزہ لیا۔ اس نے مگن ماں کو دیکھا پی ڈالتی تاباں کو.... پھر حیران چہرے کے تاثرات بدلے اور چہرہ غضب ناکی کی تصویر بن گیا۔ اس کے اگلے عمل نے غضب کی شدت کو ثابت کیا تھا۔

"آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں اس کے ہاتھ کا چھوا کھانا کھالوں گا۔ اور اس کی ہمت دیکھیے۔ کیسے بے شرم بن کر کھڑی ہے۔ نکالیں اسے باہر۔ نکلو ادھر سے۔"

وہ جارحانہ عزائم لیے آگے ہوا اور دونوں کے کچھ بھی سمجھنے سے پہلے چنگیر اٹھا کر دے ماری۔ سالن اڑتا ہوا سامنے دیوار سے جا کر چپک گیا۔ گلاس چھناکے سے ٹوٹا تھا۔ اس کے ہاتھ کی جنبش سے قہوہ دور دیوار پر نقش و نگار بناتا گیا۔ گرم کھولتا پانی تاباں کے پیروں پر گرا تھا۔ مگر اسے ہوش نہیں تھا۔

راشد تو اسے باجی کہتا تھا۔ کاشان تو بہت بعد میں آیا تھا' وہ دونوں تایا زاد ہی کو اپنا بھائی کہتی تھی۔ وہ اس کے ذریعے اپنی فرمائش ماں باپ تک پہنچاتا تھا وہ تو۔۔۔ اور۔۔۔

"نکلو ادھر سے...." راشد نے اسے ہاتھ سے گھسیٹ کر کچن سے باہر کر دیا تھا۔ اس کی روٹی وہیں رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"وہ خواب دیکھتا تھا۔ میں نے تو صرف تعبیر کے لیے راہ ہموار کی۔"

تاباں مجاہد کے لایعنی جملے۔ بے فکری اور عجیب

سی مسکراہٹ اس شام کسی کے بھی پلے نہیں پڑے تھے۔

"تو پھر وہ تمہیں اسے چھوڑ کر کہاں چلا گیا۔ یا پھر وہی کہ دور۔ ناقابل دسترس چیز کو حاصل کر لیا تو کشش ختم ہو گئی۔ تم ہو کس نشے میں۔" ماجدہ کو اس کی طمانیت نے کھول دیا تھا۔

"تمہیں کس نے کہا کہ وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔"

اور یہ یقین سب کو پاگل پن' خام خیالی' خوش فہمی لگا تھا۔ مگر۔ مگر۔

وہ صبح۔ وہ صبح گمان سے پرے تھی۔ خدشات سے بہت دور۔

یہ عدالت کی جانب سے بھیجا جانے والا سمن تھا۔ جاذب سلطان نے کیس فائل کر دیا تھا۔

جاذب سلطان کی بیوی کو اس کی غیر موجودگی میں اس کے گھر والے اغوا کر کے لے گئے۔ میری والدہ کے سر میں شدید ضرب لگائی تھی جس کے باعث وہ بے ہوش ہو گئیں۔ املاک کو نقصان پہنچایا گیا۔ مشاہد تاج۔ مجاہد تاج۔ ساجد تاج اور تینوں بیٹوں کے نام درج تھے۔ یہ شہر کے سب سے بہترین وکیل کی مدعیت میں درج کیا جانے والا مقدمہ تھا۔ جس میں عائد کیے جانے والے ہر الزام کی قانونی باریکیوں اور نزاکتوں کو پیش نظر رکھ کر جملے ترتیب دیے گئے تھے۔

اغوا' مارکٹائی' حبس بے جا' نکاح' عاقل و بالغ' قانونی' شرعی بیوی جیسے الفاظ کی بھرمار سے سجا وہ ہلکا پھلکا کاغذ۔ ہزار بار پڑھنے کی صورت میں بھی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ خواہ ہاتھ میں لغت لے کر بیٹھ جاتے۔

سو ضروری تھا کہ کسی ایسے بندے سے رابطہ کیا جائے اور ایسا بندہ ایک وکیل ہی ہو سکتا تھا۔ کہاوت ہے ڈاکٹر اور وکیل سے کچھ نہیں چھپانا چاہیے۔

مگر یہاں کسی کو سوجھ نہیں پا رہا تھا کہ چھپانا تو نہیں چاہیے مگر بتانا کیسے چاہیے۔ وہ سب بڑے کھاگ تھے کاروباری۔ زمانہ شناس۔ کاروباری معاملات کے حوالے سے وکیلوں کے منہ دیکھے تھے۔ مگر اس بار۔ ساکت و صامت جہاں کے تہاں رہ گئے تھے۔

دفعتاً" مجاہد تاج تیز ترین قدموں سے گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھے۔ وہ غیض کی تصویر تھے۔ غضب کا نشان۔ ان کے منہ سے مغلظات کا طوفان نکل رہا تھا۔

اور اب تاباں مجاہد۔ مجاہد تاج کے ہاتھوں بری طرح پٹ رہی تھی۔ اس کے ریشمی بال گدی کی جانب سے ان کے سخت ہاتھوں میں تھے اور وہ اسے کھینچ رہے تھے۔ اس کا گلا گھونٹ دینے والے تھے۔ مگر گھر کی کچھ عورتیں تاباں سے چپک گئیں اور اس کو مجاہد تاج سے دور رکھا۔ مائدہ ماجدہ۔ اور تائی جی مجاہد سے لپٹ چکی تھیں۔

نیچے تیم کھیلتا کاشان بھی اوپر آگیا تھا۔ وہ نیم مردہ تاباں سے بھی لپٹا تھا اور پھر خیال آنے پر مجاہد تاج کی جانب پلٹا تھا۔ جو ہذیان بک رہے تھے۔

سب کے سب اس اچانک اشتعال کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔ کیا ہو گیا۔

جمیل بھائی نے بہت مختصر الفاظ میں بتایا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ہونٹ سے بہتے خون کو ہتھیلی کی پشت سے صاف کرتی تاباں کو ایک الٹے ہاتھ کا جھانپڑ بھی رسید کیا تھا۔ ان کے مختصر الفاظ میں گالیوں کی بہتات تھی۔ تاباں مجاہد کے چہرے پر شادی مرگ سی طاری ہوئی تھی۔ وہ جیسے سارے ماحول سے کٹ کر صرف جمیل بھائی کے جملوں کو سن رہی تھی۔ جیسے اچانک اندھیرے غار کے منہ پر پڑا پتھر کھسکنے لگے۔ روشنی' ہوا' تازگی اور باقی سب کی دنیا اندھیر ہو گئی۔

تاباں کے چہرے پر آئی مسکان اور آنکھوں کی بے پناہ چمک کسی کی نگاہ سے پوشیدہ نہ رہی۔ بے خوفی اور بے فکری۔ خاتمے کا خیال۔ ہنسی اور خوشی۔ طمانیت کی لہریں۔

جمیل بھائی کے پے در پے تھپڑوں نے اسے زمین پر گرا دیا۔ خون تھوکنے اور مٹی چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ گھر میں قیامت صغریٰ تھی کوئی مجاہد تاج کو سنبھال رہا تھا۔ کوئی ماجدہ کو ٹٹول رہا تھا۔ ایک جانب زاہدہ ہوش و خرد سے بیگانہ پڑی تھیں۔ دھکا لگنے سے وہ دیوار سے جا ٹکرائی تھیں۔ ضوفی ان کے گال تھپتھپا رہی تھی۔

تاباں کی پسلیوں میں جمیل کے جوتے کی نوک جیسے دھنس گئی تھی وہ اوندھی پڑی تھی۔ اس کے کولہے اور رانوں پر بھی ٹھوکریں تھیں۔

اب کسی میں اتنی ہمت نہ رہی تھی کہ تاباں کو بچاتا یا جمیل کو روک پاتا۔

☼ ☼ ☼

"اس میں اتنی پریشانی والی تو کوئی بات ہے ہی نہیں۔" وہ ڈرے' جھجکے' نپے تلے ہر لفظ کو بولنے سے پہلے وہ نگاہیں جھکا لیتے تھے۔ یا چرا لیتے تھے۔ وکیل نے ان سب کو بغور دیکھا۔ وہ دن رات ہر طرح کے لوگوں سے ملتا تھا۔ عمر گزاری تھی اس دشت کی سیاہی میں۔

ساجد تاج دو جملے بولتے تھے اور وکیل آگے کی صورت حال خود بتانے لگتا تھا۔ جیسے وہ وہیں موجود تھا۔ جب سب کچھ ہوا۔

"ایک بات آپ کلیئر کر لیں۔ لڑکی اپنی مرضی سے گھر سے نکل کر گئی۔" وہ بہت طمانیت سے اپنی گھومنے والی کرسی پر جھول رہا تھا۔ کہنیاں کرسی کی ہتھیلیوں پر ٹکی تھیں اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست تھیں۔ وہ اپنے ہاتھوں ہی کو دیکھتے ہوئے مسلسل بول رہا تھا۔

"یا۔ اسے اغوا کر کے زبردستی نکاح کیا گیا۔ دونوں صورتوں میں بات ثابت کرنی پڑے گی۔ اور پردہ پوشی کی فرمائش یا خواہش بے معنی ہے' بے وقوفی ہے۔"

وکیل صاحب نے ایک نظر ان تینوں پر ڈالی۔

"بات اس وقت گھر سے باہر نکل دنیا کی ہو گئی تھی۔ جب لڑکی نے گھر سے باہر قدم نکالے۔ دوسرے یہ ہے کہ جیسا کیس آپ کہیں گے بنا دیا جائے گا۔ سچا اور جھوٹا۔"

"میں چاہتا ہوں اسے ایسا سبق سکھایا جائے کہ رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے۔" شکیل نے جبڑے بھینچ کر ٹیبل پر مکا برسایا تھا۔

"بالکل سکھایا جاسکتا ہے۔" وکیل نے آگے ہو کر کہنیاں ٹیبل پر ٹکائیں۔ اس نے شکیل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ پھر اگلے جملوں سے پہلے سب کو باری باری دیکھا۔

"مگر پھر رہتی دنیا کو یہ بھی یاد رہے گا کہ سبق کیوں سکھایا گیا۔ اور جبکہ آپ سب کی سب سے اہم ترین فرمائش و خواہش یہی ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور میں معذرت سے کہوں گا کہ اب ایسا ہونا ناممکن ہے۔"

"لڑکی کو نابالغ قرار دے دیں۔ اور یہ بھی کہہ دیں کہ نکاح پر نکاح کیا گیا۔ اغوا کرکے زبردستی۔ زنا بالجبر۔ اور اس طرح کے الزامات اگر عائد کیے جائیں۔"

شکیل نے حرف حرف کو سنا تھا مگر سمجھا نہیں تھا۔ وہ تصور کی آنکھ سے جاذب سلطان پر حد شرعی نافذ ہوتے دیکھ رہا تھا۔ فقط ایسا سوچنے ہی سے دل کو اتنی تسکین مل رہی تھی اگر ہو جائے تو کتنا مزہ آجائے۔

وکیل نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر انداز نشست تبدیل کرلیا۔ وہ اب مزید آرام دہ حالت میں کرسی کی بیک سے سر ٹکائے ہلکا جھولنے لگے تھے۔ ہاتھ لمبا کر کے ٹیبل پر رکھے پین کو گھمانے لگا۔ چہرے پر مسکراہٹ آگئی تھی۔ جس سے شکیل کا سینہ چوڑا ہوا۔

اس کا آئیڈیا وکیل صاحب کو پسند آگیا تھا۔

"بلوغت کے لیے میڈیکل ہوجاتا ہے۔ لڑکی انٹر کے پیپرز دے چکی ہے۔ نکاح پر نکاح کو ثابت بھی کردیں گے۔ تو باقی کی ساری فرمائشیں پوری ہوجائیں گی۔ حدیں بھی لگیں گی۔ شرعی و قانونی سب۔ اس لڑکے کو دن میں تارے نظر آجائیں گے۔ زندگی بھر یاد رکھے گا۔"

سب کے چہروں پر طمانیت پھیلی۔ ہونہار سپوت وکیل کو صائب مشورے دے رہا تھا۔ بہت خوب۔ ماشاءاللہ۔

"مگر۔" وکیل صاحب نے پین کو زور سے گھمایا اور پھر یکدم چھوڑ دیا۔ پین ذرا سا ناچ کر پھر دھیما ہوتے ہوتے لہرا کر ڈھے گیا۔

"مگر اس کے بعد یہ سارے واقعات اپنی سچائی کے ساتھ اور جھوٹ سچ کے پلندوں کے ساتھ ہر نیوز چینل کی پٹی کا حصہ بن جائیں گے۔ اخبارات کی شہ سرخی۔ ڈھیر ساری این جی اوز جو ایسے معاملات کی تاک میں رہتی ہیں کہ اپنا کاروبار چمکا سکیں۔ سو کالڈ ویمنز ایشوز کو لے کر فنڈ ریزنگ کرتی ہیں۔ وہ ناکوں چنے چبوا دیں گی۔ بڑے بڑے نیوز چینلز کی اولی وہنز سایہ بن جائے گی۔ دن میں سورج کا سایہ' رات میں بلبوں کے سہارے۔ ایسی بدحالی پڑے گی میاں صاحبزادے کہ باقی کی زندگی میں روشنی سے نفرت کرنے لگیں گے آپ۔"

وکیل صاحب کا بے تاثر لہجہ شکیل کو مخاطب کر کے طنز سے بھرپور ہوگیا۔

وکیل صاحب جملہ مکمل کر کے بالکل خاموش ہوگئے۔ سب کو سانپ سونگھ گیا۔ وکیل کی منظر کشی نے دل کو دہلا دیا تھا۔

"تم چپ کرو شکیل!" مشاہد تاج ہی سب سے پہلے ہولناک تصور سے ابھرے اور شکیل کو بری طرح سے جھڑکا۔ "اب ایک لفظ نہ بولنا۔"

"وکیل صاحب!" وہ بولے۔ "آپ درست فرماتے ہیں۔ اسی لیے تو آپ کے پاس آئے ہیں سب صورت حال آپ کو بتادی ہے۔ اب آپ بتائیں۔"

"تو پھر آپ کے لیے سب سے آسان جلد نتیجہ دینے والا سب سے بہترین اور آزمودہ مشورہ یہ ہے کہ آپ لڑکی کو منائیں کہ وہ جج کے سامنے آپ کے حق میں بیان دے دے۔"

"یعنی۔" ساجد تاج نے وکیل صاحب کو درمیان ہی میں ٹوک کر اپنا بے تابانہ یعنی۔ ٹھوک دیا۔

"یعنی یہ کہ۔ وہ جج سے کہے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی اور میں اپنے والد ہی کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔"

"تو اس سے کیا ہوگا؟" اس بار عجلت کا مظاہرہ مجاہد تاج نے کیا تھا۔

"اس سے یہ ہوگا کہ فیصلہ آپ کے حق میں ہوگا لڑکی آپ کے ہمراہ جائے گی۔ اور لڑکا مجرم ٹھہرے گا' اغوا کا' زبردستی نکاح کا' زنا بالجبر کا۔ بس اہم یہ ہے کہ لڑکی شرمندہ ہو اور آپ کے کہنے پر چلے۔ لڑکی ہی۔"

"وہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ اس کی اتنی جرات کہ وہ جج کے سامنے۔" مجاہد تاج نے ٹیبل پر اتنی زور سے ہاتھ مارا کہ اس پر پڑی ہر شے جھنجھنا اٹھی۔ وکیل صاحب نے بغور سے مجاہد تاج کو دیکھا۔

"میرا مطلب ہے کہ۔" مجاہد تاج کے چہرے پر خجالت پھیلی۔

"میں آپ کے سب مطلب سمجھ رہا ہوں تاج صاحب۔" وکیل صاحب کے چہرے پر ناقابل فہم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ کہنا چاہتے ہیں اور کرنا چاہتے ہوں گے کہ زور زبردستی۔ ڈر خوف' دھونس اور تشدد کے ذریعے لڑکی کو اپنی پسند کا بیان دلوانے پر مجبور کریں گے۔"

"لیکن۔" وکیل نے شعوری توقف کیا۔

"ایک بات کان کھول کر سن لیں۔ مار کٹائی' تشدد' ڈانٹ پھٹکار' گالم گلوچ۔ یہ سب نہیں چلے گا۔" سب بری طرح چونکے اور منہ کھول کر دیکھنے لگے۔

"صرف اور صرف۔ پیار' محبت' لگاوٹ کا مظاہرہ من پسند بیان دلوائے گا۔ آپ کا تشدد جارحانہ رویہ اسے مزید باغی کردے گا اور جو رابطہ ہے وہ بھی ٹوٹ جائے گی۔ اسے یقین دلائیں کہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی اسے وہ سب دیا جائے گا زندگی میں جو وہ چاہتی ہے۔ مگر اس راہ میں کانٹے ہیں اور سراسر بے عزتی۔ اور اس رویے میں سب شامل ہوں گے۔" (شکیل کو بغور دیکھا تھا)

وکیل صاحب نے دستی گھڑی کو دیکھا۔ ضرورت سے زیادہ ٹائم دے دیا گیا تھا۔

"اب اصل صورت حال کچھ یوں ہے کہ۔" وہ فائل نوٹس دینے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

عدالت میں پیشی کے لیے اتنے دن نہیں تھے۔ مگر دو سرکاری چھٹیوں کے ساتھ اتوار مل گیا۔ اور اگلے روز گیس اور بجلی کی بے حد لوڈ شیڈنگ کے خلاف احتجاج بگڑ کر خطرناک صورت حال اختیار کر گیا کہ پولیس کی مداخلت کے بعد آدھا شہر تین دن کے لیے بالکل ہی بند ہوگیا۔

سو اگلی پیشی تک کے لیے اللہ کی طرف سے جیسے وقت مل گیا۔ تاباں مجاہد کو پچکارنے سمجھانے کے لیے۔

کہاں تو وہ اکیلی بیٹھی زخم چاٹ رہی تھی۔ اور منہ میں کھیل بھی اڑ کر نہ گئی تھی۔ وہ اسی خون آلود' بدبودار ملگجے لباس میں تھی۔ سسکتی' تڑپتی' دم توڑتی۔ اور اب ضوفی نے مرہم پٹی بھی کروی اور سنکائی بھی۔ اس کے پپڑی زدہ ہونٹوں سے آہ بھی نہ نکلتی تھی۔ ماجدہ بمشکل سوپ کا چمچ ہونٹوں سے لگا پائی۔ گھونٹ گھونٹ زندگی۔ بہت چاہ سے خریدا جانے والا موٹے بٹنوں والا اوپن شرٹ سوٹ۔ زاہدہ نے جیسے اسے خود ہی نہلایا ہو۔ اس کے جسم میں ذرہ بھر بھی سکت نہیں تھی۔

بہت عرصے بعد تائی جی نے اس سے پہلے کی طرح لاڈ کیا۔ وہ ہمیشہ ان کی گود میں سر رکھ کر زبردستی لاڈ اٹھوایا کرتی تھی۔ وہ لاکھ چیختیں۔ ارے میری بوڑھی ہڈیوں میں گودی لینے کا دم نہیں۔ ارے من بھر کا تربوز (سر) ناتواں ٹانگوں پر رکھ کر بیٹھ جاتی ہے۔ اب اسے خود ہی لے کر کانوں میں کچھ نہ کچھ پھونکتی رہتیں۔

"صحرا میں بھٹک جانے والے کی چھاگل میں جو دو گھونٹ پانی ہوتا ہے نا۔ اگر ریت پر جا گرے تو کیسے سیکنڈ سے کم وقت میں غائب ہوجاتا ہے کہ نشان تک نہیں رہتا کہ ادھر کبھی پانی گرا تھا۔

باپ کی عزت بھی اس دو گھونٹ پانی کی طرح ہوتی ہے۔ جسے بیٹیاں ہی سنبھال کر رکھتی ہیں۔ تو نے کیوں ہاتھ ڈھیلے کردیے۔ لیکن ابھی تو صرف چھاگل کا منہ ہی کھلا ہے۔ پانی گرنے نہ دینا بچی۔ سب تیرے اختیار میں ہے۔ ہوجاتی ہے غلطی۔ شیطان سے بھی ہوئی تھی۔ مگر وہ شرمسار ہونے کے بجائے ہٹ دھرمی سے

ڈنا رہا تو مردود ملعون کہلایا۔ کوئی بات نہیں۔ ہوجاتی ہے غلطی اور پھر تو تو ہے بھی اتنی معصوم' آگئی باتوں میں۔ مگر دیکھ۔ اب جو باپ کہے وہی کرنا۔"

"خاندان کی عزت اور بہن بھائیوں کا مستقبل داؤ پر لگ جائے گا تاباں! اور۔ اور تیری جان۔ اور میں نے تو ہمیشہ اپنی اولاد کے جان و مال کی حفاظت مانگی ہے تاباں۔! مجھے اپنی اولاد کی زندگی بھی پیاری ہے اور عزت بھی۔"

زاہدہ پہلے بھی لمبی بات نہیں کرتی تھیں۔ اب تو چند جملوں کو ترتیب دینا بھی جوکھم لگتا۔

"جو مرضی ہو گیا ہو مگر چچا کہہ رہے تھے۔ بہرحال شکیل اور تاباں کا کوئی جوڑ نہیں بنتا۔ وہ بہت دیکھ بھال کر تاباں کا رشتہ کریں گے۔" ماڈہ نے مجاہد تاج کی نئی سوچ سے آگاہ کیا۔

"ہاں اور ابو بھی کہہ رہے تھے کہ چاچی جی کا رویہ درست نہیں ہے۔ انہیں ہمیشہ ہی کی پرخاش ہے تاباں سے۔ تو پھر ان ہی کی بہو کیسے بنادیں۔" ماجدہ کے پاس بھی لیٹسٹ اپ ڈیٹ تھیں۔

راشدہ باجی۔ اور نازاں' افشاں بھی بلالی گئی تھیں۔ شادی کی تیاریوں کا بہانہ کام آگیا۔ سب سمجھا رہے تھے کبھی محبت یاد دلاتے' کبھی دنیا سے ڈراتے' کبھی عزت کا خوف۔

مشاہد تایا خود ان کے کمرے میں آئے (تاباں کو اس کے پرانے کمرے میں شفٹ کردیا گیا تھا) وہ نقاہت زدہ۔ پیلی پھٹک بے حد خالی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ تائی جی نے خود ہی دوپٹہ سر پر دے کر کانوں کے پیچھے اڑس کر اسے مودب کر کے تکیوں کے سہارے بٹھادیا۔ اسے خاموش رہنے اور سب سننے کی تلقین کی۔ سمجھنے اور مان لینے کی تادیب کے ہمراہ۔

تایا جی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر گال پر تھپتھپایا۔ وہ بہت کچھ بولتے جارہے تھے۔ نکلتے وقت اس کا شانہ تھپکا۔ وہ سب سن رہی تھی اور کسی بھی سوچ کے بغیر اثبات میں سرہلاتی تھی۔

سب خواتین ایسے میں کمرے کے اندر آجاتی تھیں اور بہت خوف زدہ متوقع نگاہوں سے اسے دیکھتی تھیں۔ تایا جی کے بعض جملوں پر اس کی آنکھیں پھٹپٹانے لگتی تھیں۔

ایک اچھی امید افزا ملاقات۔ سب کو سب اچھا ہوتا نظر آنے لگا۔

"دھلواؤ میرے ہاتھ۔ اس (گالیاں) کو ہاتھ لگا کر آیا ہوں۔" باہر نکلتے ہی مشاہد تایا کی بے حد بھینچی مگر کراہت سے بھرپور آواز سب کے چودہ طبق روشن کر گئی۔

کھلے چہرے سہم گئے۔ پتا نہیں کیا ہونے والا تھا اور پتا نہیں تاباں نے نرم لہجے میں شہد جیسے میٹھے جملوں کو سن کر کیا سوچا تھا اور پتا نہیں۔ اگر اس نے تایا جی کی ہاتھ دھلوانے کی فرمائش سن لی تھی تو کیا سمجھا تھا۔

سب اس کا چہرہ کھوجتی تھیں۔ وہ سنہری تھی سونے کی طرح دمکتی تھی۔ اب پیلی دکھتی۔ پیتل کی طرح سیاہی کی جانب مائل۔ سونا اور پیتل۔ دونوں پیلے ہی کہلاتے ہیں مگر۔ نصیب کے تنے سے فرق ہے۔

تاباں مجاہد بہت سہج سہج قدم اٹھا کر ڈائننگ ٹیبل پر بھی آگئی۔

"تاباں! رائتے کا ڈونگا دو۔" مجاہد تاج بہت تیزی میں کھانا کھارہے تھے۔ انہیں کہیں جانے کی جلدی تھی۔ بڑی عجلت میں تاباں کو پکارا تھا جیسے سب کچھ پہلے کی طرح ہوگیا۔ یا کبھی خراب تھا ہی نہیں۔

اس نے ڈونگا بڑھادیا۔ مجاہد تاج نے اسے بہت سارے نوٹ پکڑادیے۔ "ذرا حالات بہتر ہوجائیں شہر کے۔ اپنی پسند کی چیزیں ــــ اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ اور اگر مزید کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتا دینا۔"

تاباں کچھ نہ بولی۔ اس نے مٹھی بند کرلی تھی۔

"کیرم بورڈ کھیلنے کے بارے میں کیا خیال ہے ؟"

کاشان کی آواز پر وہ بری طرح چونکی۔

کتنے دنوں بعد کاشان نے اسے مخاطب کیا تھا۔ تاباں مجاہد کے دل میں کیا چل رہا تھا۔ نفرت' محبت' بیزاری' کبھی ظاہر نہ ہوئی۔ جبراً" واپسی کے بعد سے اب تک اس نے جیسے بولنا چھوڑ دیا تھا۔ گھر والوں نے

اسے باقی گھر سے کاٹ کر الگ کردیا تھا۔

لیکن اس سب کشمکش کے بیچ بے دھیانی کے اس عالم میں بھی کاشان مجاہد اس کا دھیان تھا۔ اس کا ننھا پیارا بھائی۔ جسے زاہدہ نے صرف جنم دیا تھا۔ وہ چاروں بہنوں سے بہت چھوٹا تھا۔ زاہدہ صرف نام کی امی تھیں ویسے وہ چار ماؤں کا بیٹا تھا۔ جن میں اماں نمبر ون تاباں مجاہد تھی۔

اتنے دنوں سے اپنی سوچوں میں گم تاباں مجاہد کئی بار کاشان مجاہد کی آواز پر چونکی تھی۔ جب وہ اسکول جاتے وقت بلاوجہ کی ضد بحث کرتا' جب اونچی آواز میں کھانے پینے پر ضد کرتا۔ جب ضوفی اسے ہوم ورک کروانے کے لیے پکارتی' جب وہ صدا لگاتا۔

"کھیلنے جارہا ہوں۔"

تب تاباں کا دل مچلنے لگتا کہ وہ اس کے پیچھے جائے۔ اسے جی بھر کے تنگ کرے اور وہ زچ ہو کر پیر پٹخے تب وہ اس کے نرم گالوں کے چٹاچٹ بوسے لے' اس کی سنہری آنکھوں پر ہونٹ رکھ دے اور ناک کو شہادت کی انگلی سے چھو کر اسے چھیڑے۔

مگر کاشان مجاہد کا اس سے ملنا بند کروایا گیا تھا۔

اور اس وقت کیرم کھیلنے کی فرمائش۔ اس کے چہرے پر بہت دنوں بعد ایک سچی مسکان آرکی۔ وہی۔ ویسی ہی جگمگاہٹ جیسے کہ تاباں مجاہد مسکرایا کرتی تھی۔

"ہاں۔ آں۔ ہاہ اچھا خیال ہے مگر پہلے تم میرے سامنے تو آؤ۔ میرے پاس تو بیٹھو۔ اتنے دن سے کیوں نہ آئے؟"

"وہ۔ ابا نے منع کردیا تھا ناں۔ اور سب نے کہا تھا۔ آپ نے بہت بڑی غلطی کی ہے تو آپ کو سزا مل رہی تھی۔ اور پھر آپ کہیں چلی بھی گئی تھیں۔ آپ کو میں یاد نہ آیا۔"

"صرف تم ہی یاد آئے۔" تاباں نے سلکی بال سنوارے۔

"اور آپ نے کہا تھا کہ سب سے زیادہ پیار بھی مجھ سے ہی کرتی ہیں۔"

"اب بھی کرتی ہوں۔" اس نے اس کے کان کی لو کو چھوا۔ تو اس نے گدگدی کے احساس سے شانہ اچکایا۔ "اوں ہوں۔"

"اب تو خود تایا ابا نے بھیجا ہے۔ کہنے لگے۔ باہر مت جاؤ۔ اپنی تاباں آپی کے ساتھ گھر ہی میں کھیل لو۔" وہ گوٹیوں کا ڈبا کھول کر اندر جھانکتے ہوئے بولا۔

تاباں کے منہ سے "اچھا" نکلا اس کی نگاہیں کاشان کے سر پر جمی تھیں۔ اس کے بالوں کی ساخت اور رنگ ہو بہو تاباں کے جیسا تھا۔ جیسے تاباں کے بال کاٹ کر کاشان کے سر پر چپکا دیے ہوں۔

"تایا جی کہہ رہے تھے۔ اسے احساس ہونا چاہیے وہ کن چیزوں کو کھودے گی۔ پتا نہیں وہ کس کی بات کررہے تھے۔" کاشان گوٹیوں کو لے جارہا تھا۔ تاباں کو پتا لگ رہا تھا وہ کن چیزوں کی بات کررہے تھے۔ اس کے دل کو کچلے جانے کا احساس ہوا۔

"پہلی دام میری۔" کاشان نے اسٹرائیکر کو ہاتھوں میں تولا۔ تاباں نے سرہلایا۔

کاشان نے بہت حساب کتاب سے نشانہ باندھا تھا۔ مگر گوٹ لینی تو کیا وہ گوٹیوں کو ہلا بھی نہ سکا۔ کاشان کے چہرے پر پھیلی جانے والی خفگی' مایوسی' اس کے چہرے کو بے حد معصوم بنا رہی تھی۔ اس عالم میں وہ تاباں کے دل کے اندر گھس رہا تھا۔ اس نے بالکل غلط نشانہ باندھا لیکن یہ کیا۔ گوٹیاں تتر بتر ہوگئیں۔ اور کوئن ہول میں جاچکی تھی۔

"آں ــــ!" ہاتھ ہونٹوں پر ٹھہر گیا۔ کاشان رونے والا ہوگیا۔

"کوئی پہلی ہی دام پر کوئن جیتتا ہے بھلا۔" اس کے شکوے میں مان تھا۔ جیسے اسے تاباں سے ایسی امید نہ ہو۔

"ہم دوبارہ گیم شروع کریں گے۔" اس نے دوبارہ گوٹیوں کا دلفریب لیول ترتیب شروع کردیا تھا۔ کاشان کا چہرہ کھل گیا۔

"بہت دنوں بعد کھیل رہے ہیں ناں اس لیے یہ بے اصولی کررہی ہوں اور جہاں تک پہلی دام پر کوئن

جیتنے کی بات ہے تو۔

"اگر میدان مارنا چاہتے ہو ناں تو پہلی دام پر ہی آخری داؤ کھیل جاؤ۔
قسمت بار بار موقع نہیں دیتی۔"

کاشان نے سر ہلایا' وہ بورڈ پر پاؤڈر چھڑک رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ ساری شام اور پھر رات گئے تک کاشان اس کے ساتھ رہا۔

تائی جی اسے گھر کے بڑے اسٹور نما کمرے میں لے کر جانا چاہتی تھیں۔ جہاں مائدہ و ماجدہ کے جہیز کا سامان اکٹھا کیا گیا تھا۔ تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔

تائی جی اسے ہر ہر ڈبہ کھول کر دکھا رہی تھیں۔ مائدہ ماجدہ موجود تھیں ہی پھر زاہدہ اور ضوفی بھی آگئیں۔ سب بڑھ چڑھ کر بول رہی تھیں۔ جیسے یہی سب سے بڑا اور اہم کام ہو اور تاباں کی رائے مسلّم۔

مگر درحقیقت وہ سب تاباں کو جانچ رہی تھیں جو بہت خاموشی سے دیکھتے دیکھتے اب بھرے تک آگئی تھی۔ یہاں تک اس نے یہ بھی بتانا شروع کر دیا کہ کیا کیا چیز کم ہے یا ایسے نہیں ایسے۔

مگر اس کے دل و دماغ میں کیا چل رہا ہے پتا نہیں چل رہا تھا۔ وہ بہت کمزور اور پیلی دکھائی دیتی تھی۔ بے رنگ' اس کے لہجے کی کھنک اور بے نیازی غائب تھی۔ مگر ضوفی کو وہ قطعاً "ڈری جھجکی دکھائی نہ دی۔

جبکہ ضوفی کے خیال میں اسے سب کچھ نظر آنا چاہیے تھا مگر پرسکون ہرگز نہیں۔ اچھی طرح جانتی تھی۔ اس کے دل میں کیا پل رہا ہے۔ یہ بھی پتا نہیں چلنے دیتی تھی۔ مگر جب کوئی ایسے کٹھن حالات میں پڑا ہو تو۔ کچھ شائبہ۔ کوئی لکیر۔ کوئی بدرنگا سا رنگ تو چہرے پر نمودار ہو ہی جاتا ہے مگر اتنا نارمل سا۔ فریش چہرہ۔

☼ ☼ ☼
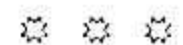
اتنے کم وقت میں تاباں مجاہد کو سمجھانا دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔

سب نے اپنے اپنے داؤ کھیلے تھے۔ اسے دنیا دکھائی تھی اور دین بتایا تھا۔

اسے وہ محبت بھی یاد کروائی تھی جو سب اس سے کرتے تھے اور جو وہ ان سب سے کرتی تھی۔

اسے بہن بھائیوں کا مستقبل یاد دلایا گیا۔ ڈھکے چھپے الفاظ میں اس سے معذرت بھی کی گئی کہ جو سلوک (ناروا) اس کے ساتھ روا رکھا گیا۔ وہ اشتعال کے باعث تھا ورنہ بیٹیوں کو پھول کی چھڑی سے بھی چھونے کا خیال نہیں آیا تھا۔

وہ سر جھکا کر سب کو سن رہی تھی (جھکا سر شرمساری کے باعث تھا شاید۔) اسے اس کی غلطی کا احساس کروانے کے لیے کتنی مثالیں دی گئیں تھیں۔) سب اپنی اپنی باری پر بولتے جاتے تھے اور وہ ہونٹ کچلتی' خاموش تھی۔ اسے بولنے کے لیے نہیں بلوایا گیا تھا۔ اسے سننے سمجھنے اور عمل کرنے کے لیے بلوایا گیا تھا۔

نسلوں کی عزت اب اس کے ہاتھ میں تھی۔ تایا جی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ (دھلواؤ میرے ہاتھ اس (گالی) کو ہاتھ لگا کر آ رہا ہوں)۔

"چار بیٹیوں کا باپ تھا۔ مگر تمہیں تاباں! سب سے الگ رکھا۔" ابا کا دست شفقت اس کے سر پر تھا۔

(اسے گدی سے بالوں کے کھینچنے کا شدت سے احساس ہو رہا تھا درد انتہا کا)

"نہیں' آپ لوگ پریشان نہ ہوں اور نہ میری بیٹی کو تنگ کریں۔" تائی جی نے اس کے گال پر انگلیاں پھیریں اور دوپٹا درست کیا۔

(اس کے گالوں کے زخم جلنے لگے)

"خدا کا لاکھ شکر کرنا چاہیے کہ اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود منڈیر کے آب خورے سے پانی پینے کے لیے آئی چڑیاں بھی لاعلم رہیں کہ۔۔۔" جمیل بھائی نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"آگے بھی ہم سب سنبھال لیں گے۔ تم بس ہدایات کو یاد رکھنا۔" جمیل بھائی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ سب نے تائیدا" سر ہلائے۔

(تاباں کی پسلیاں اور کولہے کا گوشت بہت اندر تک درد کرنے لگا۔ شاید گوشت پھٹ گیا تھا)

"میرا خیال ہے ہماری بیٹی سب سمجھ گئی ہے۔ بس بہت ہو گیا۔ ناسمجھ اور کم عمر ہے۔ اسے پتا نہیں لگا کہ کیا کر آئی مگر۔۔۔ خیر بچے غلطیاں کر ہی دیتے ہیں ہم بڑوں ہی کا کام ہے کہ انہیں معاف کریں۔ کیوں بیٹا۔۔۔ پھر سب کچھ کلیئر ہے تاکہ کل تمہیں جج صاحب کے سامنے کیا کہنا ہے۔ گھبرانا نہیں ہم سب تمہارے ساتھ ہی ہوں گے۔"

مشاہد تایا نے نشست برخاست کرتے ہوئے کہا۔

تاباں نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ذرا سی بھی غلطی سب کیے کرائے پر پانی پھیر دے گی۔ من مانی مت کرنا' اپنی طرف سے جملے جوڑنا جو بڑوں نے کہا ہے تا بس وہی سب۔۔۔" چاچی جی کے مصنوعی نرم لہجے میں تضحیک کا عنصر اب بھی نمایاں تھا۔

"صحیح کہہ رہی ہیں چاچی تمہاری۔" زاہدہ نے کہا۔ "ہم سب تم سے محبت کرتے ہیں تاباں! ہم سب سے بڑھ کر تمہارا اور کوئی ہمدرد نہیں ہو سکتا بیٹی۔۔۔"

تاباں نے پہلی بار نگاہ اٹھا کر ان کو دیکھا۔

(میں تم سے اتنی محبت کرنے لگا ہوں کہ حیران ہوں۔ یار! کہتے ہیں۔۔۔ کوئی شے دسترس سے دور ہو تو بہت پرکشش لگتی ہے' مگر جب پالیں تو دھیرے دھیرے اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر تم تو سونا لگتی ہو' ہر صبح اٹھتا ہوں تو ریٹ بڑھ جاتا ہے پہلو سے لگی ہوئی ہو' مگر دسترس سے دور۔ ایسے وہم میں کیسے جیوں۔۔۔ اجازت ہو تو چھو کر دیکھ لوں۔۔۔؟)

"مجھے سب سمجھ میں آگیا امی۔۔۔ مجھے سب یاد ہے۔۔۔ میں نے واقعی غلطی کی۔" اس نے توقف کیا۔ "مگر اب میں اور غلطی نہیں کروں گی۔"

سب کے لیے یہ اعتراف طمانیت بخش تھا۔ سب نے پرسکون سانسیں لی تھیں۔

تاباں مجاہد کے چہرے کی سوچ۔۔۔ شرمندگی۔ لہجے کا ٹوٹا پن۔ اعتراف اور آنکھ کی نمی سب کل کی جیت کی چغلی کھاتی تھیں۔

بڑے دنوں بعد ایک ایسی رات آئی تھی جب تاج ہاؤس کے مکین بڑے اطمینان سے بستر نشین ہوئے تھے۔

☼ ☼ ☼

قصوروار اور بے قصور۔۔۔ پولیس وینز اور پولیس والے۔۔۔ کالے کوٹوں میں ملبوس مرد و زن۔۔۔ چھوٹے چھوٹے گروہوں میں کھڑے لوگ کاغذات کی جانچ اور پڑتال کرتے ہوئے کریہہ صورت والے خرانٹ مجرم۔۔۔ جن کے چہروں پر نگاہ ڈالنے سے خوف آتا تھا۔

پژمردگی کی تصویر بنے بے بس مظلوم ہتھکڑیوں کی جھنکار۔۔۔ بعض کی پنڈلیوں پر بیڑی کے کڑے نے زخم بنا دیے تھے اور وہ ان سے بے نیاز بمشکل قدم اٹھائے چلتے تھے۔

وہ سر تاپا برقعے میں ڈھکی ہوئی تھی۔

اور ماحول کے باعث سہمی سہمی سی چلتی تھی۔

اسے لگ رہا تھا سب اسے دیکھ رہے ہیں (جبکہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا تھا) عدالتوں میں قیامت کا عالم ہوتا ہے۔

گھر کے سب ہی کرتا دھرتا ہمراہ آئے تھے مگر الگ الگ۔۔۔ کوئی پہلے نکلا اور کوئی بعد میں پہنچا' وہ مجاہد تاج اور وکیل صاحب کے ہمراہ تھی۔ عقیل ان سے بہت پیچھے تھا۔ دیکھنے والے کو پہلا تاثر یوں ملتا کہ تاباں مجاہد وکیل صاحب کے ہمراہ ہے اور مجاہد تاج ساتھ ہوتے ہوئے بھی ذرا دور ہٹ کر چلتے تھے اس۔۔۔ فاصلہ میں شعوری و لاشعوری دونوں عنصر شامل تھے۔

تاباں وکیل صاحب کی تیز تیز چلتی زبان کو دیکھ رہی تھی مگر سمجھ نہیں رہی تھی وکیل صاحب بہت بااعتماد تھے۔ وہ کسی رٹو طوطے کی طرح ہزار بار کی گئی باتیں دہرا رہے تھے۔ "آپ سمجھ رہی ہو نا؟"

اور تاباں ہر بار سر ہلا دیتی تھی۔

بہت دور ساجد چاچا ہمراہ شکیل تھے۔ گاڑی کے بند شیشوں کے پیچھے مشاہد تاج اور جمیل تھے۔ وہ اخبار بینی کر رہے تھے۔

اسے فقط وکیل صاحب کی بتائی ہدایات کو یاد کرکے عمل کرنا تھا۔

وہ اپنی باری کے انتظار میں ایک ایسے گوشے میں بینچ پر بیٹھی تھی جہاں کم ہی لوگوں کی نگاہ جاتی۔ مگر وہ سب کو دیکھ رہی تھی۔ ہر انسان عجلت میں دکھائی دیتا سوچوں کے خلفشار میں مبتلا حسرت و امید کے بیچ ڈولتا۔

اسے اندر بڑھتا دیکھ کر تاج ہاؤس کے تمام مرد ذرا سا آگے بڑھے تھے سب ایک دوسرے سے بہت دور تھے۔ اجنبی سے بن کر مگر سب نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو تسلی دی تھی۔

ان سب کو وکیل صاحب پر اعتماد تھا اور کسی قسم کی پریشانی نہیں تھی۔ ہاں مگر ایک خوف جو سب پر حاوی تھا کہ۔۔۔ کہیں وہ سب دیکھ نہ لیے جائیں اور پہچانے نہ جائیں۔ آج کے دن عزرائیل نظر آجائے تو آجائے مگر کوئی شناسا نہ ملے۔

مگر تب ہی مجاہد تاج کی نگاہ ایک شخص پر پڑی اور وہ شناسا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو پہچانتے تھے۔

مجاہد تاج کی رگوں میں خون کی جگہ کھولتا ہوا تیل دوڑنے لگا وہ جاذب سلطان تھا۔

انہوں نے اسے چھ ماہ بعد دیکھا تھا۔ وہ اس شخص کو دیکھنے سے پہلے اپنے ہاتھوں اپنی آنکھوں کو پھوڑ ڈالنا پسند کرتے۔ مگر اس وقت یک ٹک اسے دیکھے جا رہے تھے جس نے اک سرسری نگاہ کے بعد دوبارہ دیکھنا پسند نہیں کیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا وکیل تھا اور چند اور لوگ جو اندر کمرے میں بڑھنے سے پہلے جاذب سلطان سے کچھ سن رہے تھے۔

جاذب سلطان کی طمانیت نے مجاہد تاج کو جیسے برہنہ حالت میں کیلوں کے بستر پر ڈال دیا تھا۔

چھ ماہ پہلے جب وہ ان کے گھر آیا تھا تو پہلی نگاہ میں وہ انہیں بے حد اچھا لگا۔ بہت معصوم و کم عمر۔۔۔ سادہ۔۔۔

دوسری بار کالج کے سامنے ان کی نگاہ حیرت میں ڈوبنے کے باعث کچھ اور دیکھنے جانچنے کے لیے ابھر نہ سکی اور تیسری بار جب وہ بازار سے باہر کھڑا تھا' تب وہ غصے اور انتقام میں جل رہے تھے اندھے ہو رہے تھے۔

مگر اپنی تمام تر نفرت و اشتعال کے باوجود وہ جب جب یادداشت کے پردے پر ابھرا۔

بہت کم عمر۔۔۔ معصوم۔۔۔ کم فہم۔۔۔ اور بے بس لگا تھا' اتنا کہ وہ اسے کسی گنتی میں ہی نہ لاتے تھے مگر آج۔۔۔

وہ بے حد سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ بہت باوقار' بااعتماد' اپنی عمر سے بہت بڑا۔ وہ بہت بہادر بھی محسوس ہو رہا تھا۔ بے فکر۔۔۔ بے خوف۔۔۔ اس کی طمانیت اور خود اعتمادی کو ظاہر کرنے کے لیے مجاہد تاج کو کوئی لفظ موزوں نہیں لگ رہا تھا۔ بے پروا۔۔۔

وہ سیاہ پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔ سیاہ گاگلز۔ سلیقے سے جمے بال' سیاہ نئے نوک والے جوتے۔ وہ سلور گرے بڑی گاڑی سے ٹیک لگائے یوں کھڑا تھا کہ بس دو چار منٹ میں فراغت پائے اور نکل جائے۔ اس کی شیو سیون او کلاک تھی اور اس کے وجود سے اٹھتی تازگی گردوپیش پر بھی اثر انداز ہو رہی تھی۔

وہ ایک بھرپور مرد دکھائی دیتا تھا۔ مردانہ وجاہت کا شاہکار ہر کس و ناکس کو ایک بار پلٹنے پر مجبور کر رہا تھا۔

اس نے ایک پہلی نگاہ کے بعد دوبارہ انہیں نہیں دیکھا تھا۔ وہ عدالت کے اس کمرے کو دیکھ رہا تھا جہاں وکیل گئے تھے جبکہ مجاہد تاج شدید نفرت کے باوجود اس کو دیکھے جا رہے تھے۔

تاباں عدالت کے کمرے سے بہت دور ایک گوشے سے نکل کر جب کمرے کے دروازے پر پہنچی تو وکیل صاحب نے مجاہد تاج اور اردگرد پھیلے لوگوں کو دیکھ کر وکٹری کا نشان بنایا تھا۔ تاباں نے مجاہد تاج کے تشفی کے لیے اٹھے ہاتھ کو بغور دیکھ کر سر جھکایا تھا۔ اسے تمام سبق ازبر تھے اسے تمام واقعات و حالات بھی یاد تھے۔ وہ جانتی تھی اب غلطی کی گنجائش نہیں۔۔۔

وہ وکیل صاحب کی پکار پر جب گھومی تب ہی اس

نے سامنے اس شخص کو دیکھ لیا جو اسے ہمیشہ خیالی دنیا میں رہنے والا لگا تھا۔ اس نے کبھی اس کی باتوں پر یقین نہیں کیا باوجود اس کے کہ وہ باتیں دل کی دنیا کو تہہ و بالا کردیتی تھیں۔

اس نے اس سے کہا تھا۔

"وہ بے حد حقیقت پسند عملی لڑکی ہے اور ایسے خوابوں خیالوں کی باتوں پر یقین نہیں کرتی۔"

"میرے خوابوں کو برا نہ کہنا۔۔۔ نہ خیال کی توہین کرنا۔ آنکھ بند کرکے من پسند خواب دیکھوں گا تو تب ہی تو جاگ کر تعبیر ڈھونڈنے کے لیے تدبیر کروں گا۔

اور جہاں تک حقیقت اور عمل کی بات ہے۔ اللہ نہ کرے کہ آزمائش آئے۔

میرے جیسا شخص جو اپنے خواب کی اتنی حفاظت کرتا ہے وہ تعبیر کو اتنی آسانی سے لٹنے نہیں دے گا۔ بے وقوف لڑکی۔۔۔!"

اور اس کی یہ بات تاباں مجاہد کے دل میں کھب گئی تھی۔ اس نے یقین کرلیا تھا۔ جاذب سلطان کی جذبے لٹاتی آنکھیں گاگلز کے پیچھے تھیں مگر اس نے تاباں کا رکنا اور دیکھنا محسوس کرلیا تھا۔ اس نے فقط اپنے بازو سینے پر لپیٹے تھے اور ٹانگوں کو قینچی کرلیا تھا یہ اس کی طمانیت کا واضح اشارا تھا۔

تاباں نے دوسری نگاہ نہیں ڈالی۔ وہ تیزی سے اندر بڑھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

تیزی سے اندر بڑھتے رضوان (نازاں کا شوہر) نے مجاہد تاج کو دیکھا تھا وہ ذرا سا ٹھٹھکا۔ ان کے ہاتھ میں ایک فائل تھی اور اخبار۔۔۔

کاروباری حوالے سے عدالتوں کے چکر لگ ہی جاتے تھے 'یقیناً" مجاہد تاج ایسے ہی کسی معاملے میں آج یہاں ہوں گے خود وہ اپنے محلے کے ایک جھگڑے جو بڑھ کر زندگی موت کا معاملہ بن چکا تھا کے تصفیے کے چکر میں اہل محلہ کا سرغنہ بن کر آیا ہوا تھا ذرا رک کر وہ تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گیا۔ (اب کون رک کر سلام دعا کرتا پھرے۔ وہ داماد کے درجے کو اچھی طرح سے استعمال کرنا جانتا تھا)

ہاں اگر وہ دیکھ کر مخاطب کرلیں گے تو خوب جھک کر سلام بھی ہوگا اور دیگر کا تعارف بھی۔ فیصلے کے بعد وہ آگے بڑھا' تب ہی بے چینی سے سگریٹ پھونکتے ساجد تاج کو دیکھا۔ وہ ٹہل رہے تھے اور چہرہ بے چینی اور گھبراہٹ کی تصویر تھا۔ ساتھ ہی جمیل و شکیل بھی تھے جو سر جوڑے بڑے رازدارانہ انداز میں ہلکی آواز مگر تیزی سے بول رہے تھے۔

معاملہ گمبھیر معلوم ہوا۔ رضوان نے سوچا ابھی ان کی پیشی میں ذرا وقت ہے پتا کرنا ہی پڑے گا۔ وہ اپنے ساتھ آئے لوگوں کو بتانے لگا کہ 'سسر صاحب نظر آرہے ہیں' ذرا معلوم کرتا ہوں کہ سب خیریت ہے نا؟

☼ ☼ ☼

رضوان جس پارٹی کی جانب تھا فیصلہ اس کے حق میں ہوا۔ وہ تنی گردن اور چوڑے سینے کے ساتھ دو قدم آگے بڑھ کر چلتا تھا۔ جیت کا زعم۔

تب ہی ہلکی سی ہلچل نے سب کو چونکایا' متوجہ ہونے پر مجاہد تاج کے عین سامنے وکیل کھڑا تھا اور کچھ اجنبی چہرے۔ وکیل صاحب کے چہرے پر مایوسی' درشتی' ناگواری کا گہرا عکس تھا۔ وہ اپنے قلم کو جیب میں رکھتے ہوئے اور چشمے کو کیس میں ڈالتے ہوئے خفگی کا اظہار کررہا تھا۔ دوسری جانب مجاہد تاج شدید بے یقینی سے وکیل کو دیکھتے ہوئے جیسے کچھ نہیں سمجھ پارہے تھے۔ وہ اچک اچک کر وکیل کے پیچھے کھڑے لوگوں کو کھوج رہے تھے۔

تاباں مجاہد کہاں تھی؟ انہوں نے وکیل ہی کے ساتھ تو اسے روانہ کیا تھا پھر کہاں رہ گئی؟ کیا کوئی نیا شوشہ۔۔۔

ساری احتیاطی تدابیر بھول کر کونوں کھدروں میں بکھرے تاج ہاؤس کے مکین تیزی سے ان کے نزدیک آنے لگے۔ رضوان ان سب کے اس طرح اکٹھا ہونے اور سرپٹ بھاگنے پر ابھی کھل کر حیران بھی نہ ہوپایا تھا کہ مجاہد تاج کے حلق سے سیٹی کی سی آواز نکلی۔ وہ دل پر ہاتھ رکھے جھکتے جارہے تھے۔ رضوان سب سے نزدیک تھا۔ وہ مجاہد تاج کا پہلا سہارا تھا۔

رضوان کے لیے باعث حیرت تھا کہ سب مجاہد تاج کو سنبھالنے کے بجائے عدالت کے ایک کمرے کے دروازے کی جانب دیکھے جارہے تھے۔ ان کی متلاشی نگاہیں بہت بے قرار تھیں عجلت و بے یقینی۔ سپاہیوں کے جلو میں سرتاپیر برقعے میں ڈھکی لڑکی۔۔۔

وہ سب سلور گرے گاڑی کے قریب جا کھڑے ہوئے تھے۔ سیاہ لباس میں مردانہ وجاہت کا شاہکار وہ لڑکا فون پر کسی سے ہم کلام تھا۔ وہ تیز قدم چل رہا تھا۔ اسے گاڑی کا دروازہ کھولنا تھا۔

"لڑکی عاقل و بالغ ہے اس نے ہمارے عائد کردہ تمام الزامات کو مسترد کرتے ہوئے کہہ دیا کہ اس نے اپنی مرضی سے برضا و رغبت۔۔۔ گواہان کی موجودگی میں تمام لوازمات و شرائط پورا کرتے ہوئے جاذب سلطان سے نکاح کیا ہے اور وہ آئندہ کی زندگی اس کے ساتھ گزارنا چاہتی ہے بلکہ اس نے عدالت سے تحفظ کی درخواست بھی کردی ہے۔

لہٰذا اس سیدھے سیدھے کیس کا فیصلہ لڑکی کے حق میں ہوگیا۔ ہمارا دعوا خارج کردیا گیا بلکہ اگر ان دونوں کو کسی ۔۔۔ بھی قسم کا کوئی نقصان پہنچتا ہے تو عدالت میں ان سب کے لیے پہلے ہی سے تاج فیملی کو نامزد کیا جاچکا ہے۔

میری وکالت و قابلیت اس صورت میں کام آتی جب آپ لوگ لڑکی کو قائل و مائل کرکے لاتے۔"

وکیل نے بہت تیزی سے دریا کو کوزے میں بند کردیا تھا۔

وہ بہت بدمزہ دکھائی دیتا تھا اور کسی حد تک حیران بھی تھا۔ لڑکی بے حد ڈری سہمی دکھائی دیتی تھی۔ وکیل صاحب کو حیرت ہوئی تھی کہ اس نے گھر سے باہر قدم نکالنے سے لے کر نکاح تک کا قدم کیسے اٹھالیا تھا۔

وہ ایک قطعی مختلف لڑکی تھی جو کچھ دیر پہلے جج کے روبرو تھی با اعتماد' قطعیت سے بھرپور' بے خوف' پرسکون اور فیصلہ کن۔

وکیل دامن جھاڑ کر جاسکتا تھا مگر یہ سب جاسکتے تھے؟! اپنی بہت ساری سوچوں سے پرے۔۔۔ جو آج ہوا تھا' وہ تو خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔

غیرت پر تازیانہ بن کر لگتا ایک بے یقین منظر۔۔۔ طلسم میں جکڑا شکیل بیدار ہوا تھا۔ وہ بل فائٹنگ کے سب سے تنومند اور جارح بل کی طرح اس جتھے پر جھپٹا تھا جس میں حیدر سلطان تھے دو یا تین پولیس والے' چند دوسرے لوگ (گواہان) جاذب سلطان اور تاباں جاذب سلطان۔

بل کو اپنی طاقت پر ناز تھا۔ بھروسا تھا۔ وہ ایک ہی ٹکر سے سامنے والوں کو چیر پھاڑ دینے کی صلاحیت رکھتا تھا مگر۔۔۔

پولیس والے تیار تھے۔ بندوق کا ایک بٹ کھا کر وہ مٹی چاٹنے لگا۔ تاباں جاذب نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ شکیل کی اس حرکت نے اس کے "سیکورٹی فراہم کی جائے" والے بیان پر مہر تصدیق کردی تھی۔

عدالتوں میں ایسے تماشے روز مرہ کی بات تھے۔ ہار کا غم اور جیت کا جشن۔ ساری محتاط روی پر پیر لگ گیا۔ سب تہس نہس۔۔۔ عدالتوں میں ایسے ہی ہجوم لگتے اور چھٹتے ہیں۔ کون دے اہمیت۔۔۔ مگر۔۔۔

اسے چونکانے کی عادت تھی۔ وہ اپنا اندر کبھی ظاہر نہ کرتی تھی۔

پتا نہیں اس نے پہلے سے سب طے کر رکھا تھا یا۔۔۔ احاطے میں کھڑے جاذب سلطان کو دیکھ کر فیصلہ بدلا تھا۔

ہاں جاذب سلطان وہ شخص تھا جس کو دیکھ کر فیصلے بدل دیے جائیں۔

قانون توڑ دیا جائے۔ آئین پھاڑ دیا جائے۔۔۔ اور پھر اگر آگے تاباں مجاہد ہو تو۔۔۔

آں۔۔۔ ہاں۔۔۔ تاباں مجاہد نہیں۔۔۔ تاباں جاذب سلطان۔

☼ ☼ ☼

بے حد طمانیت بخش' بے فکر زندگی میں یہ عجیب سی ہلچل ۔۔۔ دن رات کے سکون کو گویا تہ و بالا کر گئی۔ آج وہ دنیا کو خاطر میں نہ لاتی تھی 'مگر دل پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

پہلے دل یقین پر بھی نہیں گھبراتا تھا۔ آج وہم پر بھی کپکپانے کی روش اپنالی۔

اسے اپنی اس کم ہمتی پر خود پر خوب تاؤ آتا مگر کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

وہ کیسے بتائے اور کیسے کہ سامنے کھڑا ہونے والا لڑکا اب اس کے پیچھے بھی آنے لگا ہے۔ اس دن بازار میں کاسمیٹک کی دکان میں ۔۔۔ جبکہ وہ فیملی کے ہمراہ ہی تھی۔ وہ سب بازار میں خوب گھومے تھے۔ بے فکروں کی طرح ۔۔۔ تب ایک بار بھی نظر نہ آیا اور پھر جیسے ہی وہ تنہا ہوئی تو وہ ۔۔۔ سامنے آگیا اور پھر جب وہ اسے کھوجنے لگی تو کہیں نہ ملا۔

اتنی پر سکون زندگی میں ایک بار پھر تلاطم ۔۔۔ (کیا وہ جھیل پائے گی زندگی میں "زندگی" ایک بار ملتی ہے اور موت بھی ایک بار ۔۔۔ اسی طرح زندگی میں اس طرح کا طوفان بھی ایک بار ۔۔۔ ہی کافی ہے۔ بار بار ۔۔۔ نہیں کبھی نہیں ۔۔۔)

سوچوں نے اسے نڈھال کر دیا۔

زندگی میں محبت تھی۔ خوشیاں تھیں۔ آسائش تھی۔ شوہر' اولاد' ہنسی' بے فکری مگر اعصاب میں وہ پہلے سی مضبوطی نہیں رہی تھی کہ سب کچھ جھیل کر بھی ڈٹی رہے۔

☼ ☼ ☼

"مجھ سے اپنے آپ کو چھپالو گی ایسا وہم بھی کیسے پال لیا دل میں ۔۔۔ پریشان لگتی ہو' خوف زدہ بھی' گھبرائی سی ۔۔۔ حالانکہ میں نے تمہیں ہمیشہ یقین دلایا ہے کہ میں تمہارا بھروسا ہوں ۔۔۔ ہم ایک دوسرے کا آئینہ ہیں پھر پردہ پوشی کا کیا مقصد ۔۔۔ یونہی وقت کا ضیاع۔ معمولی نزلہ زکام میں ایسا حال تو نہیں ہوتا۔"

"میں کچھ نہیں چھپارہی۔"

"اوں ہوں ۔۔۔ تم کچھ نہیں بتا رہیں۔" وہ ترنت جواب دے کر کھڑکی کے پٹ کھولنے لگا۔ دھوپ اس وقت بیڈ پر اس طرح پڑتی کہ وہ دھوپ میں نہا جاتی نزلے میں خاصا افاقہ ہوتا۔

"آں ۔۔۔ ایک منٹ کھڑکی مت کھولو ۔۔۔" وہ جو نیم دراز تھی۔ بہت تیزی سے اٹھ بیٹھی۔ اس کے پردے سمیٹتے ہاتھ رک گئے۔ اس نے بے حد اچنبھے سے اس کی عجلت کو دیکھا تھا۔

"مم ۔۔۔ میرا مطلب ہے ہوا ۔۔۔ ہوا بہت ٹھنڈی ہے میرے ۔۔۔ میرے ۔۔۔ سر میں درد ہو جائے گا۔"

"ہوا تو سرد ہے مگر یہ جو دھوپ ۔۔۔" اس نے بیڈ پر آئی دھوپ کی جانب ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"ہاں دھوپ اچھی ہے مگر بس ۔۔۔" وہ تھکے انداز سے بیڈ پر ڈھے گئی آنکھیں موندلیں جیسے اب کچھ نہ بولے گی۔

"ہم بنا کہے نے ایک دوسرے کو جان لیتے ہیں۔ تم بتانا نہیں چاہتیں تو میں پوچھوں گا بھی نہیں مگر بس ۔۔۔" وہ کھڑکی سے باہر تا حد نگاہ دیکھ رہا تھا۔ دھوپ نے نہر کے پانی کو پیلا رنگ دے رکھا تھا' یوں لگتا نہر میں پانی نہیں پگھلا ہوا سونا بہہ رہا ہو۔

"تم پر یہ جو اداسی کی لہر ۔۔۔ خاموشی ۔۔۔ بے کلی چھا جاتی ہے۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ خاص طور پر جب مجھے علم ہو کہ میں کچھ کر نہیں سکتا کہ تم اس سے ابھر سکو۔"

وہ اپنی مجبوری بتا رہا تھا اور اتنا بے بس لگ رہا تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح ایمان لے آئی۔ اس نے اس پر ہمیشہ یقین کیا تھا۔ خود سے بھی زیادہ ۔۔۔ بہت زیادہ ۔۔۔ آنکھ بند کر کے۔

☼ ☼ ☼

ساری دنیا سے کٹ کر رہتے ہوئے الگ بسائی جانے والی اس دنیا میں سکون اور بے فکری تھی۔ ایک

دوسرے میں مگن ۔۔۔ خوشیاں اور غم بس اس گھر کے اندر ۔۔۔ مگر انسان تبدیلی کا خواہش مند رہتا ہے۔

اس کی قنوطیت وہ برداشت نہ کر سکا۔ مری جانے کے لیے ٹکٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے وہ خوش تھا۔ بہت دنوں بعد وہ مسکرائی۔ آنکھوں میں اطمینان ہلکورے لینے لگا۔

نئے گرم کپڑے اور جوتے' ہوٹل' سیر کا پورا پلان۔ ہر بار وہ پروگرام ترتیب دیتا تھا۔ اس بار وہ بڑھ چڑھ کر بول رہی تھی اور وہ مسکراتے ہوئے اسے سن رہا تھا۔

وہ اداس ہوتی تھی تو یوں لگتا۔ شام طاری ہو گئی ہو۔

خاموش دھیان کرواتی تھی۔ اتنا گہرا سناٹا کائنات پر طاری ہو گیا ہے کہ اگر اس سے پھول کھلے تو پتیوں کی انگڑائیاں اور ٹوٹتی سانسیں صاف سنائی دیں گی۔

وہ مسکرا رہی تھی اور اس عالم میں اس کے حسن کو بتانے کے لیے وہ چیخ چیخ کر لفظوں کی کمیابی کا رونا روتا تھا۔

اور اب ۔۔۔ جبکہ وہ کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔ بول رہی تھی۔ تب ۔۔۔

اسے اپنی قوت گویائی چھن جانے کا احساس ہوا۔

وہ خوب صورت تھی' وہ یہ بات ہمیشہ سے جانتا تھا۔

وہ اتنی زیادہ خوب صورت ہے۔ اسے ہر روز یہ بات جیسے نئے سرے سے پتا چلتی۔ نئے سرے سے حیران کرتی تھی۔

وہ اس کی تیاری کے جوش و خروش کو بڑی تسلی سے دیکھ رہا تھا۔ دنیا میں غم روزگار نہ ہوتا ۔۔۔ تو وہ ساری عمر ایسے گزار دیتا مگر ۔۔۔

آف ۔۔۔ یہ پاپی پیٹ ۔۔۔

☼ ☼ ☼

ایک دوسرے پر برف پھینکتے ہوئے۔ سنومین بناتے ہوئے بلند آہنگ قہقہے لگاتے ہوئے یوں لگتا جیسے زندگی نام ہے فقط ۔۔۔ خوشی ہنسی فراغت اور محبت کا ۔۔۔

اسے لگا' وہ بھی سب کچھ بھول بھال کر بس زندگی سے لطف اٹھا رہی ہے۔ دن گزار کے جب تھکے ٹوٹے جسموں کو گرم بستر میں ڈالتے تب فقط نیند کا خیال آتا پھر بھی اسے اس کا دھیان آجاتا۔

"کیا وہ اس کی غیر موجودگی میں بھی کھڑکی کو گھورنے آتا ہو گا ۔۔۔ کیا خبر ۔۔۔ وہ مجھے جانتا ہی نہ ہو اور یہ سب میرا وہم ہو کہ پہلے بھی تو ۔۔۔

کتنی عجیب بات تھی۔ وہ اس کی موجودگی سے ۔۔۔ موجودگی کے خیال سے۔ خوف زدہ تھی اور حیران تھی۔ پتا نہیں حیرت کا عنصر زیادہ تھا یا خوف کا؟ لیکن اسے اس سے جان کا خوف نہیں تھا۔

مال کا خوف بھی جاتا رہا۔

اسے اس کی موجودگی کبھی اپنی عزت کے لیے بھی خطرہ نہیں لگی تھی۔

پھر یہ کیسا خوف تھا؟ (کیسا اطمینان تھا؟) مگر ایسے جارح خیالات سے پتا نہیں وہ خود کیوں ڈر جاتی تھی۔ وہ اس کے لیے قطعاً "اجنبی تھا" مگر کچھ آشنائی کا خیال ۔۔۔

وہ باز پرس پر کیا جواب دے گا ۔۔۔ اسے اس جواب سے ڈر لگا ۔۔۔ نجانے کیسا جواب؟

مری سے واپس لوٹی تو گھر کے عین سامنے گاڑی رکنے اور گیٹ کھلنے کے مرحلے تک اس نے گردن گھما گھما کر خوب تسلی کر لیتی وہاں کوئی نہیں تھا اس کے دل میں سکون کی لہریں ہلکورے لینے لگیں۔ گھر میں اماں حمیداں موجود تھیں' مگر وہ بہت کچھ دیکھتی بھالتی جب اپنے کمرے تک آئی۔ ہر شے اپنی جگہ پر تھی۔ اس کے لبوں پر مسکان ابھر آئی۔

"اپنا گھر پھر اپنا ہی ہوتا ہے۔ دنیا جہاں کی خوب صورتی ایک طرف اور گھر کی خوب صورتی ایک طرف جو سکھ یہاں آکر ملا' وہ اتنا سفر کر کے اور پیسہ خرچ کر کے بھی نہیں ملا اور پھر تم ۔۔۔"

وہ بھی خوش گوار موڈ میں اندر آیا تھا اور اسے مسکراتا دیکھ کر بشاش ہو گیا۔ اس نے آگے ڈالے بال

پیچھے پھینکے تب وہ اس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔ اوٹ سے منہ نکال کر بالوں سے اٹھتی بھینی بھینی مہک کو اندر اتارتے ہوئے آئینے میں خود کو اور اسے دیکھنے لگا۔

"تمہاری یہ حالت میرے لیے عذاب کی طرح ہے اور مجھے قصوروار بتاتی ہے تب میرا جی چاہتا ہے میں خود کو ختم کرلوں اور۔۔۔ کہ سب دکھوں کا کارن شاید میں ہی۔" اس نے بے ساختہ اپنا ہاتھ اس کے ہونٹوں پر رکھ دیا۔ جملے کا گلا گھٹ گیا۔

"ایسا مت کہو۔ میری حالت کو کچھ نہیں ہوا اور اگر ایسا کچھ ہے بھی۔۔۔ تو اس سب میں تم بہرحال کہیں نہیں ہو۔ میرے مجرم کوئی اور لوگ ہیں۔"

دونوں کے مکالمے نے ماحول پر چھایا فسوں توڑ دیا۔ دونوں ہی کو احساس ہوا۔

"اوں ہوں۔۔۔۔ اب موڈ مت بدلو اپنی بات کرو اور میری۔۔۔ بس میں ہوں نا اور تم بھی ہو بس کافی ہے۔" اس کی یقین دہانی پر اس نے آنکھیں موند کر اس کے شانے پر سر ٹکایا تو وہ اسے لیے آگے بڑھنے لگا۔

ٹھنڈی ہوا نے اس کے جسم کو چھوا تو جسم میں پھریری سی دوڑی۔ وہ چونکی۔

"ارے ہٹو' کوئی دیکھ لے گا۔" وہ گھبرائی اور کسمسائی۔

"میں کسی سے نہیں ڈرتا۔" وہ مسکرایا تھا۔

"وہ تو مجھے معلوم ہے ہی۔" وہ ہنسی تھی' مگر آواز گھٹ گئی۔ اس نے کسی کے دیکھ لینے کا خدشہ یونہی "ناز" میں کہا تھا۔ سب کچھ فراموش کرکے۔۔۔ مگر۔۔۔ واقعی۔۔۔ اس کا خدشہ حقیقت کا روپ دھار گیا تھا۔

"کسی نے دیکھ لیا تھا اور وہ "کسی" کون تھا؟ اس کے پورے وجود میں سرد لہر دوڑ گئی۔ شدید سردی میں بھی اسے لگا کہ اس کے جسم سے پسینہ پھوٹا ہے۔

تینوں کی نظریں باہم ٹکرائی تھیں۔ "اوہ" وہ اسے ذرا سا خود سے دور کرتے ہوئے کھڑکی کے پٹ بند کرنے لگا۔ اس کی شدید گھبراہٹ اور فق رنگ کو اس نے "کسی کے دیکھ لیے" جانے سے تعبیر کیا تھا۔ وہ اس سے الگ ہو کر بیڈ پر جا بیٹھی اور ہانپنے لگی۔

پٹ بند کرتے ہوئے اس نے سامنے موجود شخص کو سرسری سا دیکھا تھا جو بینچ پر بیٹھا کتاب بینی کر رہا تھا اور ایک بار پھر سر جھک گیا تھا۔ کوئی پڑھنے کا شائق' پرسکون ماحول کا خواہش مند۔

"کم آن یار۔۔۔ بیوی ہی سے رومانس کر رہا تھا۔" وہ اسے گدگدانے لگا۔

"ڈرتی کیوں ہو؟"

وہ ذرا شانت نہ ہوئی۔ روشن دن میں وہ بہت دور تھا' مگر اس کی آنکھوں کی سرد مہری نے اس کے وجود کو ٹھٹھرا دیا تھا۔

خوف کا ایک کارن۔ اسے وہ آنکھیں اجنبی نہیں لگی تھیں اور پہلے ہاں پہلے اسے وہ ناک اجنبی نہ لگی تھی اور اب۔۔۔

"تم تو بالکل یخ ہو گئی ہو۔ میں تمہارے لیے اپنے ہاتھ سے کافی بنا کر لاتا ہوں۔ بے وقوف۔" وہ اس کے سر پر چپت لگاتا باہر کو نکلا تھا۔

☼ ☼ ☼

پڑ جایا کرتے تھے اسے ایسے قنوطیت کے دورے۔۔۔ جب وہ ہر شے سے بے زار دن رات کی ترتیب بھول جاتی تھی۔ پریشان حال۔۔۔ خاموش۔۔۔ چڑچڑی۔۔۔ یا پھر خالی آنکھوں سے گردوپیش کو اجنبیت سے تکتی۔ ایسے حال میں اسے اپنی کوکھ سے پیدا کیے بچے تک بھول جاتے۔

اور جب بھی وہ ان حالوں میں ہوتی وہ اسے قطعاً "نہ چھیڑتا۔۔۔ تاوقتیکہ وہ خود ہی نہ ابھر جائے۔ سوچوں کا اژدہام' ملال' یاد۔۔۔ دکھ۔۔۔ اور نم آنکھیں۔۔۔ نہ وہ نظریں چراتا تھا نہ جھاڑتا تھا اور نہ ہی تسلی کے لیے آراستہ جملوں کا ڈھیر لگا دیتا۔ بس اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے گرم جوش ہاتھوں میں بھینچ کر انہیں تھپکنا شروع کردیتا اور نگاہوں کی زبان سے یقین دلاتا تو وہ دھیرے دھیرے شانت ہونا شروع ہو جاتی۔

اور اب تو کتنے عرصے سے وہ ایسے ہی کسی موڈ کے زیر اثر تھی اور پہلے سے زیادہ پریشان دکھائی دیتی تھی۔ کسی ادھیڑبن کا شکار اس کا برتاؤ عجیب سا ہو گیا تھا۔ وہ تحمل سے وقت کے گزرنے کا انتظار کرتا تھا' مگر اس بار چوئیشن کچھ اور تھی۔

"تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ ہم اس شادی میں ضرور چلیں گے۔ میں سب سے کہہ چکا ہوں پلیز۔۔۔" بزنس پارٹنر کے بچوں کی شادی تھی۔ وہ کہیں آنا جانا پسند نہیں کرتی تھی' مگر اس نے خود ہی جوش کا مظاہرہ کیا تھا اور تیاری کی تھی "عرصہ ہی ہو گیا کوئی اچھی سی شادی اٹینڈ کیے ہوئے۔"

"تم بچوں کو لے جاؤ۔"

"جائیں گے تو سب ورنہ۔۔۔ کوئی بھی نہیں۔" اس کا جملہ ضدی تھا' مگر لہجہ اور تاثرات نارمل۔ وہ جبراً" مسکرا دی۔

"اچھا' میں چلوں گی۔۔۔" اس نے سر ہلا دیا۔ لہجے میں بشاشت پیدا کی تھی۔

"اوکے۔۔۔" وہ بالکل ہلکا پھلکا ہو گیا۔ شادی میں جانا اتنا اہم نہیں تھا' مگر وہ چاہتا تھا کہ وہ کسی بھی طرح اپنے خول سے باہر نکلے' کچھ لوگوں سے ملے' بات کرے' خوشی محسوس کرے۔

تیاری تو اس نے بہت پہلے سے مکمل کر رکھی تھی۔ بہت عرصے بعد کہیں جانے کا اتنا مزہ آیا تھا۔

بیڈ پر اس کے سنگھار کے تمام لوازمات پڑے تھے۔ لباس' میک اپ بکس' زیور جوتے۔ خوشبو۔ پھول۔

اس نے سارے بالوں کو سختی سے جوڑے میں کس کے سر کے عین اوپر چھوڑ دیا تھا کہ جاتے سمے برش لگا کر کھلا چھوڑ دے گی۔

زیورات کے کھلے ڈبوں میں سے اس نے بہت قدیم ڈیزائن کے بھاری سونے کے جھمکے پسند کیے جس کے ڈنڈی بڑے کٹوروں پر سرخ موتی لٹک رہے تھے۔ وہ ایک ڈبیا کھول کر کچھ نکال رہی تھی۔

"یار! کیا تم یہ ایک ٹاپس پہنو گی؟" وہ مکمل تیار تھا اور آرام کرسی پر بہت آرام دہ حالت میں بیٹھا نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ آج بھی ساحرہ تھی' جس کے منتر کا مارا پانی مانگنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔ ایڑیاں رگڑتا ہے۔ اور موت دور کھڑی ہاتھ ہلاتی ہے۔

مگر وہ بڑا سخت جان تھا۔ جلا ڈالو۔ پھونک دو مگر بس سامنے رہو۔ رہنے دو۔

"یہ جھمکے اچھے لگیں گے۔ یہ ٹاپس تو بہت چھوٹا ہے' دکھائی ہی نہ دے گا۔" اس نے آگے بڑھ کر کچھ حیرت سے سوال کیا تھا۔

"ٹاپس؟" وہ چونکی اسے دیکھا پھر اس کے ہاتھ میں موجود ڈبیا کو۔ اس پر چہرے کا استعجاب۔ وہ یکدم کھلکھلا کر ہنس دی اور ہنستی چلی گئی۔ وہ سوال بھول کر اسے ہنستا دیکھنے لگا۔ کتنے دنوں بعد وہ ایسے ہنسی تھی۔ کبھی تو اسے یوں ہی گمان ہوتا تھا کہ شاید وہ ہنسنا بھول گئی ہو۔

ایسی بے خود ہنسی۔

"یہ ٹاپس نہیں ہے۔" اس نے ڈبیا لے لی۔ "یہ ناک کی لونگ ہے۔"

"اتنی بڑی لونگ۔ ناک سے بھی بڑی۔" اس کی حیرت دوچند ہو گئی۔

"آج کل فیشن میں ہے حضور۔!" وہ اپنی ناک کی بے حد نازک ڈائمنڈ لونگ اتار رہی تھی۔ "کیا بری لگے گی۔"

"تم پر کوئی شے بری لگ سکتی ہے بھلا۔؟" وہ دوبارہ نیم دراز ہو کر اپنے مشغلے میں مصروف ہو گیا۔ (اسے دیکھنے' نثار ہونے کے)

لونگ اتارتے وہ شل ہو گئی اور جب لونگ اتر گئی۔ تو ناک سرخا سرخ ہو چکی تھی۔

"اچھا نہیں یہ نارمل حالت میں کب آئے گی۔" اس نے آئینے میں ناک کو دیکھ کر سوچا۔

وہ ناک کو سہلانے لگی۔ دفعتاً" اسے بہت عجیب

سا احساس ہوا۔ آئینے سے جھانکتی آنکھیں اور ان میں آئی درشتی اس نے نہیں دیکھ رکھی تھی۔ ابھی کچھ دن پہلے۔ اس نے بھنویں مزید سکوڑیں اور شعوراً "چہرے پر سردمہری سی طاری کی۔ منہ سے خارج ہوتا سانس کہیں حلق میں اٹکا رہ گیا۔ اس نے بہت عجلت بھرے چونکتے انداز میں اپنی ناک کو چھوا۔

(جیسے پھولوں کے کنج سے ببر شیر اچک کر نکلا ہو) وہ اچھل پڑی۔ اس کا بے حد خوف زدہ ہو کر وہ پیچھے کی جانب سرکنا اسے خود بری طرح محسوس ہوا۔ اس نے کسی دیوانے کی طرح اپنے خدوخال کو ٹٹولا۔ انکشاف۔ اس نے اپنی ناک کو چھوا۔ سیدھی تیکھی مغرور ناک۔ بہت خوب صورت ناک۔

(وہ بے ساختہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر نفی میں سرہلانے لگی۔ اسے آئینے میں اپنا چہرہ نظر نہیں آرہا تھا۔ اسے کسی اور کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔

ایک آشنا چہرہ۔

اس نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی آنکھوں کو دیکھنا شروع کر دیا اور اپنی چیخ کو روک نہ پائی اس کی وہ زور زور سے نفی میں گردن ہلانے لگی اور وہ جو اسے نثار ہوتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ بری طرح چونکا۔ اسے کیا ہو گیا تھا۔ وہ کس اذیت اور تکلیف میں یکدم مبتلا ہو گئی تھی۔ ایسی روح کھینچ لینے والی تکلیف۔ اسے اچانک کیا ہو گیا تھا۔ وہ تیر کی سی تیزی سے اس تک آیا تھا وہ اسے تھام کر شانت کرنا چاہتا تھا حالانکہ خود بولایا ہوا تھا۔ کیا ہوا۔ کیا ہو گیا تمہیں کیا ہوا۔

ریلیکس۔

وہ جتنا شانتی کا درس دے رہا تھا وہ بپھری جاتی تھی جیسے اس کے پیروں کے نیچے پانی ہو اور پانی میں کرنٹ چھوڑ دیا ہو۔ وہ خود کو چھڑا کر پھر ایک بار خود کو دیکھنے لگی۔

اپنی آنکھوں کو۔ اور۔ اور۔ اپنی ناک کو۔ بے حد خوب صورت ناک اس نے کسی ٹرانس کی سی کیفیت میں اپنی ناک کو چڑھا کر دیکھا۔

وہ تیر کی سی تیزی سے کھڑکی تک آئی اس نے اتنی زور سے پٹ کھولا تھا کہ چھناکے کی آواز سے شیشہ گر کے چکنا چور ہو گیا۔ وہاں سامنے نہر کے کنارے پر وہ۔ وہ موجود تھا۔

اس کی چیخیں اور پورے وجود کی کپکپاہٹ۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر بھاگی تھی۔

اس کے شانے پر سیاہ اسکارف تھا۔ ننگے پیر اس نے بیڈ روم کا دروازہ دھاڑ کی آواز سے کھولا تھا۔ وہ کاریڈور سے بھاگی۔ وہ دھڑ دھڑ سیڑھیاں اتری۔ گرتے اسکارف کو اب ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔

وہ اس کے پیچھے بھاگا تھا۔ کچھ سوچے سمجھے بغیر۔ وہ اسے پکار رہا تھا جو کچھ نہیں سن رہی تھی۔ بھاگی جا رہی تھی۔ وہ گھر کے اندرونی دروازے سے نکل کر ڈرائیو وے میں بھاگ رہی تھی۔ اس کا بھاگنا اور بے تحاشا رونا چوکیدار مین کے لیے شدید ترین اچنبھے کا باعث تھا۔ اور پیچھے بھاگتا صاحب۔

وہ روڈ کراس کر چکی تھی۔ اس کے بال کھل کر بکھر گئے تھے۔ اس نے کچی زمین پر جہاں کہیں کہیں لمبی گھاس تھی پاؤں رکھ دیے تھے۔ وہ سامنے تھا۔ اس کی رفتار تھم گئی اور وہ پھٹی آنکھوں سے سامنے موجود شخص کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ آنسو تھے۔۔۔ دکھ تھا۔ اور خوشی بھی تھی۔ مگر سب سے حاوی تھا شدید ترین بے یقینی کا احساس۔

ایک ساکت پل یوں تھا جیسے کائنات کا ہر ذی روح بے روح ہو گیا ہو۔

اور بس وہ دو انسان زندہ ہوں۔

وہ یکدم کسی جنونی کی طرح آگے بڑھی تھی۔

اس نے جیکٹ کا الٹا کالر گرا دیا تھا۔ اس نے کن ٹوپ اتار کر پھینک دیا۔ سنکی بالوں والا سر برہنہ ہو گیا تھا۔

اور وہ سرد آنکھیں۔

اور وہ بہت خوب صورت ناک۔
اس نے آگے ہو کر اس کے ہاتھ تھام لیے تھے اور یہ ساری حرکت اس کی جانب سے تھی۔
وہ بس ایک بت کی طرح ساکت تھا۔ جیسے اس نے خود کو اس کے اوپر چھوڑ دیا تھا۔
برداشت کی حد ختم ہو گئی۔ صبر کا خاتمہ۔ وہ ٹوٹی شاخ کی طرح اس پر گری تھی۔ اس سے لپٹی تھی۔ لپٹے لپٹے گھوم گئی۔
وہ اسے چوم رہی تھی۔ اس میں سما جانا چاہتی تھی۔ اسے خود میں سمو لینا چاہتی تھی۔
اس کی آنکھوں سے اتنا پانی بہہ رہا تھا جتنا کہ سامنے کھالے (نہر) میں بھی نہیں تھا۔
وہ اتنا چیخ رہی تھی کہ صبح دم چلاتی چڑیاں بھی ہار مان لیں۔
وہ اسے یوں ٹٹول رہی تھی۔ جیسے ریت کے ٹیلے پر گرا آنسو ڈھونڈتا ہو۔ وہ اسے پکار رہی تھی۔
''کاشان۔ کاشی۔ کاشان۔ میرے بھائی! میرے منے۔ میرے لاڈلے۔ میرے گڈے کاشان۔ میرے سوہنے شہزادے۔'' وہ چلاتی جاتی تھی۔
''میرے پالے گڈے۔ میری بچے۔'' اس نے اپنے نم ہونٹ اس کے گال پر جوڑ دیے وہ اسے بے تحاشا چوم رہی تھی۔ ان گالوں پر ہلکا سنہرا رواں تھا اور ہونٹوں کے اوپر بھی۔ وہ کسی بھی شرارت کے بعد جب بھاگتا آتا تھا اور اس سے چپکتا تھا تب اس کا سر اس کے پیٹ سے ٹکراتا تھا۔ پھر جب اس نے ذرا قد نکالا تو وہ اس کے سینے میں سما جاتا تھا۔
آج اس کا منہ چومنے کے لیے اسے ایڑیاں اٹھانی پڑ رہی تھیں۔
چھ سال میں اتنا فرق تو آہی جاتا ہے ناں۔
اس کے پیچھے بھاگ کر آتا جاذب سلطان وہیں رک گیا تھا۔ پھر وہ رخ پھیر گیا۔
ہوتا ہے بعض اوقات کائنات اس پل کو بھی دیکھتی ہے جب جانداروں کے اژدہام میں صرف دو انسان زندہ ہوتے ہیں۔

☼ ☼ ☼

''یہ کیسی ضد ہے کاشان۔۔۔ تین گھنٹے کی مشقت۔'' اس کا جسم تکان تکان چیخ رہا تھا۔ وہ ہر بار نیا جملہ سجا کر اسے پہلے سے کہیں زیادہ دل گیر، منت بھرا، شکست خوردہ رو دینے والا کہتی تھی۔
مگر جواب میں ایک لفظ ''نہیں''
وہ گردن کو ہر بار نفی میں ہلا دیتا تھا۔ ایسے جیسے اس کے علاوہ اور کچھ حرکت جانتا ہی نہ ہو۔
اور اس پر بے پناہ بے تاثر چہرہ۔۔۔ اس کے رونے چیخنے، پیٹنے لپٹ جانے چومنے کے باوجود وہ کسی پتھر کے بت کی طرح ایستادہ رہا تھا۔
کہاں کی تقریب ولیمہ اور اس کا بناؤ سنگھار۔۔۔ جانے کی جلدی و جوش وہ سب بھلائے تین گھنٹے سے اس کی منتیں کر رہی تھی جو جنبش کا بھی روادار نہیں تھا۔
ایک بے حد ٹھنڈی برف جیسی شام جو رات میں ڈھلنے لگی تھی۔
''تم اتنے ضدی تو کبھی نہیں تھے۔ دیکھو، سردی کتنی بڑھ گئی ہے اور رات سر پر پڑنے کو ہے۔'' اماں حمیداں اسے جاذب سلطان کی ہدایت پر کب سے گرم شال دے گئی تھیں۔
جاذب سلطان بڑے دنوں سے تاباں کے حالات دیکھ رہا تھا۔ اس کا کھویا کھویا پن، اس کی الجھن اور ان چھ سالوں میں اس پر کئی بار ایسے دورے سے پڑ جایا کرتے تھے جب وہ خاموش ہو جاتی تھی۔ راتوں کو جاگا کرتی یا رو رو کر ہونٹ سجا لیتی تھی اور دونوں لگ جاتے تھے ابھرنے میں نارمل ہونے میں۔۔۔ ایسے میں وہ اسے چھیڑتا نہیں تھا۔ اسے پوری سپورٹ دیتا کہ وہ خود ہی اس کیفیت سے نکلے کہ اس جنونی محبت و عشق کی سچائی کے باوجود۔۔۔ تمام تلخیوں اور حقیقتوں کے باوجود۔۔۔ کون مجرم اور کون بے قصور۔ اس بحث سے پرے وہ ان سب جدائیوں کا ایک سبب ضرور تھا۔
یہاں تک کہ وہ خود نارمل ہو کر زندگی گزارنے لگتی اور جیسے سب بھول کر ''حال'' میں مگن ہو جاتی۔

لیکن اس بار وہ سنبھلنے میں نہیں آ رہی تھی۔ اگر وہ بتا دیتی وہ کھڑکی میں کھڑے شخص سے خوف زدہ ہے تو وہ فوراً جاتا اور ایک پنچ مار کے اس شخص کو مٹی چاٹنے پر مجبور کر دیتا مگر تاباں ایسا نہیں چاہتی تھی۔ نہ جانے کیوں کوئی چیز اسے روکتی تھی۔
لیکن تین گھنٹے پہلے جب وہ حواس باختہ، ننگے سر پیر اندھا دھند نیچے بھاگی تھی تب وہ اس کے پیچھے تھا اور پھر جب وہ اس سے لپٹی اور زار و قطار رونے لگی اور اسے پکارنے لگی تو وہ اس کے نام کی پکار سے پہلے اسے پہچان چکا تھا اس نے چھ سال پہلے اس نو سال کے بچے کو بارہا تاج ہاؤس کے باہر دیکھا تھا۔
وہ بنا بنایا تاباں مجاہد تھا۔ ویسے ہی بال۔۔۔ آنکھیں اور ناک۔۔۔
تاباں اس سے لپٹی اور بکھرے بگڑے جملوں میں مسلسل کچھ کہتی جاتی تھی۔
تاباں اس کی جند جان۔۔۔ وہ دونوں اس پوری دنیا میں ایک دوسرے کے لیے تھے۔ چھ سالوں میں اس نے ایک پل کے لیے بھی اسے خود سے جدا نہیں کیا تھا۔
ماسوائے وہ دس روز جب وہ حیدر سلطان حیدر کے کوما میں ان کے ساتھ تھا اور وہ دس دن کیسے عذاب بن کر ان پر ٹوٹے تھے۔
مگر اس پل اسے لگا، وہ ان دونوں کے بیچ کہیں نہیں ہے اس منظر میں جاذب سلطان کی کہیں جگہ نہیں تھی وہ خاموشی سے روڈ کراس کر کے گھر کی طرف پلٹ گیا اس نے گیٹ مین کی شدید مستعجب نگاہوں کو دکھ سے دیکھا اور سر جھکائے لان چیئر پر براجمان ہو گیا اس نے گیٹ کو کھلا رکھنے کا کہا تھا۔
سرمئی شام نے جب رات کا سیاہ لبادہ اوڑھا تب وہ دونوں فقط سایہ نظر آنے لگے۔ مگر جاذب سلطان کی نگاہیں اندھیرے سے مانوس تھیں اور پھر یہ بھی کہ اس کے لیے جہاں تاباں ہوتی تھی روشنی خود بخود ہو جاتی تھی۔

☼ ☼ ☼

''کاشان! سنتے کیوں نہیں۔۔۔!'' وہ چیخ پڑا اس کے

برابر بیٹھی تھی۔ اس کے گھٹنے کو دھیرے سے چھوا۔
"رات ہوگئی شانی۔۔۔ سردی بڑھ گئی۔۔۔ اندر چلو ناں۔۔۔" وہ رودینے کو تھی۔

"رات۔۔۔" اس نے دھیرے سے سر اٹھا کر گردوپیش کو دیکھا پھر عجیب سی مسکراہٹ سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ "رات تو چھ سال پہلے ہوگئی تھی۔ ایسی رات جسے سویرا نصیب نہیں۔"

"اور ٹھنڈ۔۔۔" اس کا لہجہ اذیت سے پر ہوگیا۔
"اب کوئی شے اثر نہیں کرتی آپا۔۔۔ اب کسی شے سے ڈر نہیں لگتا۔" اس نے ٹھنڈا سانس لینے کو منہ کھول دیا۔ بھاپ کا ایک مرغولہ سا ہوا میں تحلیل ہوگیا۔

"شانی۔۔۔! نہیں۔" تاباں ایک بار پھر بے حد و بے حساب رونے لگی تھی۔ اس کے جملے اور لہجے کا ٹھہراؤ اس کے لیے حیران کن تھا۔

وہ جو بات بے بات ضد کرتا تھا اور اپنی منواتا تھا اور اس کے ہاتھ نہ آتا تھا۔ آج کیسے بے حس و حرکت پڑا تھا۔

"جب مجھے ڈھونڈ لیا تھا۔ پہچان گئے تھے تو پکارا کیوں نہیں۔۔۔ اندر کیوں نہیں آئے؟ ٹھہرے کیوں نہیں؟ آواز کیوں نہیں دی تاباں آپا!"

وہ ناک کی سیدھ میں دیکھ رہا تھا۔ گردن گھما کر اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگا۔

"جب اندر نہیں آنا تھا' ملنا نہیں تھا تو آتے ہی کیوں تھے۔ کیوں آئے آج بھی۔۔۔؟" اس نے یکدم اپنا بڑا پن جتاتے ہوئے ڈپٹا تھا۔ اسی مان و انداز سے جب وہ بہت چھوٹا سا تھا پیارا سا گپلو۔۔۔ سنہرا سنہرا سا۔۔۔

"کس نے کہا کہ میں اندر آنے کے لیے یہاں آکر کھڑا ہوجاتا تھا؟" اس نے الٹا سوال کردیا تو اس کے لہجے میں آنے والی تضحیک پر وہ اسے حیرانی سے دیکھنے لگی۔

"مجھے تو بس اس طرح آکر کھڑا ہونا تھا کہ کھڑکی سے نظر آجاؤں۔ نظر آتا رہوں۔"

وہ بہت نرمی سے' بہت اہتمام سے تیار کردہ جملہ کہہ رہا تھا۔ تاباں خاک نہ سمجھی۔
"کیا مطلب۔۔۔ کیا کہہ رہے ہو۔"

وہ اس کے چہرے پر گہری نگاہ ڈال کر کھڑا ہوگیا رخ پھیرلیا۔ وہ نہر کے شانیے کی صورت دکھائی دیتے پانی کو دیکھنے کی سعی میں تھا۔ اس نے جھک کر ایک پتھر اٹھایا اور نہر کے پانیوں میں دے مارا۔

چھپاکے کی آواز ابھری معدوم ہوئی اور پھر شانی۔۔۔
"کھڑکی سے باہر نظر آتے ایک شخص کو دیکھ کر آپ نے وہ فیصلہ کیا تھا۔ صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ مجھے یہاں کھڑا دیکھ کر آپ کیا فیصلہ کریں گی؟ اس کی بے چینی' ثابت قدمی' بے خوف و خطر ہونا آپ کو اتنا بھایا کہ آپ ہر شے کو بھول کر اس کے ساتھ چلی گئیں۔۔۔ اب آپ کے سامنے وہی صورت حال ہے۔ اب آپ کا فیصلہ کیا ہے؟"

کاشان مجاہد کو اپنے تمام جملے یاد تھے۔ اس نے جیسے سالوں کی محنت سے یہ سوال نامہ اور آپشن ترتیب دیے تھے اور تاباں سکتے میں آگئی تھی۔ وقت نے اس کے سامنے ہمیشہ مشکل سوال رکھے تھے۔

"پانچ ماہ سے دن رات موسم و حالات کی تفریق کیے بنا یہاں آکر کھڑا ہوجاتا تھا کہ دیکھوں آپ میرے لیے کیا کرسکتی ہیں۔۔۔ مگر۔۔۔ آپ۔۔۔ (وہ طنزیہ مسکرایا خود پر) آپ تو پہچان ہی نہ سکیں۔"

"میں نے پہچان لیا تھا شانی!" اس کی آواز بہت ہلکی تھی۔

"کھڑکی سے باہر کھڑے ایک اجنبی شخص پر اتنا یقین آگیا کہ ماں باپ کی عزتوں پر پیر رکھ کے نکل پڑیں۔ اس کی محبت اور ثابت قدمی نے سب اپنوں کی محبتوں پر پانی پھیر دیا۔

میں نے وہی چلن اختیار کیا۔۔۔ جو اس نے کیا تھا۔ اس نے محبت مانگی آپ نے دے دی۔ میں عزت مانگنے آیا ہوں آپا۔۔۔ دیں گی؟ دے سکیں گی؟ بہت پسند آیا تھا آپ کو جاذب سلطان کا طریقہ۔" وہ سر پر ہاتھ رکھ کے رونے لگا۔

میں نہیں جانتا' محبت کے بغیر زندگی کتنی تکلیف دہ ہوسکتی ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ عزت کے بغیر زندگی کتنی اذیت ناک ہوتی ہے۔" وہ اپنی لہو رنگ آنکھیں اس پر گاڑ کر بول رہا تھا۔ "کیونکہ ہم سب اس اذیت کو ہر پل جھیلتے ہیں۔"

"ایسا نہیں تھا کاشان! ایسا بالکل نہیں تھا۔ تم کچھ نہیں جانتے۔" وہ بارے ندامت سے بینچ پر گری تھی۔

"کھڑکی سے باہر کھڑے ایک شخص پر آپ نے عزت لٹادی۔ کھڑکی سے باہر کھڑے دوسرے شخص کو آپ عزت لوٹا سکتی ہیں؟"

"میں نے کھڑکی سے باہر کھڑے شخص کو دیکھ کر یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کاشان!" وہ کراہی۔

"اور صرف ایک باپ یا بھائی کی دشمن نہیں تھیں آپ۔۔۔ آپ نے سب کی زندگیوں کو' خوابوں کو' خوشیوں کو لوٹ لیا دولت گئی۔۔۔ عزت گئی۔۔۔ اور نام بھی۔۔۔ ہم میں سے کچھ جیتے جی مرگئے اور کچھ سچ مچ دنیا سے اٹھ گئے اور آپ۔۔۔"

"کک۔۔۔ کون۔۔۔؟" تاباں کا رواں رواں کھڑا ہوگیا اسے بس آخری لفظ یاد رہے تھے۔ "مجھے بتاؤ شانی کون۔۔۔؟"

"میری امی مرگئیں آپا۔۔۔! میری امی۔۔۔ اور میرے بابا جی۔۔۔" وہ ایسی بین ڈالنے والی آواز میں چلایا جیسے ابھی ابھی جنازہ اٹھا ہو۔

"امی۔۔۔ اللہ!"

اس کا چہرہ اتنا سفید ہوگیا جیسے سارا خون نچڑ گیا ہو۔ دونوں ہاتھوں سے ہونٹ ڈھانپ کر وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کاشان کو دیکھ رہی تھی جو نجانے آج کیا کیا کہنے والا تھا۔

"اور۔۔۔ اور اس غلط فہمی کا شکار مت ہوئیے گا کہ آپ کی جدائی نے انہیں بے حال کردیا تھا۔ آپ کے ہجر نے انہیں موت سے ہمکنار کردیا' نہیں۔۔۔ مرجانے کے لیے دوسری بہت سی باتیں تھیں اور اتنی ساری تھیں کہ انہیں زندگی سے بڑھ کر موت اچھی لگنے لگی۔

آپ کو پتا ہے جب جب رضوان بھائی اور عمران بھائی باہر سے کسی سے بھی آپ کا ذکر سن کر آتے تھے تب نازاں اور افشاں باجی۔۔۔ تھپڑوں' گھونسوں ٹھوکروں پر دھری جاتیں۔ رضوان بھائی نازاں آپا کو اتنے طعنے دیتے تھے اتنے طعنے کہ ان کا جگر چھلنی ہوگیا وہ دل کی مریض بن گئیں۔ امی ان کی اور وہ دونوں امی کی صورت دیکھنے کو ترس گئیں۔

ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر جب امی نازاں باجی کا حال پوچھنے چلی گئیں تو خالہ نے دروازہ نہیں کھولا' کہا رضوان عمران کے آنے سے پہلے چلی جاؤ۔۔۔ اگر جو انہیں خبر ہوگئی تو حشر اٹھادیں گے اور انہوں نے کہا کہ اگر یہ دونوں۔۔۔ تاج ہاؤس کے کسی بھی فرد سے ملیں تو اسی وقت اس پر طلاق لاگو ہوجائے گی۔

آپ کو پتا ہے' ضوفشاں آپی نے پورے کالج میں ٹاپ کیا۔ انہیں اعزازی شیلڈ سے نوازا گیا۔ ان کی محنت اور دعائیں رنگ لے آئیں۔ اخباری نمائندے گھر تک آئے تھے' مگر ان سے کہہ دیا گیا' وہ شہر سے باہر ہے۔ ابا نے گیٹ پر تالا ڈلوادیا۔

اور وہ جو حقوق و فرائض کی باتیں کرتی تھیں' بولنا بھول گئی تھیں' مگر ہمت کرکے گئی تھیں ابا کے پاس۔۔۔ اور انہیں ان کا وعدہ یاد دلایا اور ابا کا جواب ایک تھپڑ تھا۔ آپ کے ہر عمل کا انہیں شریک ٹھہرایا گیا۔ وہ رو رو کر کہتی تھیں ابا میں جھوٹ نہیں بولتی۔۔۔ ابا میرا اعتبار کریں۔ مجھے کچھ خبر نہیں تھی۔

ابا نے کچن میں جاکر دونوں چولہے ایک ساتھ جلائے اور وہ موٹی موٹی کتابیں جن کے حرف حرف آپی کو ازبر تھے۔ چولہے کے اوپر رکھتے جاتے تھے۔
"یہ بنے گی ڈاکٹر' اسے بنائیں ہم ڈاکٹر۔۔۔ تاکہ یہ نیا چاند چڑھائے۔"

پتا ہے نا وہ کیسی مدلل اور دو ٹوک بات کرتی تھیں۔ اپنی رائے پر کاربند۔۔۔ وہ صحیح ہیں تو یہ کافی ہے۔ اب اسے کوئی انچ سرکا کر دکھائے۔ وہ جانتی تھیں کہ کوئی نہیں مانے گا' مگر ہر روز صبح نئے عزم سے اپنی

درخواست لے کر پہنچ جاتی تھیں۔ ان کی درخواست میں ہر روز نئے جملے ہوتے تھے جیسے ہر رات وحی اترتی ہو۔ مگر آگے سب کے دلوں پر مہر لگ گئی تھی۔ کوئی نہیں سنتا تھا۔ اندھے بہرے گونگے لوگ۔۔۔

اور اب وہ شکیل بھائی کے سامنے تین حرفی جملہ بھی نہیں بول پاتیں ان کی زبان میں لکنت سی آگئی ہے۔ وہ یہ تک نہیں پوچھ سکتیں کہ آج کیا سبزی بنالی ہے یا بچوں کو دوا دلوا دیں اور بچوں کا بھی کیا ذکر' وہ بیٹے کو ساتھ لگائے پھرتے ہیں اور بیٹیوں کو یوں دیکھتے ہیں جیسے برہمن پجاری اچھوتوں سے کنی کترا کر گزرتا ہے۔"

"شش۔۔۔ شکیل کا کیا ذکر۔۔۔ ضوفی کی بات میں۔۔۔ کس کی بیٹیاں؟" کاشان کا ہر نیا انکشاف سر پر تلوار کی کاری ضرب بن کر لگتا تھا۔ یہ پہلی بار ہوا کہ بلبلا کر چلائی تھی۔

"شکیل کا ذکر۔۔۔" کاشان کے چہرے پر اذیت رقم ہوگئی۔ اس نے آسمان کو دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

ٹی وی اسکرین پر دل پہ ہاتھ رکھ کے گرے مجاہد تاج کو ایک دنیا نے دیکھا تھا۔ نا آشناؤں نے بھی اور آشناؤں نے بھی۔۔۔ ہر بندے نے اس قیامت کو اپنے حساب سے جھیلا تھا اور جواب دیے تھے۔ شکیل نے جمیل کی شادی کا بتاتے وقت اپنے نکاح کا بھی بتایا تھا۔ دوستوں نے پوچھا۔

"تایا کی وہ بیٹی تو نہیں نکلی ناں جو تیرے نام کی تھی؟" اس نے صاف انکار کیا اور بات کو ثابت کرنے کے لیے بے حد ناپسندیدگی' نفرت کے باوجود ضوفشاں مجاہد سے شادی کا اعلان کردیا۔

اسے اپنی عزت بچانی تھی اور تاباں مجاہد کی بہن سے بیاہ کرکے اپنے اندر کے انتقام اور ہتک کے احساس کو شانت کرنے کی سعی کی تھی (سعی لاحاصل۔۔۔ اس مشقت نے ضوفشاں کو ختم کردیا تھا۔ عزت شاید بچ گئی۔ ضوفی نہ بچی۔۔۔ انتقام ہر نئی صبح کی طرح تازہ دم طلوع ہوتا تھا)

وہ اس کی ٹھوکروں کی زد میں رہتی۔۔۔ اس کے طنز کے تیر سہتی۔۔۔ اسے بولنے کی آزادی نہیں تھی۔ باتیں کیا خاک کرتی۔ رائے دیتی' اختلاف کرتی یا فیصلہ دیتی۔ وہ تو سب خواب وخیال کی باتیں تھیں۔ اور کوئی نہیں تھا جو اسے روک سکے۔۔۔ بازپرس کرسکے۔ وہ اسے جوتی کی نوک پر رکھتا روتی تو چپ رہنے کی تادیب کرتا۔ چپ رہتی تو رلاتا (ہر حربے سے)

وہ اذیت پرست ہوچکا تھا اور ضوفشاں مجاہد اذیت پسند۔۔۔

رانیہ' سونیا کو میٹرک بمشکل کرنے دیا گیا۔ شکیل رات ایک بجے اٹھ کر ان کا دروازہ بجائے بغیر اندر گھس جاتا اور بیگ کھولنے لگتا۔ کاپیوں کتابوں کے ورق پھڑپھڑاتا ان کے تہہ شدہ کپڑے زمین پر پٹخ دیتا اور جھاڑتا کہ کوئی کاغذ۔۔۔ رقعہ۔۔۔ کوئی پوشیدہ چیز۔۔۔ عقیل ہمراہ ہوتا اور باقی سب کی چپ تائید کی مظہر۔۔۔ اس گھر کی لڑکیاں اسی سلوک کی مستحق تھیں۔

ضوفشاں پانچ سالہ شذرا اور چار سالہ خضری کو ابھی تک اسکول میں داخل نہ کرواسکی تھی۔ وہ شکیل ساجد سے کیسے کہہ پاتی۔۔۔ زبان کھولنے کے احساس ہی سے جسم کی ہڈیاں درد کرنے لگتی تھیں۔

لکنت زدہ۔۔۔ گھبرائی۔۔۔ سراسیمہ۔۔۔ چھائیوں بھرے چہرے والی ضوفشاں ساجد کو دیکھ کر کوئی یقین نہ کرتا' یہ وہی ضوفشاں مجاہد ہے جو حق بات ببانگ دہل کہا کرتی تھی اس نے سچ کہہ دیا ہے اور وہ ایک انچ نہ سرکے گی۔

اور ٹی وی اسکرین پر نظر آنے والا منظر اور مسلسل چلنے والی پٹی مائدہ مشاہد کے منگیتر اور سسرال والوں کی نظروں سے بھی گزری تھی۔

امتحان میں وہ بھی پڑ گئے تھے۔ گھران کے پاس نکل جانے کی ایک آسان صورت تھی۔ انہوں نے راستہ بدل لیا۔۔۔ کارڈ بٹ چکے تھے۔ فرنیچر ودیگر اشیا بک کروائی جاچکی تھیں۔ بہترین کھانے کے لیے ایڈوانس دیے جاچکے تھے۔ پیچھے ہٹنے کو کوئی صورت نہیں۔۔۔ سو تازہ تازہ رنڈوے تین بچوں کے دوگنی عمر کے شخص

سے مائدہ مشاہد کو بیاہ دیا۔ جو ہر پل پوچھتا تھا۔

"منگیتر یاد تو آتا ہوگا' یہ سارے لباس جو تم پہنے پھرتی ہو خریدتے وقت اسی کی سراہتی نگاہوں کو ذہن میں رکھا ہوگا۔ مجھے تم پھر کیسے اچھی لگو؟"

ایک عذاب' ایک تباہی' ایک مسلسل بربادی۔

مائدہ مشاہد سلائی کی ماہر تھی۔ سینے ادھیڑنے کے فن میں طاق۔۔۔ مگر وہ کپڑے کو ادھیڑنے سے واقف تھی۔ مگر لوگ روح کو ادھیڑنا بھی جانتے تھے۔

اور تایا جی کو مائدہ مشاہد کا غم لے ڈوبا۔ داماد تا ہی وہ بلا۔۔۔ کسی عفریت کی طرح لپٹی تھی۔ وہ جوان سب کے سامنے کچھ بھی کہنے سننے میں پاس نہ رکھتا تھا تنہائی میں تو۔۔۔

مسجد میں باجماعت نمازیں ادا کرنے والے مجاہد تاج پھر کبھی مسجد نہ گئے۔

جن مجالس میں وہ فیصلہ ساز تھے' وہاں ان کا ذکر اب بھی ہوتا مگر اب وہاں وہ صرف تاباں مجاہد کے باپ کے نام سے جانے جاتے تھے۔

جب دونوں بھائیوں نے کاروبار پر توجہ کم کی تو وہ ٹھپ ہونے لگا۔ جمیل اور شکیل اب گرتا دھرتا۔

اور آپ کو پتا ہے' مجھے اپنی عزت کتنی پیاری تھی اور کمتری کا کسی قسم کا احساس میرے لیے موت جیسا تھا' میں لفظ ہار کی ذلت نہیں سہہ سکتا تھا۔

بہت بچپن سے ابا جیسا بننا چاہتا تھا۔ سب مجھے سلام کریں' صرف سلام نہیں میں اپنے کام بھی اچھے رکھتا تھا۔

دوستوں کے گروپ میں ہمیشہ لیڈر تھا اور سب کو میری بات ماننا ہوگی اور کوئی میرے فیصلوں سے منع نہیں کرتا تھا۔

اور آپ کو پتا ہے پھر لڑکے مجھے دیکھ کر سرگوشیاں کرتے تھے۔

آپ کو پتا ہے' مجھے اپنا گھر کتنا پیارا لگتا تھا۔ گلی کا سب سے اونچا خوب صورت گھر۔۔۔ اور پھر میں وہاں سے بھاگا پھرا۔ ہوسٹل کی چھٹی بھی ہوتا تو گھر نہیں جاتا جاؤں بھی کیوں؟ وہاں اب ہے ہی کون۔ نہ ماں ہے اور باپ بھی نہیں ہے اور ضوفی آپی۔۔۔ میں شکیل بھائی کا رویہ برداشت کرہی نہیں پاتا اور ضوفی آپی کو دیکھ نہیں پاتا اور چھٹیوں کے سارے دن گھر کے اندر بند رہ کر گزار دیتا ہوں۔

امتحان میں فرسٹ آنے کا بھی دل نہیں کرتا آپا۔۔۔!"

اس نے اتنی دل گیری سے کہا کہ اس کے لہجے کی کرچیاں تاباں کے پیروں کو زخمی کرگئیں۔

"اب بتایئے' آپ میرے لیے کیا کرسکتی ہیں۔۔۔ میرے درد کا علاج ہے۔۔۔ میری سائیکل کی چین نہیں اتری آپا۔۔۔ زندگی کی چین اتر گئی ہے۔۔۔ لگادیں۔۔۔ ایک قدم آگے نہیں بڑھ پاتا۔

میرا قصور کیا تھا آپا۔۔۔؟" تاباں نے جنبش بھی نہ کی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات آرہے تھے۔

"اور میرا قصور کاشان۔۔۔؟ میرا کیا قصور تھا؟ کیا کیا تھا میں نے؟ کچھ بھی تو نہیں۔۔۔ میں بے قصور تھی شانی۔۔۔!"

کاشان کو بچھو کا ڈنک لگا۔ وہ گیلے گالوں کو پونچھنا بھول کر تاباں کو دیکھنے لگا یعنی کہ وہ اب بھی لاعلم تھی یا ہٹ دھرم (بے شرم)

"مجھے ایک لڑکے نے پسند کرلیا۔ میں نے پسند نہیں کیا تھا' میں بے خبر تھی۔ اس نے سیدھا راستہ اپنا کر رشتہ بھیج دیا' میں لاعلم تھی۔ اسے انکار ہوگیا' میں نہیں جانتی تھی وہ میرا پیچھا کرنے لگا۔ بھلے سے کرتا رہتا۔ وہ غیر برادری سے تھا' میں کیا کروں۔۔۔ میرے لیے فیصلہ کرنے والے بڑے تھے ناں وہ جو مرضی کرتے۔ میں اپنی زندگی میں مگن ومطمئن تھی۔

وہ شخص اپنے ہر عمل کے لیے آزاد تھا جو مرضی کرتا پھرے۔ میں تو اپنے گھر میں اپنے بہن بھائی کے ہمراہ مزے سے رہتی تھی۔ ہنستی کھلکھلاتی تھی۔ اچھے لباس پہنتی تھی۔ میری تو دنیا ہی الگ تھی۔ ضوفی نے کہا تھا۔ راستے میں کتا پیچھے پڑجائے تو پتھر کتے کو مارتے ہیں نہ کہ خوف کھانے والے کو۔

مائدہ، ضوفی، رانیہ، سونیا اور بچیوں کا حال بتا کر تم مجھے رحم کھانے کا کہہ رہے ہو۔ گھر کے مردوں کی بے عزتی بتا کر شرم سار کرنا چاہتے ہو، نہیں آتی مجھے شرم۔ مجھے نفرت ہو رہی ہے گھر والوں سے 'انھوں نے بے قصور لوگوں کو سزا دی کیا یہ انصاف تھا؟ یاد رکھو جہاں انصاف نہیں ہوتا وہاں صرف بربادی ہوتی ہے۔ وہ معاشرے' وہ قومیں برباد ہو جاتی ہیں۔

جاذب سلطان اپنے ہر عمل میں یک طرفہ تھا۔ میری بلا سے..... میں اپنی گھر کے اندر بے فکر تھی۔ مگر میرے لیے گھر کے اندر زندگی کس نے تنگ کی۔ میرے اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے پر تنقید کی جانے لگی۔ مجھ سے بازپرس کرنے لگے جبکہ مجھے کچھ پتا ہی نہیں تھا۔

ضوفشاں کو ڈاکٹر بنا رہے تھے۔ ماجدہ کے لیے جمیل..... مائدہ کے لیے افسر اور میرے لیے وہ زمانے بھر کا نکما شکیل..... کیوں؟

پیچھا کرتے ایک شخص کو مار پیٹ کر آگئے اور اس شکیل نے متوقع رشتہ کا سن کر جب حق جتانا شروع کر دیا۔ عجیب سی نگاہوں سے دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ میرا ہاتھ تھام لیتا تھا۔ کیوں؟ جمیل بھائی نے تو نکاح ہونے کی باوجود ماجدہ کے ساتھ یوں نہ کیا حد فاصلہ برقرار رکھی۔"

تاباں کی آنکھیں بہنے لگیں۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔

"اس نے کیوں میرے بالوں کی لٹ کو اپنی انگلی پر لپیٹا تھا۔" اس کی آواز بھرا گئی "اور وہ کیوں مجھے ذو معنی جملے کہنے لگا تھا۔

گھر کے باہر پیچھا کرتا ایک شخص ابا کی غیرت پر ضرب لگا رہا تھا۔ گھر کے اندر ہوتی یہ کارروائی کس نام سے پکاری جائے گی؟

تم سچ کہنے آئے ہو تو سچ سننے کا بھی حوصلہ رکھنا میں آج ایک لفظ برابر کا جھوٹ بھی نہ بولوں گی شانی....."

اس نے ہتھیلی کی پشت سی آنکھیں رگڑی تھیں۔

"کھڑکی سے باہر کھڑے طلبگار شخص کو دیکھ کر اور پھر اس کی پتا سن کر خواہش ابھری تھی ایک بار اس کی صورت ہی دیکھ لوں۔ مگر مجھے اپنی حدود یاد تھیں۔ عزت۔ ذات۔ خاندان۔ شرافت۔ نجابت۔

میں جھوٹ نہیں کہتی۔ اس کے رقعے راتوں کی نیند اڑا دیتے تھے۔ مگر میں نے کوئی بے عقلی نہ کی۔

مرد جس غیرت و عزت کا راگ الاپتے ہیں۔ وہ عورت کی کل متاع ہوتی ہے۔ اور ذرا سا ہوش آنے پر ہی وہ سب سے پہلے بھانپ لیتی ہے۔ تو کیا مجھے اپنی عزت کا پاس نہ ہوتا۔ کس نے بتایا تھا رضوان' عمران بھائی کو سارا قصہ..... یہ کہ ہماری لڑکی کے پیچھے لڑکا آنے لگا ہے..... ایسی باتیں فخریہ بتاتے ہیں کہ پی جاتے ہیں؟

ڈھکی چھپی بات کو اچھالنے والے شکیل و عقیل اور چاچی جی تھیں۔ کسی نے مجھے اس سے آنکھ مٹکا کرتے دیکھا تھا یا خفیہ ملاقاتیں کرتی میں پکڑی گئی تھی؟؟؟ میں اپنے گھر کے اندر تھی شانی..... گھر گھر مجھے ہوتاں تحفظ عزت مگر.....

مگر گھر والوں نے مجھ سے یہی چھین لیا تو زندگی مجھ پر تنگ ہو گئی۔

گھر والوں کی بے اعتباری نے 'بے یقینی نے' شکوک نے مجھے جیسے چوک پر برہنہ کر دیا تھا انہیں اپنے خون پر اعتبار نہ تھا۔

مجھے درمیان سے نکال کر دیکھو کاشان!

کیا ہوا تھا۔ غیر زبان و برادری سے رشتہ ہی آیا تھا ناں؟ شریعت کو جاننے کا دعویٰ کرنے والے اس وقت شریعت بھول گئے۔ اپنے ہاتھوں بنائے ہوئے رسم و رواج اور حد بندیاں یاد رہیں۔ وہ شخص کافر تو نہیں تھا آوارہ یا نکھٹو بھی نہیں تھا۔ کسی کبیرہ گناہ میں بھی مبتلا نہیں تھا۔ نیکی اور تقویٰ ایک بیٹی کا رشتہ کرتے ہوئے یہی دیکھنے کا حکم ہے ناں۔ ذات برادری کا تو ذکر کہیں نہیں ہے۔

تم اس مذہب کو مانتے ہو نا جہاں لڑکی کو باپ کے کیے نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ قبیلے اور خاندان تو پہچان کے لیے بنائے گئے ہیں ناں..... اعلیٰ و

ارفع تو تقویٰ ہے ناں ۔۔۔ انکار کا کوئی جواز تو ہوتا۔ جاذب سلطان ایک ایسا پرپوزل تھا۔ جس کے لیے دعائیں مانگی جائیں اور یہ میں نے نہیں ضوفی نے ہی سے کہا تھا اور ابی نے تائید کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا۔ اب تاباں کے لیے اس سے کم پر کم از کم ان کا دل تو راضی نہ ہوگا پھر شکیل ساجد کو مجھ پر کیوں مسلط کیا گیا

میں جاذب سلطان کی سمت میں گھر سے نکلی تھی۔ نہیں قطعاً "نہیں میں گھر والوں کی خود سے نفرت ' حقارت دیکھ کر اپنی زندگی ختم کرنے نکلی تھی پھر وہ راستے میں ٹکرا گیا اور میں نے حرام موت سے منہ موڑ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔"

وہ یکدم چپ کر گئی۔ تو فضا میں بھی سناٹا بولنے لگا اور کاشان مجاہد ششدر تھا۔ وہ الزامات لگانے آیا تھا۔ وہ تاباں مجاہد کو جملوں کی مار مارنا چاہتا تھا۔ شرمسار دیکھنا چاہتا تھا۔ ایسی کہ زندگی بھر زخم چاٹتی رہے۔ مگر......

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ایک محبت پا کر میں ساری محبتیں بھول گئی ہوں مجھے بھی سب لوگ یاد آتے ہیں۔ وہ گھر یاد آتا ہے۔ جس کے دروازے مجھ پر بند کر دیے گئے مجھے کوئی یاد نہیں آرہا تھا۔

شانی جب کچھ اور وقت گزرا۔ تب پچھتاوے شروع ہونے لگے۔ یہ میں نے کیا کر دیا؟؟؟ اور ہر روز یہ احساس نئے روپ سے آکر ایسے کچوکے لگانے لگا کہ میری سانسیں رکنے لگیں۔

چھ سال سے میں پچھتاوں کی آگ میں جل رہی تھی۔ مگر آج جیسے آرام میں آگئی ہوں۔

مجھے الزام دیتے ہو؟؟؟ باپ کی سزا بیٹی کو نہیں ملتی ہر فرد اپنے کیے کا خود ذمہ دار ہوتا ہے اس خاندان کی سفارش کرتے ہو؟؟؟ جسے اللہ کا یہ قانون یاد نہیں ہے آج تمہارے منہ سے سنا کہ اس گھر میں پیدا ہونے والی ہر لڑکی کے لیے کیا فیصلے کیے گئے۔ تو اپنا فیصلہ درست لگنے لگا۔ سب سے نفرت ہو رہی ہے۔ مجھے نہ جیت سکے تو باقی سب کو مار دیا؟"

اس نے اپنے لب کچل ڈالے۔ اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو چکی تھیں۔ ناک آنکھ اور منہ سے پانی نکل رہا تھا۔

اور کیا تھا یہ سب ۔۔۔ ایک انتہا پسندانہ سوچ ۔۔۔ ایک غرور تکبر اور تعصب کہانی سیدھی ہو سکتی تھی زندگی آسان ہو جاتی۔ اگر میانہ روی اختیار کر لیتے بن بیاہی لڑکیوں کا ڈھیر اکٹھا کر کے بیٹھے ہیں۔ ہسٹریا کے دورے پڑتے ہیں سب کو۔۔۔ بھائیوں اور بھابیوں کے در پر پڑی ہیں۔ مفت خوری کا طعنہ سنتی ہیں۔ بڑھاپے کے عالم میں کوئی درد آشنا نہیں۔ کوئی ہمدم ہمراز نہیں ۔۔۔ اولاد نہیں کہ دو بوند پانی ٹپکا دے۔

اور صرف ہماری نسل میں نہیں ۔۔۔ ہماری ماؤں اور نانیوں کے نسل میں بھی ۔۔۔ گھر بھر لیے لڑکیوں سے ۔۔۔

کیا نہ اچھا ہوتا کہ شریف ۔۔۔ دو وقت کی روٹی عزت سے کھلانے والے کو دیکھ بھال کے ان سب کو بیاہ دیا جاتا؟

تمہیں تو یاد بھی نہ ہوگا۔ مگر مجھے یاد ہیں پھپھو کی نند ۔۔۔ دو دن تک اپنے کمرے میں مردہ پڑی رہیں اور بھرے پرے گھر میں سے کسی کو بھی خبر نہ ہوئی۔

جو شخص میرے قابل نہیں تھا۔ اسے ضوفی جیسی لڑکی دے دی گئی۔" بہت دیر بعد وہ بولی تو اب ضوفشاں مجاہد کا غم اسے رلانے لگا۔ "کتنی قابل اور با اعتماد تھی ضوفی..... ایک بار ابا کا دل نہ کانپا کہ وہ ضوفی کے ساتھ کتنا برا کر رہے ہیں۔ کیا یہ ناانصافی نہیں؟ ظلم نہیں؟ ایک بار سوال ان سے بھی کرنا تھا ناں؟

گھر سے بھاگ کر شادی کرنے والی لڑکیوں کو ہمیشہ سکھ نہیں ملتا زیادہ تر وہ برباد ہی ہوتی ہیں۔ شوہر بھی شک کرتے ہیں اور سسرال میں بھی عزت نہیں ملتی مگر لڑکیاں یہ کیوں کرتی ہیں۔ یہ کبھی نہیں سوچا۔

تم مجھ سے جواب دہی کے لیے چھ سال تک سوال نامہ بناتے رہے۔ تمہارا ہوم ورک مکمل ہے شانی! اور میرے پاس تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں ۔۔۔ لیکن یہ بتاؤ۔ کیا تمہارے پاس میرے سوالوں کے جواب ہیں؟

تم میرے پاس عزت ' مقام ' رتبہ مانگنے آئے ہو ' میں بھی تو اسی عزت ' مقام کے لیے گھر سے نکلی تھی۔ میں تمہیں خوش نظر آتی ہوں لیکن میں خوش نہیں ہوں۔ اتنے رشتے کھو کر ایک رشتہ پایا ہے؟ وہ ان سب کا نعم البدل تو نہیں ہے لیکن ان سب سے بہتر ضرور ہے۔"

دونوں اپنی اپنی جگہ سچے تھے حق بجانب ۔۔۔ زیادتی دونوں کے ساتھ ہوئی تھی اور دونوں ایک دوسرے کے مجرم تھے۔

"ہاں میں اپنی تمام تر باتوں میں حق بجانب ۔۔۔ مگر پھر بھی زیادتی کر گئی۔ میری وجہ سے۔" اس کی آنسو ٹپکا [illegible] کر تھکی آنکھوں سے ایک آنسو لڑھکا "لیکن میں [illegible] سوچا تھا۔ بس ہو گیا۔ تھی تو میں بھی ان [illegible] ۔۔۔ وہی خون اور سوچ ..... انتقام اور منصوبہ سازی میں ان سے کمتر کیسے ہو جاتی ' لیکن ۔۔۔ یہ دل بہت اندر کیوں کٹتا ہے۔ جسے میں قصوروار ۔۔۔ آن ۔۔۔ نہیں مگر ۔۔۔"

اور کاشان مجاہد ہارا ہوا سا ' تھکا نڈھال بینچ پر بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ بدحالی کا نمونہ تھا۔

بہت خیال تھے۔ وہ اسے ذلیل و خوار کرے گا اور زندگی بھر کے لیے سوالیہ نشان چھوڑ آئے گا کہ اس نے کیا کر دیا تھا۔ سب کے ساتھ اور اس کے ساتھ؟

سوالوں کے جواب سے تشفی ہوئی نہ ہوئی۔ سوچ کے نئے در وا ضرور ہوئے۔ ایسے پہلو جو نظروں سے اوجھل تھے اور کسی نے بتائے بھی نہیں ..... چھ سال کے حساب کتاب کو شاید دوبارہ جانچنا ہوگا۔ کچھ اصولوں کی نئی ترتیب..... کچھ نظریات کی تبدیلی.....

ہم خود کو مسلمان کہتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کو مانتے ہیں تو اس کے بنائے اصول و ضوابط کیوں نہیں؟ یہ خود ساختہ روایتیں کب تک؟ دیوار پر چڑھ کر تماشا دیکھتی چاندنی ۔۔۔ دھیرے دھیرے بے آواز سرکتے ہوئے ان دونوں کے بیچ میں آبیٹھی تھی۔

دونوں ساکت و صامت تھے۔ جیسے مجسمے ۔۔۔ مگر ہلکی سی سسکی ۔۔۔ تاباں بری طرح چونکی۔ کاشان مجاہد کے دونوں ہاتھ گود میں دھرے تھے اور ان پر ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ وہ پتا نہیں کس چیز کو رو رہا تھا۔

تاباں بے تابی سے اٹھی تھی۔ اس کی تیزی کو دیکھ کاشان مجاہد نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ تاباں نے ہاتھ بڑھائے تھے۔ وہ اس سے لپٹ گئی۔ کاشان نے اپنے بازو تاباں کے گرد پھیلا دیے تھے۔ کاشان کے کان میں سرگوشی ابھری۔

"حقیقت یہ ہے کہ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتی اور تم میرے لیے کچھ نہیں کر پاؤ گے۔"

کسی بھی عدالت ' منصف اور وکیل کے بغیر ان دونوں نے اپنا فیصلہ کر لیا تھا۔ تاباں تسلیم کر چکی تھی۔

بعض مقدمات کا انجام فقط شکست ہی ہوتا ہے۔ مگر گلے اس لیے ملتے ہیں کہ چلو ایک انجام تک تو پہنچے۔